قرآن وحدیث طبّ وحکمت اور
جدید سائنس کی روشنی میں

بچوں کی تربیت کیسے کریں؟

تالیف: سراج الدین ندوی
اضافہ ونظرثانی: محمد طاہر نقّاش

دار الابلاغ
DARULIBLAGH



نام کتاب .... بچوں کی تربیت کیسے کریں؟

مولف .... سراج الدین ندوی

نظر ثانی واضافہ.............. محمد طاہر نقاش

اشاعت اوّل .... نومبر 2001ء

تعداد .... ایک ہزار

قیمت .... 120 روپے

ناشر:- دارُالابلاغ پبلیشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز لاہور۔

فون : 042-7120207

قرآن وحدیث طب وحکمت اور
جدید سائنس کی روشنی میں

بچوں کی تربیت کیسے کریں؟

تالیف: سراج الدین ندوی
اضافہ نظرثانی: محمد طاہر نقاش

دارالابلاغ
DARULIBLAGH

دارالابلاغ پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز لاہور پاکستان

فہرست مضامین

باب ششم

تربیت پر اثر انداز ہونیوالے عوامل

تعلیمی نظام

باب ہفتم

بچوں کا بگاڑ اور ان کی اصلاح

چند بری عادتیں

باب ہشتم

بچوں کی زندگی میں اسلام کی جھلک

حرف آغاز

پھولوں اور کلیوں کی باغبانی کیجئے

ہمارے بچے ہمارے خوشیوں و شادمانیوں اور مسرتوں کے گلشن کے پھول اور کلیاں ہیں۔ اس گلشن کے لہلاتے، مسکراتے گنگناتے اور چہچہاتے شاداب غنچے ہیں۔ ان کی آبیاری ان کی ہمہ وقت آباد کاری ان کی نگہبانی اور باغبانی کرنا ہمارا فرض ہے۔ بالکل ایسے کہ جیسے ایک باغبان باغ کے پیڑوں پودوں اور پھولوں کی باغبانی کرتا ہے ...... وقت پر ان کی پنیری لگاتا ہے، زمین کو نمو کے قابل بناتا ہے، برے موسمی اثرات سے بچاتا ہے ..... نقصان دہ حشرات اور کیڑوں، مکوڑوں اور سنڈیوں کے حملوں سے ان کو بچاتا ہے ...... ان کی تراش خراش کرتا ہے ...... ان کی نزاکت، خوبصورتی اور رعنائی و زیبائی اور دلربائی کو بچانے کے لیے ہر جتن کرتا ہے .... بالکل ایسے ہی ...... بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ...... ہمیں اپنی زندگانی کے گلشن اور چمن کے پھولوں اور کلیوں یعنی اپنے بچوں کی بہترین پرورش کرنی ہے ...... تاکہ وہ عالم شباب میں پہنچ کر ہمارے لیے اور خود اپنے لیے نیک نامی اور دنیا و آخرت میں کامیابی کا باعث بن سکیں۔

اس مقصد کے حصول کے لیے والدین ہمیشہ اپنی زندگی ایک باغبان بن کر گزار دیتے ہیں۔ اور پھر بہترین تربیت کی بنا پر تیار ہونے والی اولاد ان کے لیے تیز دھوپ میں سایہ ثابت ہوتی ہے اور ان کو راحت و آرام پہنچا کر خود راحت محسوس کرتی ہے ...... اور پھر زبان سے اپنے پروردگار سے ان کے لیے یوں گویا ہوتی ہے کہ:

((رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا))

"اے ہمارے رب! ہمارے والدین پر اپنے رحم و کرم کی چادر تان دے کہ جس طرح انہوں نے ہمیں بچپن میں پالا اور پرورش کیا۔"

یہ کتاب بھی اسی مقصد کے لیے لکھی گئی ہے کہ ہم نے اپنی اولاد کے متعلق وہ کون سا طریقہ تربیت اختیار کرنا ہے کہ جس کو اپنا کر ہم اور ہماری اولاد دنیا و آخرت میں کامیاب و سرخرو ہو سکیں۔ اور جس کے نتیجے میں ہم معاشرے اور ملت کو بہترین ہونہار اور صالح نسل سونپ سکیں، اس لیے کہ مستقبل قریب میں انہوں نے ہی ملکی نظم و نسق کو سنبھالنا ہے اور ملت اسلامیہ کی قیادت کرنی ہے۔

اصل میں جناب سراج الدین ندوی حفظہ اللہ تعالیٰ نے اس موضوع پر "بچوں کی تربیت" کے نام

سے کتابچہ لکھا۔ بندہ نے اس کو مفید پایا لہٰذا اس کتابچہ کی بنیادوں پر اس میں ابواب کا اضافہ کیا۔ اور ہر موضوع پر بہترین مواد شامل کیا۔ فللہ الحمد اس کے علاوہ اس میں اسلامی رنگ کو غالب رکھا کہ جو حقیقت میں تربیت کا نقطہ آغاز ہے۔ ضعیف احادیث کو نکالا ان کی جگہ صحیح احادیث کا اضافہ کیا۔ طب و سائنس کی راہنمائی کو بھی اس میں شامل کیا۔ بعض غیر معروف اور ہندی الفاظ کو اردو کے قالب میں ڈھالا۔ ممکن حد تک تمام احادیث کی تخریج و تصحیح کا بھی اہتمام کیا۔ اس کے علاوہ کتاب کے آخر میں میں نے عالم عرب کے شہرہ آفاق سکالر جناب محمد بن جمیل زینو کے بچوں کی تربیت پر لکھے گئے مقالے کا ترجمہ "بچوں کی زندگی میں اسلام کی جھلک" کے نام سے شامل کر دیا ہے۔ ان تمام مراحل سے گزر کر اب یہ ایک بہترین اور جامع کتاب کی صورت میں آپ کے سامنے ہے اور اللہ رب العزت کی مہربانی سے اس کی یہ خاصیت ہے کہ یہ صحیح احادیث اور اس کے ساتھ ساتھ طب و حکمت اور جدید سائنس کی راہنمائی پر مشتمل اپنی نوعیت کی واحد منفرد کتاب ہے کہ جس میں اس قدر ٹھوس اور حقائق پر مبنی بچوں کی تربیت کے متعلق راہنمائی فراہم کی گئی ہو۔ فللہِ الحمد

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ اس حقیر سی کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبولیت کا درجہ بخش دے۔ اور اس کو والدین کے لیے اپنے بچوں کی اللہ رب اللعالمین اور رحمۃ اللعالمین خاتم النبیین ﷺ کی ہدایات و فرامین کی روشنی میں بہترین تربیت کرنے کی توفیق دے۔ (آمین)

اس کتاب کی تیاری میں جناب محترم القام بھائی امیر حمزہ حفظہ اللہ تعالیٰ جناب محترم مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ تعالیٰ اور بھائی محمد اسلم شاہد روی صاحب اور محترم بھائی نصیر صاحب آف راولپنڈی کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس کی تیاری میں ہمہ وقت تعاون اور راہنمائی فرمائی۔ فجزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء

خادم قرآن و سنت

محمد طاہر نقاش

۲۰ اگست ۲۰۰۱ء لاہور

حرف ناصحانہ

بچے والدین کے لیے فطرت اور قدرت کا سب سے بڑا انعام ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہیں۔ یہ ایک فطری جذبہ اور داعیہ ہے کہ والدین اپنے بچوں کے مستقبل کے بارے میں بہت بلند تمنائیں وابستہ رکھتے ہیں۔ یہ اولاد اگر علم کے زیور سے آراستہ اور تربیت کے جوہر سے مزین ہو تو والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دلوں کا سرور بن جاتی ہے۔ اگر اللہ نہ کرے یہ تربیت کے جوہر سے محروم ہو جائیں' تو پھر جیتے جی ان کے لیے مستقل عذاب بن جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی ہر تہذیب اور مذہب میں بچوں کی نگہداشت' تعلیم اور تربیت کے بارے میں بڑا قوی احساس پایا جاتا ہے۔ مگر اسلام بچوں کی تہذیب و تربیت کو فرضیت کے درجے میں شمار کرتا ہے۔ اور اس شرعی ذمہ داری کے لیے پہلے قدم پر والدین' دوسرے قدم پر معاشرہ اور تیسرے مرحلے پر ریاست کی مسئولیت کا ذکر کرتا ہے۔

یہ ایک عجیب صورت حال ہے کہ بنی آدم کی ذریت کے علاوہ تمام مخلوقات کے بچے اپنی تربیت جبلی سطح پر حاصل کرتے ہیں۔ مچھلی کے تیرنے کا فن' پرندوں کے اڑنے کا سلیقہ اور حشرات کے رینگنے کی خُوبُو کسی ادارے کی تربیت کی محتاج نہیں ہے' یہ مشکل صرف انسانی بچے کے ساتھ وابستہ ہے کہ وہ پیدائش کے ساتھ ہی ہر مرحلے پر والدین کی توجہ کا طالب ہوتا ہے۔ اس لیے کوئی معاشرہ بھی والدین کو بچوں کی تربیت سے بری الذمہ قرار نہیں دے گا۔ جہاں وہ بچوں کی کفالت کے لیے تگ و دو میں مصروف رہتا ہے وہاں اس کی علمی اور اخلاقی تربیت بھی ان کی توجہ اور جدوجہد کی محتاج ہے۔

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو ماں کی آغوش سے لے کر لحد میں اترنے تک ایک دستور تربیت عطا کرتا ہے۔ اس ضابطۂ حیات میں بچوں کی تربیت اپنا ایک خاص مفہوم رکھتی ہے۔ یہی باعث ہے کہ اسلام میں بچوں کی تربیت کا منہج دوسرے مذاہب سے بالکل جداگانہ ہے۔ قرآن مجید میں سورۃ لقمان اور سورۃ تحریم میں خصوصیت کے ساتھ اس پہلو پر توجہ دلائی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُوٓاْ أَنفُسَكُمۡ وَأَهۡلِيكُمۡ نَارٗا﴾ (التحریم ٦٦/٦)

"اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے بیوی بچوں کو جہنم کی آگ سے بچالو۔"

اس آیت کی تفسیر میں امام بخاریؒ نے مجاہد کا یہ قول نقل کیا ہے "اپنے آپ کو اور اپنے اہل خانہ کو اللہ کے تقویٰ سے آگاہ کرو اور انہیں ادب کا سلیقہ سکھاؤ۔" رسول اللہؐ نے ایک حدیث میں جہاں ہر

شخص کی نگرانی اور مسئولیت کا ذکر فرمایا ہے وہاں مردوں کو اپنے اہل خانہ کی مسئولیت سے بھی خبردار کیا ہے۔ احادیث میں بڑی کثرت سے بچوں کی تربیت کے مختلف مراحل اور لوازم کا ذکر کیا گیا ہے، جس کی تفصیلات اس کتاب کے مختلف ابواب میں جاری دیکھی جا سکتی ہیں۔ دور جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کی ایجادات اور آسائشات سے عبارت ہے، اس میں علوم و فنون کے وسیع تر امکانات سے متعارف کرایا گیا ہے۔ بچوں کے لیے تعلیمی اداروں کا ایک جال پھیلا دکھائی دیتا ہے جہاں مہنگی فیس کے ساتھ والدین اپنے نونہالوں کو علم اور تربیت کے لیے بھیجتے ہیں لیکن بقول اقبالؒ ع

ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

دور حاضر میں بچوں کی تربیت کے عنوان سے وسیع تر لٹریچر تیار کیا گیا ہے۔ بچوں کی نفسیات اور آموزش پر تمام زبانوں میں کتب خانے بھرے پڑے ہیں۔ ان کے لیے سمعی و بصری معاونات کے انبار لگا دیئے گئے ہیں۔ کمپیوٹر گیمز کا ایک سیلاب بلا ان کو اپنے لطف میں غرق کیے ہوئے ہے۔ معلومات کا ایک جہاں ان کے لیے فراہم کیا گیا ہے۔ ان کے علم، ہنر اور تربیت کے لیے بنیادی ادارے تشکیل دیئے گئے ہیں۔ صنعتی دور کی برکات نے بچوں کو ماں کی آغوش سے محروم کر رکھا ہے اور ان کی اسی ضرورت نے ڈے کیئر سنٹرز کو رواج دیا ہوا ہے۔ جہاں انہیں ماں کی قربت سے جدا کر کے دوسری خواتین کے سپرد کیا گیا ہے۔ جو لاکھ کوشش کے باوجود ممتا کا متبادل فراہم نہیں کر سکتیں۔ اس ماحول سے نکل کر بچوں کو والدین جس چاؤ کے ساتھ انگلش میڈیم اداروں میں دھکیل دیتے ہیں وہ ان کے لیے ایک نام نہاد معاشرتی افتخار تو فراہم کرتا ہے مگر ان کو بچی تہذیبی اور اسلامی اقدار سے بے بہرہ کر دیتا ہے۔

علم نفسیات کے ماہرین اس حقیقت پر متفق ہیں کہ بچپن کی تعلیم بچے کے ذہن پر دور تک اور دیر تک پختہ اثرات مرتب کرتی ہے۔ اردو محاورے کی رو سے بچپن کی بات پچپن تک چلتی ہے مگر دور جدید کی ستم رانیوں میں یہ حماقت ناقابل معافی ہے کہ والدین براہ راست اپنے بچوں کی تربیت کے عمل سے غافل ہیں۔ وہ معاشی تگ و دو میں اس درجہ الجھ چکے ہیں کہ وہ اس کی تربیت کے لیے صرف مالی ایثار کو کافی سمجھتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں جو امیال و عواطف ترتیب پانا چاہیں بچے کا ذہن ان نقوش سے یکسر محروم ہو جاتا ہے اور اس محرومی کے لیے کوئی تدارک نہیں ہے۔

ہم ایک درجے میں تسلیم کئے لیتے ہیں کہ جدید علوم و فنون کی مہارتوں کے باعث یہ بچے پرندوں کی طرح آسمان پر اڑنا بھی سیکھ جائیں گے، مچھلیوں کی طرح سطح سمندر پر تیرنا بھی سیکھ لیں گے...... مگر...... انہیں مہذب انسانوں کی طرح روئے زمین پر رہنا نہیں آئے گا۔ اسلام تو اس پاکیزہ تہذیب کی اعلیٰ اقدار کو بچے کی فطرت کے اجالنے اور نشو و نما دینے کے لیے استعمال کرنا چاہتا ہے۔

مقامِ شکر ہے کہ بیسویں صدی میں جہاں بچوں کی نفسیات پر یورپ نے ایک بہت بڑا لٹریچر فراہم کیا

ہے وہاں حکمائے اسلام بھی اس ضرورت سے بے خبر نہیں رہے۔ اس ضمن میں عربی زبان میں بالخصوص بہت مفید کتابیں اور کتابچے تحریر کیے گئے ہیں جن کے کچھ تراجم اردو زبان میں بھی کیے گئے ہیں۔ اس سلسلے میں مشہور اخوانی عالم ڈاکٹر عبداللہ ناصح علوان کی کتاب "تربیت الاولاد فی الاسلام" کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے مگر پیش نظر کتاب "بچوں کی تربیت" اپنے موضوع پر طبع زاد کتاب کا درجہ رکھتی ہے' جسے اب اضافہ کر کے "بچوں کی تربیت کیسے کریں؟" کے نام سے شائع کیا جا رہا ہے۔ اسے بہت سال پہلے برصغیر کے ایک معروف عالم سراج الدین ندوی نے ترتیب دیا تھا۔ مگر اب جناب بھائی محمد طاہر نقاش نے اس کا نظرثانی شدہ اور اضافہ شدہ ایڈیشن ترتیب دینے کی ایک کامیاب کوشش کی ہے۔ اس کتاب کے کل سات ابواب ہیں جن میں بچے کی اولاد سے قبل کی ضروریات اور ولادت کے بعد اسلامی آداب کا تذکرہ کیا گیا ہے' پھر طبی اور نفسیاتی اعتبار سے بچوں کی کچھ مشکلات اور عوارض کا ذکر ملتا ہے۔ کتاب کے چوتھے باب میں بچوں کے حفظان صحت کے اسلامی اصول بیان کیے گئے ہیں۔ کتاب کا پانچواں باب اپنی اہمیت کے لحاظ سے بیت الغزل کا درجہ رکھتا ہے جس میں بچے کی اخلاقی' معاشرتی' ذہنی' حسی' جبلی اور جنسی تربیت کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر کو واضح کیا گیا ہے۔ چھٹے باب میں بچے کی تربیت پر اثر انداز ہونے والے عوامل یعنی والدین' باپ' ماں' اہل خانہ' معاشرہ اور تعلیمی نظام کا ذکر کیا گیا ہے۔ کاش! اس باب کے آخر میں ذرائع ابلاغ کی مضرت رسانیوں پر بھی بالتفصیل جائزہ لیا جاتا۔ کتاب کے آخری باب میں بچوں کے بگاڑ اور ان کی اصلاحی تدابیر کے بارے میں عمدہ لوازمہ پیش کیا گیا ہے۔ یوں ابواب کا یہ ہفت خواں طے کرنے کے بعد بچے کی تعلیم و تربیت کا مضمون سہل اور قابل فہم ہو جاتا ہے۔

یہ امر لائق تحسین ہے کہ اردو زبان میں بچوں کی تعلیم و تربیت کے موضوع پر ایسی موزوں' شستہ اور شگفتہ تحریریں اسلامی تعلیمات کے حوالے سے پیش کی گئی ہیں۔ کتاب کا اسلوب عمدہ' سادہ' رواں اور شگفتہ ہے۔ حوالوں کی تخریج اور احادیث کے اضافہ نے اس کی علمی ثقاہت میں مزید اضافہ کیا ہے۔ احادیث کے انتخاب میں روایت و درایت اور اسماء الرجال کا لحاظ رکھتے ہوئے متن اور راوی کی صحت کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ یہ کتاب ان تمام والدین کے ہاں مقبولیت حاصل کرے گی جو اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے کوئی سنجیدہ نقطۂ نظر رکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں کتاب کے مصنف' مرتب و نظرثانی کرنے والے سبھی لائق تبریک ہیں۔ میں اس کوشش کے حسن قبول کیلئے دعاگو ہوں۔

پروفیسر عبدالجبار شاکر

بیت الحکمت ۱۰۹۔ حبیب پارک لاہور

۱۵ اکتوبر' ۲۰۰۱ء

مقدمہ

اولاد کی تربیت کیوں ضروری ہے؟

اولاد کی خواہش کس کو نہیں ہوتی! کون سا گھر ایسا ہو گا جہاں اولاد کی چاہت‘ خواہش‘ تمنا اور آرزو موجود نہ ہو! یہ ایک مسلم اور ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اولاد کے دم سے گھر میں ہر دم بہت سی خیرو برکت اور بڑی ہی رونق رہتی ہے۔ وہ گھر کیسا بے رونق خاموش‘ اُجاڑ اور سونا معلوم ہوتا ہے جس میں معصوم بچے کھیلتے کودتے‘ روتے ہنستے‘ کلکاریاں مارتے اور چھیڑ چھاڑ کرتے نظر نہ آتے ہوں۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان کی پرورش نہایت ہی صبر آزما کام ہے۔ اس کے لیے بے پناہ صبر و تحمل‘ ایثار و قربانی‘ دل سوزی‘ نرمی‘ رحمت و محبت اور ہمہ وقت شفقت بھری نگرانی درکار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے والدین کے دل میں بچے کی زبردست محبت پیدا فرما کر اور اس کی پرورش کا نہایت ہی زور دار داعیہ دے کر اس نہایت کٹھن فریضے کو انتہائی خوشگوار‘ آسان اور دل پسند مشغلہ بنا دیا ہے۔ پرورش اور تعلیم و تربیت کے دوران طرح طرح کی تکلیفیں سہہ کر ماں باپ نہ صرف یہ کہ اکتاتے نہیں‘ بلکہ ان مشقتوں میں دل کی ٹھنڈک اور سکون محسوس کرتے ہیں۔ ہزار تکلیفیں جھیل کر اور طرح طرح کے دکھ اٹھا کر جب اپنے معصوم نونہال پر محبت کی ایک نظر ڈالتے ہیں تو فخر و مسرت سے جھوم اٹھتے ہیں۔ اور انہیں ایسا روحانی سرور و اطمینان حاصل ہوتا ہے کہ پرورش کی صعوبتوں کا احساس بھی باقی نہیں رہتا اور کئی زندگی سے اکتائے اور بیزار افراد بھی جب ان معصوم پھولوں اور کلیوں کو کھلتے ہوئے اور اپنی حیات بخش معصوم

مسکراہٹیں بکھیرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو یہ دیکھ کر ان میں بھی جینے کی اُمنگ پیدا ہوتی ہے اور وہ زندگی سے فرار کی بجائے ان کی خاطر جینے کی آرزو اور تمنا کرتے ہیں کیونکہ یہ اولاد تو ان کے اپنے ہی جسم اور جان کا ایک حصہ ہوتی ہے۔

والدین کے دل میں بچے کی بے پناہ محبت اور اس سے غیر معمولی وابستگی کا جذبہ پیدا فرما کر رب العالمین نے بہت بڑا احسان فرمایا ہے۔ دنیا میں نسل انسانی کی بقا اور اس دنیا کو آباد رکھنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ اللہ تعالیٰ یہ جذبہ اور داعیہ ہر انسان کو عطا فرمائے' تاکہ وہ اپنے فطری جذبے اور داعیہ سے مجبور ہو کر اپنی نسل کی پرورش کرے اور یہ دنیا آباد رہے۔

بچے کی تربیت میں بنیادی اور مرکزی کردار ماں باپ کا ہوتا ہے' اس کی سیرت سازی کے معاملے میں ماں باپ کو جو محوری (Pivotal) اہمیت حاصل ہے وہ کسی دوسرے کو حاصل نہیں' بچوں کے اعلیٰ انسانی اوصاف سے محروم ہو جانے یا برے اور عمومی طور پر ناپسندیدہ عادتیں پرورش پا لینے کی صورت میں وہ کسی طور اپنے آپ کو بری الذمہ نہیں ٹھہرا سکتے۔

ہمیں یہ تو فکر رہتا ہے کہ "ہمارے مرنے کے بعد ہمارا کیا بنے گا" لیکن کبھی اس بات کی فکر نہیں کی کہ "ہمارے مرنے کے بعد ہماری اولاد کا کیا بنے گا؟" اس حوالے سے ہم خود غرض واقع ہوئے ہیں۔ اس وقت پوری دنیا کے ہنود و یہود اس مسئلہ میں پریشان ہیں کہ وہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کی نئی نسل کو نئی پود کو قابو کریں' بچوں اور بچیوں کو کسی طرح اپنا ذہنی غلام بنائیں' ان کو خراب کریں اور ان کے اذہان و قلوب سے مسلمانیت کے نقوش حرف غلط کی طرح مٹا دیں' ان بچوں کی تربیت اس طرح کریں کہ جس پر عمل پیرا ہو کر (یہ بچے جو مستقبل میں ایک مضبوط قوم بنتی ہے۔ إن شاء الله) یہ کم از کم مسلمان نہ رہیں یا صرف اس طرح کے مسلمان بن جائیں کہ جن کے نام مسلمانوں جیسے ہوں لیکن ان کے تمام کام ہمارے (ہنود و یہود اور صلیبیوں عیسائیوں) جیسے ہوں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے جہاں وہ ٹی وی ڈش' کیبل نیٹ ورک سسٹم اور

انٹرنیٹ کے ذریعہ نئی نسل کی تربیت کرنے میں مصروف ہیں وہیں ان کا سب سے موثر اور تباہ کن ہتھیار موجودہ دور کے انگلش میڈیم سکولز ہیں جو کہ اکثر قائم تو مسلمانوں نے کیئے ہیں ان میں بے شک کافی عملہ بھی ایسا ہے کہ جن کے نام مسلمانوں کی طرح کے معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن میرے بھائی! اللہ گواہ ہے اگر آپ چند دن تک ان سکولوں کا مشاہدہ کریں تو آپ کو پتہ چلے گا مسلم نما صلیبی درندے حقیقت میں بچوں کو صلیبی اور یورپی یہودی کلچر کے سانچے میں ڈھال رہے ہوتے ہیں۔ یہ سکول آج کل سب سے زیادہ مسلمان بچوں کو متاثر کر رہے ہیں۔ اور عالم کفر نے ان سکولوں کا جال پوری دنیا میں پھیلایا ہوا ہے۔ پچھلے دنوں لاہور میں میں نے ایسے بینرز جگہ جگہ لگے دیکھے کہ جن پر جلی حروف میں یہ فقرہ لکھا ہوا تھا کہ ''ہمارے سکول میں سٹاف دوران تعلیم بچوں سے تمام گفتگو انگریزی میں کرتا ہے۔'' بڑے فخر سے یہ بات لکھی ہوئی تھی اور اس کے علاوہ اور کوئی خوبی سکول کی درج نہ تھی۔ یہ انگریزی زبان کی ثقافت ہے کہ بچہ گھر آکر ایک دو ٹوٹے پھوٹے انگلش کے الفاظ بول دے یا پھر ماما' پاپا' ڈیڈی انکل وغیرہ کے الفاظ اپنی زبان سے ادا کرے تو ماں باپ خوشی سے لوٹ پوٹ ہو جاتے ہیں۔ میرے بھائیو! یہی لوگ ہیں جو اس انگلش کلچر کی آڑ میں ہمارے نونہالوں کو جدید الحادی کلچر کے تیزاب میں رنگ کر ان کی دنیا بھی تباہ کر رہے ہیں اور آخرت بھی۔

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ والدین اپنی ذمہ داریوں کو پہچانیں اور اپنے بچوں کی گھر پر ہی ایسی تربیت کریں کہ کفرو الحاد کی تندو تیز آندھیاں بھی ان کے رُخ کو تبدیل نہ کر سکیں۔ ان بچوں کی تربیت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لگایا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ قُوٓا۟ أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا ﴾ (التحریم٦٦/٦)

''اے ایمان والو! اپنے آپ کو اپنے بیوی بچوں (اہل و عیال) کو جہنم سے بچالو''۔

یہ بات کہہ کر کوئی فرد جان نہیں چھڑوا سکتا کہ ہم جتنی ہو سکتی ہے سکول بھیج کر پڑھا لکھا کر ان کی تربیت کر رہے ہیں اور بس اب ہماری ذمہ داری ختم۔ نہیں بلکہ جناب

مجاہد اس بات کی وضاحت میں فرماتے ہیں:

اَوقِفُوا اَنْفُسَکُمْ وَ اَھْلِیْکُمْ بِتَقْوَیٰ اللّٰہِ وَ اَدِّبُوْھُمْ

"اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اللہ کے تقویٰ (ڈر) سے روشناس کراؤ اور انہیں ادب سکھاؤ" [1]

والدین کسی بھی حالت اور صورت میں بچوں کی تربیت سے بری الذمہ قرار نہیں دیئے جا سکتے۔ فکر معاش اولاد کی تربیت سے غفلت برتنے کے لئے باپ کے پاس جواز اور حیلہ نہیں بن سکتا اور نہ ہی والدہ کی سماجی و گھریلو مصروفیات اس فرض سے کوتاہی کا جواز اور حیلہ بن سکتی ہیں کہ ماں ان امور میں مصروفیت اور خانہ داری کی مصروفیتوں کی وجہ سے اپنی اولاد کو ملازموں اور آیاؤں کے سپرد کر کے مطمئن ہو جائے یا پھر والدین تربیت اولاد کی ذمہ داری ایک دوسرے پر ڈال کر خود کو بری الذمہ قرار دے کر مطمئن ہو جائیں۔ اللہ کی پناہ اس سے۔ حقیقت یہ ہے کہ بچوں کی تربیت کرنا نہ صرف والدین میں سے کسی ایک کا فرض ہے بلکہ یہ دونوں کا مشترکہ فریضہ ہے۔ اس بات کی راہنمائی کرتے ہوئے رسول اکرم نے فرمایا:

((کُلُّکُمْ رَاعٍ وَ کُلُّکُمْ مَسئُولٌ عَنْ رَعِیَّتِہِ فَالرَّجُلُ رَاعٍ فِی أَھلِہِ وَھُوَ مَسئُولٌ عَنْ رَعِیَّتِہِ وَالمَرأَۃُ رَاعِیَۃٌ بَیتِ زَوجِھَا وَھِیَ مَسئُولَۃٌ عَنْ رَعِیَتِھَا وَالخَادِمُ رَاعٍ فِی مَالِ سَیدِہِ وَ ھُوَ مَسئُولٌ عَن رَعِیَّتِہِ وَالوَلَدُ رَاعٍ فِی مَالِ اَبِیہِ وَھُوَ مَسئُولٌ عَن رَعِیَتِہِ فَکُلُّکُمْ رَاعٍ وَ کُلُّکُمْ مَسئُولٌ عَنْ رَعِیَتِہِ))

"تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور اپنے زیر نگرانی افراد کے بارے میں جواب دہ ہے۔ مرد اپنے گھر والوں کا نگران ہے اور ان کے بارے میں جواب

---

[1] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ التحریم: باب (ان تتوبا الی اللّٰہ فقد صغت قلوبکما) فی ترجمۃ الباب۔ یہ مجاہد کا قول ہے جو "قوا انفسکم" کی تفسیر ہے۔ دیکھئے تفسیر ابن کثیر۔ تحت سورۃ التحریم آیت ۶۔ واللہ اعلم۔

دہ ہے۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگران ہے اور وہ اس کے متعلق جواب
دہ ہے۔ ملازم اپنے مالک کی املاک کا نگران ہے اور اس کے بارے میں جواب
دہ ہے۔ لڑکا اپنے باپ کے مال کا نگران ہے اور وہ اس کے بارے میں جواب
دہ ہے۔ تم میں سے ہر ایک نگران اور ہر ایک اپنی ذمہ داری کے بارے میں
جواب دہ ہے"[1]

بعض بچے والدین کے زندہ و جاوید ہوتے ہوئے بھی یتیم ہوتے ہیں' محروم شفقت و توجہ ہوتے ہیں۔ اگرچہ آیائیں نوکر چاکر گاؤں میں سکول لے جانے اور لانے کے لئے کھانے پینے کے علاوہ سہولت کی ہر چیز میسر ہوتی ہے لیکن پھر بھی یتیموں کی سی زندگی گزارتے ہیں' اس لئے کہ آج کل بعض والدین زندگی کی گہما گہمی اور تجارت و کاروبار میں اس قدر مصروف ہوتے ہیں کہ وہ اولاد کی تربیت کی جانب مطلق توجہ نہیں دے سکتے۔ اور تربیت سے محروم اولاد برے اخلاق میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ غلط افکار و خیالات بچوں کے ذہنوں میں جگہ بنا لیتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی وہ دین سے بھی بے بہرہ ہو جاتے ہیں۔ جب یہ بچے بڑے ہوتے ہیں تو والدین کے لیے فکر و پریشانی کا باعث بنتے ہیں اور والدین اپنی کوتاہی تسلیم کرنے کے بجائے یہ ذمہ تعلیم گاہوں اور معاشرے پر ڈالنے لگتے ہیں۔ یہ احساس نہیں کرتے کہ فی الواقع تربیت کی اولین ذمہ داری ان کی ہی تھی۔

جو شخص فکر معاش میں گھر سے نکل جاتا ہو اور رات کو گھر واپس آتا ہو یا دوپہر کو چند لمحے کے لیے آکر دو چار لقمے کھا کر پھر روانہ ہو جاتا ہو تو وہ اولاد کو کیا وقت دے سکتا ہے اور ان کی کیا تربیت کر سکتا ہے! اس کا تو سارا وقت کاروبار او پیسہ بنانے میں صرف ہو جاتا ہے' ہو سکتا ہے کہ وہ دولت کمانے میں کامیاب ہو گیا ہو' لیکن اولاد کو اس نے ضائع کر دیا۔ شوقی نے کیا خوب کہا ہے:

---

[1] صحیح بخاری' کتاب الجمعۃ' باب الجمعۃ فی القری و المدن' ح ۸۹۳۔ صحیح مسلم: کتاب الامارۃ: باب فضیلۃ الامیر العادل' ح ۱۸۲۹۔

"یتیم وہ نہیں ہے جس کے والدین غم حیات سے رہائی پا کر اسے اپنے پیچھے خستہ حال چھوڑ گئے ہوں' بلکہ یتیم وہ ہے جس کی ماں اپنے آپ میں مگن ہو اور باپ کو فرصت نہ ہو۔"

ویسے تو نیک والدین اپنی اولاد کے لئے ہمیشہ مربی و راہنما ہوتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ شادی سے قبل والدین پر یہ ذمہ داری زیادہ اہم ہوتی ہے۔ جوانی میں پہنچ کر شادی سے قبل کی زندگی دو ادوار پر مشتمل ہوتی ہے۔ پہلا دور تو بچپن کا دور ہوتا ہے جبکہ دوسرا دور بلوغت و جوانی کا ہوتا ہے۔ دوسرے دور کی نسبت پہلا دور یعنی بچپن کا مرحلہ۔ وہ وقت ہوتا ہے کہ جب والدین اپنی اولاد کی بہترین طریقہ سے کما حقہ تربیت کر سکتے ہیں۔ لڑکپن سے ہی اگر بچے کی مثالی و بہترین تربیت کر دی جائے' اسے تہذیب' اخلاق ادب و شائستگی کے قالب میں ڈھال دیا جائے تو زندگی کے آخری لمحات تک اس کے اچھے بہتر اور ثمر آور اثرات ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ اللہ نہ کرے کہ اگر بچپن میں ہی صحیح تربیت نہ ہو سکی تو باقی ماندہ زندگی تباہی و بربادی میں گزرنے کا اندیشہ ہے۔ سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

((اَلعِلمُ فِی الصِّغرِ كَالنَقشِ فِی الحَجرِ))

"بچپن کی تعلیم (بچے کے دل و دماغ پر) ایسے (پختہ) ہوتی ہے جیسے پتھر پر نقش (کہ جو کبھی نہیں مٹتا)" [1]

مفہوم یہ ہے کہ بچپن کی تعلیم و تربیت کے اثرات ایسے مضبوط اور دیرپا ہوتے ہیں کہ تمام زندگی ختم نہیں ہوتے جیسے پتھر سے نشانات نہیں مٹتے۔ اسی بات کی ایک عربی شاعر نے کیا خوب ترجمانی کی ہے:

---

[1] مجمع الزوائد (۱/۱۲۵) بحوالہ طبرانی فی الکبیر۔

أَرَانِی أَنسَ مَا تَعَلَّمتُ فِی الكِبَرِ
وَلَستُ بِنَاسٍ مَا تَعَلَّمتُ فِی الصِغرِ
وَمَا العِلمُ اِلَّا بِالتَعَلُّمِ فِی الصَبَا
وَمَا الحِلمُ اِلَّا بِالتَحَلُّمِ فِی الكِبَرِ
وَلَو فُلِقَ القَلبُ المُعَلَّمِ فِی الصَبَا
لَاَصبَحَ العِلمُ كَالنَقشِ عَلَی الحَجَرِ

"میں نے جو تعلیم بڑی عمر میں حاصل کی وہ بھول جاتا ہوں اور جو چھوٹی عمر میں سیکھا وہ ابھی تک نہیں بھولا۔ (حقیقت میں) علم تو وہی ہے جو بچپن میں سکھایا جاتا ہے تو (اے مخاطب تو دیکھے گا کہ) اس میں علم اس طرح منقش ہو گا جیسے پتھر پر نشانات۔"

بچے کی اچھے یا برے اخلاق کی بنیاد پڑنے کا یہی وقت ہے اس لئے کہ رسول اللہ نے فرمایا ہے:

"ہر بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے اس کے والدین اس کو یہودی عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں جس طرح مادہ جانور صحیح سلامت بچہ جنتی ہے اس میں کوئی بھی کان کٹا نہیں ہوتا۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿ فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِی فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذَالِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ﴾ [1]

اس حدیث مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ بچے تو صحیح العقیدہ پیدا ہوتے ہیں مگر ان کے والدین کی تربیت ان پر جس طرح کے اثرات مرتب کرے گی اسی طرح کے نتائج برآمد ہوں گے۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الجنائز: باب اذا اسلم الصبی فمات هل یصلی علیه؟ (ح ۱۳۵۸)۔ صحیح مسلم، کتاب القدر: باب معنی کل مولود یولد علی الفطرة، (ح ۲۶۵۸)۔

والدین کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کی اولاد خوش حال ہو ان کے پاس اعلی ڈگریاں اور اونچے عہدوں پر ہوں' عیش و آرام کا سارا سازو سامان ہو دینوی اعتبار سے وہ ہر طرح کامیاب ہو' اولاد کے لیے یہ کوششیں ہرگز ناپسندیدہ نہیں ہیں' ناپسندیدگی کی بات یہ ہے کہ آپ دنیاوی کامیابی ہی کو اپنا مقصود بنالیں اور اولاد کے دین و اخلاق سے غافل ہو جائیں' آپ اس حقیقت کو اوجھل نہ ہونے دیں کہ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے آپ کی اولاد کا شاندار مستقبل یہ ہے کہ وہ قرآن و سنت کی تعلیم سے بھی آراستہ ہو' دین میں گہری سوجھ بوجھ انہیں حاصل ہو' ان کی زندگیاں پاکیزگی' آخرت کی جواب دہی اور پرہیزگاری کا نمونہ ہوں' والدین کے اطاعت شعار اور خدمت گزار ہوں' اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ اولاد کے پیدا ہوتے ہی اس پر غیر معمولی توجہ دیں- والدین انتہائی حکمت' دلسوزی' بردباری اور صبرو استقلال کے ساتھ لگے رہیں-

شکاگو کے مشہور ماہر تعلیم فرانسس دے لینڈ پار کر بچوں کی تعلیم و تربیت پر لیکچر دے رہے تھے لیکچر سے فارغ ہوئے تو ایک خاتون نے ان سے پوچھا: "مجھے اپنے بچے کی تعلیم کا آغاز کب سے کرنا چاہیے؟" ...... "آپ کے یہاں کب تک بچہ ہونے والا ہے؟" لینڈ پار کرنے پوچھا- "ہونے والا!؟" عورت حیران ہو کر بولی "جناب وہ تو پانچ سال کا ہو چکا ہے" حد ہو گئی خاتون آپ یہاں کھڑی باتیں کر رہی ہیں- آپ پہلے ہی پانچ بہترین سال ضائع کر چکی ہیں-" ...... حقیقت یہ ہے کہ بچے کے پیدا ہوتے ہی اس کی تعلیم و تربیت کی فکر کرنی چاہیے-

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اپنے بچوں کی زبان سے سب سے پہلے لا الہ الا اللہ کہلواؤ اور موت کے وقت ان کو اسی کلمہ لا الہ الا اللہ کی تلقین کرو"[1] دراصل یہ اللہ کی وحدانیت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار

---

[1] بیہقی فی شعب الایمان (۶/ ۳۴۴' ح ۸۶۴۹) یہ روایت ابن عباس کی بجائے عمیر بن حبیب سے ہے وہ اپنے بچوں کو اس کی تلقین کیا کرتے تھے۔ یہ روایت موقوف ہے مرفوع نہ ہے دیکھئے حوالہ مذکورہ بالا۔

ہے۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ نبی ﷺ کا یہ قاعدہ تھا کہ آپ ﷺ کے خاندان میں جب کسی بچے کی زبان کھل جاتی تو آپ ﷺ سورہ فرقان کی آیت نمبر۲ سکھاتے:

﴿ ٱلَّذِى لَهُۥ مُلْكُ ٱلسَّمَـٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُن لَّهُۥ شَرِيكٌ فِى ٱلْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَىْءٍ فَقَدَّرَهُۥ تَقْدِيرًا ﴿٢﴾ ﴾ (الفرقان۲۵/ ۲)

”وہ اللہ جو زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے جس کے ساتھ بادشاہی میں کوئی شریک نہیں، جس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کی ایک تقدیر مقرر کی۔[1]

ایک منصوبے کے تحت حکمت، سوز اور تحمل کے ساتھ بچوں کو زندگی کا سلیقہ سکھائیے۔ کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے کے آداب سکھائیے۔ پاکی اور طہارت کے آداب بتائیے، ایک مہذب اور پاکیزہ زندگی گزارنے کے لیے برابر ان کی نگرانی کرتے رہیے۔ صرف ایک بار کسی اچھی بات کی طرف متوجہ کر دینا کافی نہیں ہے۔ بچوں کا حق ہے کہ برابر ان پر نگاہ رکھیں اور بار بار کی غلطیوں کے باوجود اکتائیں نہیں۔ بلکہ صبر و تحمل اور دل سوزی کے ساتھ متوجہ کرتے رہیں اور کسی بھی غلطی کو معمولی سمجھ کر لاپرواہی نہ برتیں۔

سیدنا عمر بن ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی زوجہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے تھے اور آپ کی پرورش میں تھے۔ وہ اپنا واقعہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں ابھی لڑکا ہی تھا اور نبی ﷺ کی گود میں تھا، کھاتے وقت میرا ہاتھ پلیٹ میں ہر طرف گھوم رہا تھا، تو مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بیٹے! بسم اللہ پڑھ کر داہنے ہاتھ سے کھاؤ اور اپنی طرف سے

---

[1] مصنف عبدالرزاق (ح ۷۹۷۶)، احمد۔ لیکن اس میں سورۂ فرقان کی بجائے سورۂ بنی اسرائیل کی آخری آیت کا ذکر ہے۔ دیکھئے تفسیر ابن کثیر اور تفسیر در منثور وغیرہ۔ واللہ اعلم۔

کھاؤ۔" پس اس کے بعد میری مستقل عادت یہی ہے۔ [1]

نیک تربیت درجات میں بلندی کا باعث

یاد رکھئے! اولاد کی نیک تربیت جہاں آپ کے لئے دنیا میں نیک نامی اور عزت و رفعت کا باعث اور سکون و راحت کا ذریعہ بنے گی وہیں مرنے کے بعد صدقہ جاریہ بن جائے گی۔ یعنی آپ کے دنیا سے چلے جانے کے بعد آپ کا سیونگ اکاؤنٹ کھل گیا' اور آپ کو باقاعدگی سے نفع پہنچنے لگا۔ یوں یہ نفع اجر و ثواب کی صورت میں ہمیشہ تو آپ کو پہنچتا ہی رہے گا لیکن آخرت میں یہ اولاد کی نیک تربیت آپ کے لئے درجات میں بلندی اور نجات کا باعث بھی بنے گی۔ ان شاء اللہ - سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَمَلُهُ اِلاَّ مِن ثَلاَثَةٍ صَدَقَةٌ جَارِيَةٌ اَو عِلمٌ يُنْتَفَعُ بِهِ اَوْ وَلَدٌ صَالِحٌ يَدْعُوْلَهُ))

"جب انسان مر جاتا ہے اس کے تمام دنیاوی اعمال کا اس سے رابطہ کٹ جاتا ہے مگر تین (چیزوں) اعمال کا رابطہ اس سے منسلک رہتا ہے (۱) صدقہ جاریہ (۲) ایسا علم جس سے (لوگوں کو) فائدہ حاصل ہو (۳) ایسی نیک اولاد جو اس کے لئے دعا (دعائے مغفرت) کرے۔" [2]

اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انسان کے مرنے کے بعد بھی بعض نیکیاں جاری رہتی ہیں۔ مثلاً: صدقہ جاریہ جیسے کوئی مسجد مدرسہ سڑک کنواں وغیرہ بنوا جائے کہ

---

[1] صحیح بخاری' کتاب الاطعمۃ : باب التسمیۃ علی الطعام والاکل بالیمین' ح ۵۳۷۶۔ صحیح مسلم' کتاب الاشربہ : باب آداب الطعام والشراب' ح ۲۰۲۲۔

[2] صحیح مسلم' کتاب الوصیۃ : باب ما یلحق الانسان من الثواب بعد وفاتہ' ح ۱۶۳۱۔

جب تک لوگ اس سے فائدہ حاصل کرتے رہیں- اللہ تعالیٰ اس میت کو اجر عطا فرماتے رہتے ہیں- اسی طرح کوئی علم کا ذخیرہ چھوڑ جائے کتب یا شاگردوں کی صورت میں جب تک لوگ ان سے فائدہ حاصل کرتے رہیں گے اس کو برابر اجر ملتا رہے گا- یہی کیفیت نیک اولاد کی ہے جو انسان کے لیے مرنے کے بعد بھی اجر و ثواب کا سبب بنتی ہے- ایک دوسری حدیث میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ:

((انَّ العَبدَ لَتُرفَعُ لَهُ دَرَجَةٌ فَيَقُولُ اَی رَبِّ اَنّٰی لِی هٰذَا فَيُقَالُ بِاستِغفَارِ وَلَدِكَ لَكَ))

"اللہ تعالیٰ کے ہاں جب انسان کے درجات بڑھائے جاتے ہیں تو وہ کہتا ہے:

"اے اللہ کریم! میرے درجات میں بلندی کا کیا سبب ہے؟" تو جواب ملتا ہے:

"تیری اولاد جو تیرے مرنے کے بعد تیرے لئے استغفار کرتی ہے-"[1]

اولاد سے یہ سعادت حاصل کرنے کے لئے ہمیں بھی کچھ ذمہ داریاں ادا کرنا ہوں گی کہ ہم ان کی تربیت اسلامی دستور کے مطابق کریں، اسلام جیسی انمول نعمت ان کے دامن میں ڈالیں- اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ جس نے ہمیں یہ نعمت عطا فرمائی- ہماری مسلمانی کا ثبوت بھی اس میں ہے کہ ہم اپنی نسلوں کو دین حنیف سے روشناس کرائیں- پھر ان کو دینی ماحول میں رہنے پر آمادہ کریں- یہ حقیقت ہے کہ اسلام ہمارے لئے بہت بڑی نعمت ہے جس میں ہمارے لئے زندگی گزارنے کے تمام طریقے موجود ہیں- یہ تو ہماری ذمہ داری ہے کہ اسلامی تعلیمات کو ہر معاملہ میں مشعل راہ بنائیں اور اپنی اولاد کو بھی انہیں اصولوں پر کاربند رکھنے کی کوشش کریں- یہ جو اولاد ہمارے لئے اور خود اپنے لئے آخرت میں کامیابی کا باعث بنتی ہے اس کی تربیت کی فکر کر کے ان کو آگ

---

[1] سنن ابن ماجہ، کتاب الادب: باب برالوالدین، (ح ٣٦٦٠)- یہ روایت حسن درجہ کی ہے- دیکھئے سلسلہ احادیث صحیحہ ج ۴ ص ۱۲۹ حدیث نمبر ۱۵۹۸- از علامہ البانی- نیز یہ حدیث دیگر کتب میں بھی مروی ہے- نیز صحیح سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۲۹۴-

سے بچانے کی ہر ممکن تدبیر کرنی چاہیے۔ اسی بات کا حکم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ قُوٓا۟ أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا ﴾ (التحریم٦٦/ ٦)

"اے ایمان والو! .... اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال (بیوی بچوں) کو جہنم کی آگ سے بچالو۔"

اس آیت کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ اپنے اھل و عیال کو علم و ادب سکھاؤ۔[1] اسی طرح سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں:

"اعمَلُوا بِطَاعَةِ اللّٰهِ وَاتَّقُوا مَعَاصِیَ اللّٰهِ وَأْمُرُوا أَهْلِيكُمْ بِالذِّكرِ يُنْجِيكُم اللّٰهِ مِنَّ النَّارِ"

"اپنے اعمال میں اللہ کی اطاعت اختیار کرو اور اللہ کی نافرمانی سے بچو اور اپنے اہل و عیال کو ذکر کا حکم دو تو اللہ تعالیٰ تم کو آگ سے نجات دے گا۔"

اس لئے والدین کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے توشہ آخرت یعنی اولاد کی تربیت دینی ماحول میں کریں تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے اس عمل کو آخرت میں نجات کا ذریعہ بنا دے إن شاء الله

آخر میں اپنے اس مقدمہ کا اختتام الشیخ الاستاذ فہمی قطب الدین النجار کی کتاب "اسلام اور ذرائع ابلاغ" کے اس اقتباس پر کرتا ہوں جس میں وہ ہمیں جھنجھوڑتے ہوئے کہتے ہیں:

والدین کا فرض ہے کہ وہ اس غفلت سے بیدار ہو کر اپنی اولاد اور مسلم امہ سے متعلق اپنی ذمہ داریوں کا احساس کریں! یہ معاملہ اس قدر سہل اور آسان نہیں ہے' بلکہ گہرے احساس و شعور کا متقاضی ہے' مسلم امہ کے سامنے ایک ایسی نسل کی تیاری کا فرض ہے جس کا ایمان مضبوط اور جسم توانا ہو اور جو دشمنی اسلام کی سازشوں سے گھرے ہوئے اس ماحول میں اپنی ذمہ

---

[1] تفسیر ابن کثیر (۳۹۱/۴)' مستدرک حاکم (۴۹۴/۲)

داریاں پوری کرنے کے لیے بخوبی تیار ہو- دور جدید میں اسلام دشمنی کا یہ حال ہے کہ ہر طرف سے اور ہر جانب سے مسلمان آزمائشوں کا شکار ہیں' دشمنان اسلام امت مسلمہ' کے جسم ناتواں کو اس طرح نوچ کھسوٹ رہے ہیں جس طرح اس حدیث نبوی ﷺ میں کیفیت بیان کی گئی ہے:

تمام اقوام تم پر اس طرح ٹوٹ پڑیں گی جس طرح کھانے والوں کے ہاتھ لپک لپک کر کھانے کے برتن کی جانب بڑھتے ہیں-"[1]

اقوام عالم کا مسلمانوں پر ٹوٹ پڑنا یہی نہیں ہے کہ وہ ان کے علاقوں پر قبضہ کر لیں جیسا کہ یہود نے فلسطین پر قبضہ جمالیا ہے' بلکہ فکری سامراج اور ثقافتی یلغار بھی امت مسلمہ پر تابڑ توڑ حملوں کی ایک صورت ہے جس کا سلسلہ گزشتہ صدی کے اوائل سے تاہنوز جاری ہے- یہ طریقہ صلیبیوں نے مسلمانوں پر کھلم کھلا غلبہ حاصل کرنے میں ناکامی کے بعد سے اختیار کیا ہے-

یہ بات ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ کیا ہم اہل اسلام اپنی ذمہ داریاں پوری کر رہے ہیں؟ چنانچہ ہمیں چاہیے کہ آخرت کی کامیابی کے لئے اپنے بچوں کو انگلش میڈیم سکولز کالج غلط اخبار و جرائد اور ٹی وی ڈش وی سی آر وغیرہ کی فراہم کردہ غلط تربیتوں سے نکال کر ڈائریکٹ اپنی تربیت میں لیں تاکہ وہ دنیائے کفر کی سازشوں اور کفرو الحاد کی آندھیوں سے اپنے دامن کو بچا کر علم و عمل کی تلوار سے ان کو کاٹ ڈالیں اور ان کا مردانہ وار مقابلہ کریں-

---

[1] سنن ابوداوٗد' کتاب الملاحم : باب فی تداعی الامم علی الاسلام' (ح ۴۲۹۷)- یہ حدیث صحیح ہے- دیکھئے صحیح سنن ابی داوٗد (ج ۳ ص ۸۱۰)

یہ بچے جو دیکھیں وہی سیکھتے ہیں

یہ بچے یہ پھولوں سے بڑھ کر پیارے　　بزرگوں کی مشتاق نظروں کے تارے
چمکتے دمکتے ہوئے ماہ پارے　　یہ سرمایۂ قوم و ملت ہیں سارے
یہ باتیں بھلا کونسی سیکھتے ہیں
یہ بچے جو دیکھیں وہی سیکھتے ہیں
اگر ان کو دانش کدوں میں بٹھائیں　　پیار اور لگن سے لکھائیں پڑھائیں
ذہانت کے یہ اپنی جوہر دکھائیں　　خطاب ایک دن فخر ملت کا پائیں
یہ واں دانش و آگہی سیکھتے ہیں
یہ بچے جو دیکھیں وہی سیکھتے ہیں
اگر ہم کریں ان پہ تنقید اکثر　　جو ٹھہرائیں ان کو بہائم سے بدتر
اثر اس کا ہوتا ہے الٹا سراسر　　نہیں کھلتے ان کی طبیعت کے جوہر
یہ سختی سے بے راہ روی سیکھتے ہیں
یہ بچے جو دیکھیں وہی سیکھتے ہیں
بزرگوں کے اطوار اچھے نہ ہوں گر　　نہ ہوں وہ نماز اور روزے کے خوگر
تو بچے بھی بے دین ہوتے ہیں اکثر　　نہ خوف اللہ اور نہ شرم پیمبرؐ
حقائق سے یہ بے رخی سیکھتے ہیں
یہ بچے جو دیکھیں وہی سیکھتے ہیں

(محمد فضل حق)

باب اول

بچے اور چند بنیادی باتیں

بچہ

بچہ خواہ لڑکا ہو یا لڑکی:

- اللہ کی عظیم نعمت ہے۔
- تمناؤں اور آرزوؤں کا محور و مرکز ہے۔
- کھلتا ہوا پھول' چمکتا ہوا تارہ اور نکھرتا ہوا چودھویں کا چاند ہے۔
- آنکھوں کی ٹھنڈک' دلوں کا سرور اور مستقبل کی کرن ہے۔
- زندگی کا ماحصل' خوش بختی کا نشان اور سرفرازی کی علامت ہے۔
- بے قراری میں قرار' بے چینی میں چین' پریشانی میں سکون اور رنج و الم میں شادمانی ہے۔
- ماں باپ کی زندگی' بھائی بہنوں کا پیار' گھر کی رونق' محلے کی زینت اور بستی کی شان ہے۔
- پھولوں کی خوشبو' باغوں کی ہریالی' چشموں کی روانی' آسمانوں کی بلندی' سمندروں کی گہرائی ہے۔
- معصومیت کا پیکر' بے گناہی کا نمونہ' سادگی کا مجسمہ ہے۔
- جس کے آرام کے لیے ہم تھکتے ہیں' جس کی نیند کے لیے ہم جگتے ہیں اور جس

کی تندرستی کے لیے ہم بیمار پڑتے ہیں۔

○ جس کے لیے نبیوں اور بزرگوں نے تمنائیں اور دعائیں مانگیں۔

○ جس کے بارے میں اللہ کریم نے فرمایا:

﴿ ٱلْمَالُ وَٱلْبَنُونَ زِينَةُ ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا ﴾ (الکھف۱۸/۴۶)

مال اور اولاد دنیوی زندگی کی زینت ہیں۔

○ جس کے بارے میں ایک بزرگ نے فرمایا: "بچے جنت کے پھول ہیں۔"

بچوں کی اہمیت ہر بچہ اپنے بچپن اور عنفوان شباب سے گزرتا ہوا زندگی کے رواں دواں قافلے میں شامل ہوتا ہے۔ بچے جوان ہو کر سماج کی مختلف اکائیوں کی شکل میں سامنے آتے ہیں۔ کوئی امیر ہوتا ہے کوئی غریب' کوئی راجا بنتا ہے کوئی پرجا' کوئی قاتل ہوتا ہے کوئی مقتول اور کوئی فسادی و فتنہ پرور بن کر ابھرتا ہے تو کوئی ہادی و مصلح بن کر۔

ہمارے گرد و پیش کے یہ چلتے پھرتے انسان کل "بچے" تھے۔ جھگڑالو اور خونی "جگو" بھی ایک بچہ تھا اور لوگوں کو بھلائی کی تلقین کرنے والا "فضل حق" بھی۔ جس بچے کو ماں' باپ اور قریبی ماحول کی اچھی تربیت نصیب ہو گئی' وہ سماج کا بہترین انسان بن گیا اور جس بچے کو نشوونما کے مراحل میں اچھی تربیت اور راہنمائی نہ مل سکی وہ بے راہ روی کا شکار ہو کر غلط راستے پر چل پڑا۔

ہر قوم اور ملک کے مستقبل کا دارومدار اس کے ہونہار بچوں پر ہے' آج کے بچے کل کے معمار یا تخریب کار ہیں۔ بچوں کو نظر انداز کر کے کوئی قوم کامیاب ہو سکتی ہے اور نہ کوئی ملک۔ ہر دور میں بچوں کی اہمیت کو کسی نہ کسی درجے میں ضرور تسلیم کیا جاتا رہا ہے۔ لیکن انیسویں صدی کے آغاز سے بچوں پر خصوصی توجہ دی جانے لگی ہے۔ بچوں کے رجحانات' ان کی نفسیات کے مطالعے اور تجزیے کو ایک موضوع کی حیثیت دے کر اس پر قابل قدر کام ہوا ہے۔

بچوں کی اہمیت اس اعتبار سے تو ہے ہی کہ وہی بڑے ہو کر سماج کے رکن کی

حیثیت سے سامنے آتے ہیں' لیکن اس حیثیت سے بھی ان کی بڑی اہمیت ہے کہ وہ اپنے بچپن میں بھی اپنی صلاحیتوں سے ملک و ملت کو مستفید کرتے ہیں۔ اگر بزرگوں کی فہم و فراست' صبر و تحمل اور زیرکی و تجربہ کاری' نوجوانوں کی رگوں میں دوڑتا ہوا خون اور ان کا جوش و ولولہ' ملک و ملت کی تعمیر میں اہم رول ادا کرتا ہے تو بچوں کی معصوم ادائیں' ان کی ننھی منی کلائیاں' ان کے پرسوز نغمے' زندگی کی روح کو بیدار کرتے ہیں۔

اب سے چودہ سو سال پہلے کی تاریخ پر نظر ڈالیے' جب اسلام اپنے ابتدائی اور دشوار گزار مراحل سے گزر رہا تھا اور جب اسلام کو قبول کرنا اژدہے کے منہ میں ہاتھ دینے سے بھی زیادہ خطرناک تصور کیا جاتا تھا' اسلام کا پیغام قریب ترین لوگوں تک پہنچانے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل خاندان کو کھانے پر مدعو کرتے ہیں' کھانے سے فارغ ہونے کے بعد آپ ﷺ ان کے سامنے اللہ کا پیغام پیش کرتے ہیں۔ انہیں بت پرستی کو چھوڑنے اور الٰہ واحد کی عبادت کرنے کی تلقین کرتے ہیں اور عذاب آخرت سے ڈراتے ہیں اور پھر سب کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں: "کون ہے جو اس کانٹوں بھری راہ میں میرا ساتھ دے گا؟" خاندان کے تمام موجود لوگ اس طرح خاموش بیٹھے ہیں' گویا انہیں سانپ سونگھ گیا ہے۔ ایک گوشے سے دھیمی سی آواز سنائی دیتی ہے: "اگرچہ میں بیمار ہوں' میری آنکھیں آئی ہوئی ہیں' میری ٹانگیں پتلی ہیں ہیں اور میری عمر بہت کم ہے' لیکن اے اللہ کے رسول ﷺ! میں ہر حال میں آپ کا ساتھ دوں گا" [1] یہ آواز کس کی تھی؟ کس عمر رسیدہ کی تھی؟ کسی جوان کی تھی؟ نہیں' بلکہ ایک بچے کی تھی جس کی عمر مشکل سے دس گیارہ سال تھی۔ اس بچے نے اللہ اور رسول کا ساتھ دینے کا عہد اس وقت کیا' جب تمام سرداران قریش خاموش رہے۔ اس بچے کو اسلامی تاریخ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے نام سے جانتی ہے' جنھوں نے زندگی بھر اپنے عہد کو نبھایا' ہر نازک موقع پر اسلام کی خاطر جان پر کھیلے اور اسلامی ریاست کے چوتھے خلیفہ ہوئے۔

---

[1] احمد (۱/ ۱۱۱' ۱۵۹) یہ روایت بالمعنیٰ درج کی گئی ہے۔

غزوہ بدر کی تیاریاں ہو رہی ہیں' مکے کے مشرکوں نے مدینے پر حملے کی ٹھان رکھی ہے' پیارے نبی ﷺ اپنے دفاع کے لیے اسلامی لشکر لے کر بدر کی طرف بڑھ رہے ہیں' تاکہ مدینے پر حملہ کرنے والوں کو پسپا کر دیں۔ اسلام کے جاں باز سپاہی جوش و ولولے کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں' گیارہ بارہ سال کا ایک بچہ عمیر رضی اللہ عنہ چھپ کر پیچھے پیچھے چل رہا ہے' بھائی کی نظر پڑتی ہے' تو پوچھتے ہیں: "تم کیوں چھپ کر چل رہے ہو؟" بچہ جواب دیتا ہے: "مجھے ڈر ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ کی نظر مجھ پر پڑ گئی' تو وہ کم عمری کی بنا پر مجھے واپس کر دیں گے اور (جہاد میں) شرکت کی اجازت نہ دیں گے جب کہ میں اللہ کی راہ میں لڑنا چاہتا ہوں۔" چھوٹے بھائی کے جذبات دیکھ کر بڑے بھائی کو مسرت ہوئی۔

اچانک رسول اللہ ﷺ کی نظر عمیر رضی اللہ عنہ پر پڑتی ہے' آپ ﷺ دیکھتے ہی اسے واپسی کا حکم دے دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ: "اے بچے! تم واپس جاؤ' جب بڑے ہو جاؤ گے تب آنا' جنگ بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ یہ تو بڑوں کے لیے بھی نہایت مشکل ہے۔" یہ سن کر عمیر رضی اللہ عنہ غم کی تصویر بن گئے۔ یہ دیکھ کر رسول اکرم ﷺ کا دل بھر آیا۔ آپ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو تارے بن کر چمکنے لگے اور اس بچے کو شرکت کی اجازت مرحمت فرما دی۔ یہ نو عمر بچہ بڑی جاں بازی سے لڑا اور جام شہادت نوش کر لیا۔[1]

غزوہ بدر کی تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں' رسول اللہ ﷺ اسلامی لشکر کی صف بندی کر رہے ہیں۔ سامنے کفار کا آہنی لشکر کھڑا ہے۔ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف کے دائیں بائیں دو سگے بھائی کھڑے ہیں' جن کا شمار ابھی بچوں میں ہوتا ہے' جب معرکہ آرائی شروع ہوتی ہے' تو ایک بھائی چپکے سے سیدنا عبدالرحمن رضی اللہ عنہ سے پوچھتا ہے کہ: "مجھے بتائیے! ابوجہل کون ہے؟" دوسرا بھائی چپکے سے پوچھتا ہے کہ: "چچا جان! ابوجہل کہاں ہے؟" سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ ابوجہل کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں۔ یہ دونوں بچے صفیں چیرتے

---

[1] حاکم (۱۸۸/۳) یہ روایت حاکم میں مختصر ہے ایسی لمبی نہ ہے۔ اس کو حاکم نے صحیح کہا ہے لیکن ذہبی نے فرمایا اس میں یعقوب بن محمد الزھری ہے جس کو محدثین نے ضعیف کہا ہے۔ نیز حوالہ ج ۳ ص ۲۰۸ ہے۔

ہوئے بجلی کی طرح اس کی طرف کوندے اور لپکے کہ ایک دوسرے سے پہلے ابوجہل کا کام تمام کردینا چاہتے ہیں۔ دونوں بچوں کے حملے کی تاب نہ لاکر لشکر کفار کا سردار زمین پر ڈھیر ہو جاتا ہے۔ دونوں دوڑ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس پہنچتے ہیں اور ابوجہل کے قتل کی خوشخبری سناتے ہیں۔ شوق جہاد میں دونوں بچے اس عظیم کارنامے کو اپنی اپنی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ تلوار کی طرف نظر اٹھاتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ دونوں کی تلوایں خون میں لت پت ہیں' دونوں بچوں کو شاباشی دی اور ان کے حق میں کلمات خیر فرمائے۔[1]

ایک سال کے بعد مشرکین دوبارہ مدینے پر یلغار کرتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ اپنے ساتھیوں کو لے کر ان کے مقابلے کے لیے نکلتے ہیں۔ جہاد میں شرکت کے لیے دو بچے بھی خوشی خوشی جا رہے ہیں' آپ ﷺ انہیں دیکھتے ہی واپسی کا حکم دے دیتے ہیں' ان میں ایک بچہ رافع بن خدیج ایڑیوں کے بل کھڑا ہو جاتا ہے اور کہتا ہے: "اے اللہ کے رسول ﷺ! میں تو بڑا ہوں" پیارے نبی ﷺ کو اس کی اس ادا پر پیار آگیا اور آپ ﷺ نے اسے جہاد میں شرکت کی اجازت دے دی' معاً ایک دوسرا بچہ سمرہ بن جندب دوڑا دوڑا آتا ہے اور کہتا ہے: "اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر آپ ﷺ نے رافع کو جہاد میں شرکت کی اجازت دی ہے تو مجھے بھی اجازت عنایت کر دیجیے۔ میں اس سے بھی زیادہ طاقت ور ہوں' میں اس کو کشتی میں بھی پچھاڑ دیتا ہوں۔" پیارے نبی ﷺ دونوں کی کشتی کرواتے ہیں۔ واقعی سمرہ رافع کو پچھاڑ دیتے ہیں اور اللہ کے رسول ﷺ نے سمرہ کو بھی شرکت کی اجازت مرحمت فرما دی۔[2]

یہ سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ ہیں جو ابھی نوجوانوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ نہایت

---

[1] صحیح بخاری' کتاب فرض الخمس : باب من لم یخمس الأسلاب' (ح ۳۱۴۱)۔ صحیح مسلم' کتاب الجهاد : باب استحقاق القاتل سلب القتیل' (ح ۱۷۵۲)۔

[2] اسد الغابة فی معرفة الصحابة از ابن الاثیر (۳۵۴/۲)

عیش و عشرت کی زندگی گزار رہے ہیں۔ مشہور ہے کہ امیرو کبیر اور دولت مند ہونے کے ساتھ ساتھ نفاست پسند اس قدر تھے کہ جس لباس پر مکھی بیٹھ جاتی' اسے دوبارہ نہیں پہنتے تھے' جس گلی سے گزر جاتے وہ گلی معطر ہو جاتی' گھر پر ہر قسم کے سامان عیش و آرائش کی فراوانی ہے۔

یہ سرمایہ دار گھرانے کا پروردہ جب اسلام قبول کرتا ہے' تو اس کی عیش و عشرت کی زندگی اس سے چھین لی جاتی ہے۔ اسے مصیبت و تنگی کی چکی میں پیسا جاتا ہے' لیکن اسلام کا یہ شیدائی فقروفاقہ کو ترجیح دیتا ہے اور اسلام کے لیے ہر وقت ہر آزمائش کا خندہ پیشانی سے استقبال کرتا ہے۔ یہاں تک کہ جب اللہ کے راستے میں شہید ہوتا ہے تو اس کے پاس کفن کے لیے کپڑا بھی نہیں۔ استعمال میں آنے والی ایک چھوٹی سی چادر ہے' چھوٹی بھی اتنی کہ سر ڈھانپتے ہیں تو پیر کھلے رہ جاتے ہیں اور پیر ڈھانپتے ہیں تو سر کھلا رہ جاتا ہے۔ یہ دیکھ کر پیارے نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ: "سر ڈھانپ دیا جائے اور پیروں پر گھاس رکھ دی جائے۔"[1]

سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ جس نے اسلامی تاریخ پر اپنی عظمت و شوکت کے نقوش ثبت کیے ہیں۔ ابھی نو عمر ہی ہیں' عیسائی فوجیں "رہا" پر قبضہ کر کے مال و اسباب لوٹ کر عورتوں کو پکڑ کر لے جاتی ہیں۔ یہ ظلم دیکھ کر یہ نو عمر صلاح الدین ایک ترکی بوڑھے کو لے کر سلطان عماد الدین زنگیؒ کے پاس پہنچتے ہیں۔ عیسائیوں کے مظالم سے بادشاہ کو آگاہ کرتے ہیں' اس کی اسلامی حمیت و غیرت کو بیدار کرتے ہیں اور رو رو کر (مدد کے لیے) فریاد کرتے ہیں۔

نیک دل بادشاہ نور الدین زنگی کو ان حالات کا علم ہوتا ہے تو وہ تمام فوجیوں کو جمع کرتا ہے۔ انہیں "رہا" کے حالات سناتا اور جہاد پر اُبھارتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ:

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب المغازی: باب غزوۃ احد (ح ۴۰۴۵' ۴۰۴۷)۔ صحیح مسلم' کتاب الجنائز: باب فی کفن المیت (ح ۹۴۰)

"کل صبح میری تلوار رہا کے قلعے پر لہرائے گی' تم میں سے کون میرا ساتھ دے گا؟" یہ اعلان سن کر تمام فوجی حیران رہ جاتے ہیں کہ یہاں سے "رہا" ۹۰ میل کی دوری پر ہے' راتوں رات وہاں کیسے پہنچا جا سکتا ہے؟ یہ تو کسی طرح ممکن نہیں۔ تمام فوجی ابھی غور ہی کر رہے تھے کہ ایک نو عمر لڑکے کی آواز گونجتی ہے: "ہم بادشاہ کا ساتھ دیں گے۔" لوگوں نے سر اٹھا کر دیکھا تو ایک نو عمر لڑکا کھڑا تھا' بعضوں نے فقرے چست کیے کہ: "جاؤ میاں کھیلو کو دو! یہ جنگ ہے بچوں کا کھیل نہیں۔" سلطان نے یہ فقرے سنے تو غصے سے چہرہ سرخ ہو گیا' بولا: "یہ بچہ سچ کہتا ہے اس کی صورت بتاتی ہے کہ یہ کل میرا ساتھ دے گا۔ یہی وہ بچہ ہے جو رہا سے میرے پاس فریاد لے کر آیا ہے' اس کا نام صلاح الدین ہے۔" یہ سن کر فوجیوں کو غیرت آتی ہے' سب تیار ہو جاتے ہیں اور اگلے روز دوپہر تک رہا پہنچ کر حملہ کر دیا۔ گھمسان کی جنگ ہوئی' عیسائی سپہ سالار بڑی آن و بان کے ساتھ مقابلے کے لیے نکلا' سلطان زنگیؒ نے اس پر کاری ضرب لگائی مگر لوہے کی زرہ نے وار کو بے اثر بنا دیا۔ عیسائی سپہ سالار نے پلٹ کر سلطان زنگیؒ پر حملہ کیا اور نیزہ تان کر سلطان کی طرف پھینکنا ہی چاہتا تھا کہ نوعمر لڑکے صلاح الدین کی تلوار فضا میں بجلی کی طرح چمک اٹھی اور پھر زرہ کے کٹے ہوئے حصہ پر گر کر عیسائی سپہ سالار کے دو ٹکڑے کر کے رکھ دیئے۔ عیسائی سپہ سالار کے موت کے گھاٹ اترتے ہی عیسائی فوج بھاگ کھڑی ہوئی اور رہا پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

آج ہر شخص کی زبان پر نو عمر صلاح الدین کی شجاعت کے چرچے ہیں اور یہ واقعہ تاریخ اسلام میں سنہرے الفاظ سے لکھا جاتا ہے۔

مختصر یہ کہ بچوں اور نو عمروں نے ہمیشہ اہم رول ادا کیا ہے' برائیوں سے لڑنے اور بھلائیوں کے پروان چڑھانے کا جذبہ اگر بچوں میں پیدا کر دیا جائے تو وہ نو عمری میں بھی اور بڑے ہو کر بھی ناقابل فراموش کارنامے انجام دیتے ہیں۔

مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ بچے جو نیک تمنائیں کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو بچوں کی معصومیت پر اتنا ترس آتا ہے کہ

ان کی تمنائیں ضرور پوری کرتا ہے۔ چنانچہ تجربہ کیا گیا ہے کہ بچہ اپنے بچپن میں مستقبل کے لیے جو تمنا کرتا ہے عموماً مستقبل میں اس کی تمنا پوری ہوتی ہے۔ بہرحال بچپن اور لڑکپن کی عمر مختلف پہلوؤں سے بہت ہی اہم ہے۔

بچوں کی تعلیم و تربیت کی اہمیت

شادی کے بعد زوجین کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ جلد سے جلد ان کا نخل آرزو بار آور ہو اور ان کی گود ہری ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ان کی سنتا ہے اور ان کی مراد پوری ہو جاتی ہے۔ خوشی کے شادیانے بجائے جاتے ہیں' تہنیت و مبارک بادی کے ہدیے پیش کیے جاتے ہیں' اعزہ و احباب کی دعوت ہوتی ہے' بچے کی درازیٔ عمر اور خیر و برکت کے لیے دعائیں کی جاتی ہیں۔ ماں دن کا سکھ اور رات کی نیند قربان کر کے بچے کی پرورش میں لگی رہتی ہے۔ باپ اپنے لاڈلے پر خون پسینے کی گاڑھی کمائی خرچ کر کے قلبی سکون محسوس کرتا ہے۔

والدین اور تمام متعلقین کی خواہش اور تمنا ہوتی ہے کہ یہ بچہ بڑا ہو کر والدین کی آنکھوں کے لیے ٹھنڈک کا سامان ہو' خاندان کی عزت و وقار کو چار چاند لگائے' ملک و قوم کی ترقی کے لیے کارہائے نمایاں انجام دے۔ ظاہر ہے کہ کوئی بچہ بھی جوان ہو کر اعزہ و احباب کے اس خواب کو اس وقت تک شرمندہ تعبیر نہیں کر سکتا جب تک وہ زیور تعلیم و تربیت سے آراستہ نہ ہو۔ کیونکہ تعلیم و تربیت ہی سے بچے کی ذہنی و اخلاقی نشوونما صحیح نہج پر ہو پاتی ہے۔ اس کی خوابیدہ صلاحیتیں بیدار ہوتی ہیں' اس کی سیرت و کردار کی تعمیر ہوتی ہے' اس میں اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنے اور بہتر طریقے پر ان کو ادا کرنے کی اہلیت پیدا ہوتی ہے' اس میں خود نیک بننے کے ساتھ دوسروں کو نیک بنانے کی فکر پیدا ہوتی ہے' وہ معاشرے کے بے لوث خادم اور ملک کا بہترین شہری بنتا ہے اور پھر اپنی صلاحیتوں سے ملک و ملت کو فیض یاب کرتا ہے۔ اس کے برعکس جو صحیح تعلیم و تربیت

سے محروم رہ جاتے ہیں' ان کی فطری صلاحیتیں یا تو دب جاتی ہیں یا غلط رخ اختیار کر لیتی ہیں۔ وہ آوارگی اور جرائم پیشگی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ وہ فحاشی و بے حیائی میں مبتلا ہو کر خود اپنی زندگی کو تباہ کر لیتے ہیں اور سماج کے لیے بھی درد سر بن جاتے ہیں۔ وہ ماں باپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور بڑھاپے کا سہارا بننے کے بجائے والدین کے لیے ناقابل برداشت بوجھ بن جاتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے' اس کے والدین اس کو یہودی بنا دیتے ہیں یا نصرانی یا مجوسی۔"[1]

اس لیے ضروری ہے کہ بچوں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی جائے اور کوشش کی جائے کہ دنیا میں آنے والا کوئی بھی بچہ ناخواندہ نہ رہ جائے۔ بامقصد تعلیم و تربیت کا وسیع پیمانے پر بندوبست کیا جائے۔ تعلیم و تربیت کے لیے تمام ضروری وسائل فراہم کیے جائیں اور ایک صالح نظام تعلیم کے تحت بہترین نصاب ترتیب دے کر مثالی اسکول کے روح پرور ماحول میں بہترین اساتذہ کی نگرانی میں موزوں تعلیم و تربیت کے اہتمام کے لیے سعی و کوشش کی جائے۔

یاد رکھئے! اگر آپ نے اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت سے غفلت برتی' تو اس کے نتائج بد سے آپ اپنے کو بچا نہ سکیں گے اور وقت گزرنے پر آپ پشیمان ہوں گے۔ اگر آپ نے اپنے بچوں کی بہتر تعلیم و تربیت کا انتظام نہ کیا' تو وہ اپنا قیمتی وقت گندی گلیوں میں آوارہ پھر کر گذاریں گے اور برے ساتھیوں کی صحبت میں ان کی سیرتیں غلط سانچوں میں ڈھل کر ناقابل اصلاح ہو جائیں گی۔ بڑے ہو کر اول تو وہ اپنی عادات و اطوار بدلیں گے ہی نہیں اور اگر انہیں اصلاح کی ترغیب دلائی بھی جائے گی تو انہیں بڑی مشکل پیش آئے گی کیونکہ بچپن کی بری عادتوں کے نقوش بہت گہرے اور دیر پا ہوتے ہیں۔

یہ دور سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے اور تمام علوم و فنون میں بڑی تیزی سے ارتقا

---

[1] صحیح بخاری' کتاب الجنائز: باب اذا اسلم الصبی فمات هل یصلی علیه ؟' ح ١٣٥٨۔ صحیح مسلم' کتاب القدر: باب معنی کل مولود یولد علی الفطرة (ح ٢٦٥٨)۔

کا عمل جاری ہے اگر اب بھی ہم نے تعلیم و تربیت کی طرف کما حقہ توجہ نہ دی تو پھر ہمیں زوال و ذلت کے گڑھے سے کوئی نہ نکال سکے گا۔ تعلیم و تربیت ہی دراصل کسی قوم کی ترقی کا سنگ بنیاد ہے۔

آیئے عہد کریں کہ اپنے بچوں کی بہتر تعلیم و تربیت کا ضرور بندوبست کریں گے۔ جس طرح ہم ان کی جسمانی نشوونما کے لیے ہر وقت سرگرم عمل رہتے ہیں' اسی طرح ان کی ذہنی و اخلاقی اور فکری و عملی نشوونما کے لیے بھی جدوجہد کریں گے۔

ماں باپ کی شادی

قبل اس کے کہ ہم بچے کی پیدائش اور اس کی نشوونما پر گفتگو کریں' یہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ان دو ہستیوں کے انتخاب پر روشنی ڈالیں' جن میں سے ایک کو باپ اور دوسرے کو بچے کی ماں بننا ہوتا ہے۔ ان دونوں کا حسن انتخاب بچے کی نشوونما اور تعلیم و تربیت پر بہتر اثرات کا موجب بنتا ہے جب کہ انتخاب کی غلطی بچے کی تربیت پر برے اثرات کا سبب بن سکتی ہے۔

اگر لڑکے اور لڑکی کا نکاح ان کی مرضی اور پسندیدگی کے علی الرغم کر دیا جائے' تو خانگی زندگی تلخیوں کا جال بن کر رہ جاتی ہے۔ آئے دن شوہر اور بیوی کے درمیان نوک جھونک ہوتی رہتی ہے اور تعلقات کی بدمزگی بچوں کے مزاج' عادات و اطوار کو بگاڑ کر رکھ دیتی ہے اور ان کی نفسیات کو پیچیدہ بنا دیتی ہے۔ اسی لیے اسلام نے اس بات کی تاکید کی ہے کہ اپنی پسند ہی سے رشتہ ازدواج کو استوار کیا جائے۔

انتخاب شوہر کے سلسلے میں نبی اکرم ﷺ نے یوں رہنمائی فرمائی ہے:

((إِذَا جَاءَ كُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ خُلُقَهُ وَ دِيْنَهُ فَزَوِّجُوْهُ .... إِلَّا تَفْعَلُوْا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيْضٌ))

"جب تمہارے پاس نکاح کا پیغام لے کر وہ شخص آئے جس کے اخلاق اور دین داری تمہیں پسند ہوں تو اس کے ساتھ شادی کر دو......... اگر تم ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بہت بڑا فساد برپا ہو جائے گا۔"[1]

---

[1] سنن ترمذی' کتاب النکاح: باب ماجاء فیمن ترضون دینه فزوجوه' (ح ۱۰۸۵) حدیث صحیح ہے۔

لڑکی کا نکاح کرتے وقت اس بات کا ضرور خیال رکھا جائے کہ لڑکا ایسا دین دار ہو جو دین کی روشنی میں اپنے تمام معاملات کو انجام دیتا ہو' اس کا اخلاق و کردار پاکیزہ اور بلند ہو' وہ خوش مزاج' بلند حوصلہ اور کشادہ دل ہو تاکہ وہ زندگی کے نشیب و فراز کو صبر و ثبات اور خوش دلی کے ساتھ جھیل جائے۔ وہ کسی مرحلے میں ظلم و زیادتی نہ کر سکے۔ ایک شوہر کی حیثیت سے بیوی کے حقوق ادا کرے۔ گھر کے ماحول کو جنت نشاں بنانے کی کوشش کرے اور جب اللہ تعالیٰ اسے اولاد سے نوازے تو ان کے تمام حقوق ادا کرے۔ بہتر طریقے پر ان کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کرے۔

لڑکے کے لیے جب رشتہ تلاش کیا جائے اور دلہن کا انتخاب کیا جائے تب بھی اسی معیار کو سامنے رکھا جائے۔ محض دولت و ثروت' حسن و خوبصورتی اور عہدہ و منصب کے پیش نظر شادی نہ کی جائے بلکہ لڑکی کی سیرت اور عادات و اطوار کو خصوصی اہمیت دی جائے اور دین داری کو وجہ انتخاب قرار دیا جائے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِيْنِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ تَرِبَتْ يَدَاكَ))

"عورت سے نکاح چار اسباب کی بنا پر کیا جاتا ہے (۱) مال و دولت کی وجہ سے (۲) اچھے نسب کی وجہ سے (۳) خوب صورتی کی وجہ سے (۴) اور دین داری کی بنیاد پر' تم کسی دین دار عورت سے نکاح کرنے میں کامیابی حاصل کرو' تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں۔"[1]

اگر میاں بیوی دین دار ہوں گے' ان کی سیرت پاک ہو گی اور ان کے مزاج و حالات میں برابری ہو گی تو خانگی زندگی خوش گوار ہو گی اور خوش گوار ماحول میں پرورش

⟵ صحیح جامع الترمذی (ج ۱ص ۳۱۴۔ حدیث ۱۰۹۶)۔

[1] صحیح بخاری: کتاب النکاح: باب الاکفاء فی الدین (ح ۵۰۹۰)۔ صحیح مسلم: کتاب الرضاع: باب استحباب نکاح ذات الدین' ح ۱۴۶۶۔

پانے والا بچہ نیک اطوار' حوصلہ مند اور باصلاحیت ہو گا' اس کے اندر نفسیاتی پیچیدگیاں اور سماجی برائیاں پیدا نہ ہو سکیں گی۔ اس کے برعکس اگر میاں بیوی میں چپقلش ہو گی۔ ان کے مزاج میں اختلاف ہو گا' ان کے حالات میں ناہمواری ہو گی تو ان کی اولاد میں تربیتی خلاء ضرور رہ جائے گا' اس لیے ضروری ہے کہ ہونے والے شوہر اور بیوی کے انتخاب میں احتیاط سے کام لیا جائے۔ انتخاب کے وقت دین داری کو اہمیت دی جائے اور دونوں کے حالات و مزاج کی یکسانیت کا خیال رکھا جائے تاکہ ان کے نطفے سے وجود میں آنے والی اولاد نیک اطوار' باکردار اور باصلاحیت ہو۔ وہ ماں باپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور ان کے دل کا سرور بن سکے۔

اولاد کی آرزو

شادی کے بعد زوجین کی سب سے بڑی تمنا اور آرزو یہی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اولاد کی نعمت سے سرفراز کرے۔ اولاد کی آرزو ایک فطری امر ہے۔ انسان یہ چاہتا ہے کہ اس کا ایک ایسا وارث ہو' جو اس کے بعد اس کی املاک میں صحیح تصرف کر سکے اور اس کے مقاصد کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں اس کا صحیح جانشین ثابت ہو۔

اولاد نسل انسانی کی بقا کا ذریعہ ہوتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس پہلو کو نظر انداز نہیں کیا ہے اور نوع انسانی کو ہدایت کی کہ:

﴿ فَالْـَٰٔنَ بَـٰشِرُوهُنَّ وَٱبْتَغُوا۟ مَا كَتَبَ ٱللَّهُ لَكُمْ ﴾ (البقرۃ ۲/ ۱۸۷)

"اب تم اپنی بیویوں سے شب باشی کیا کرو اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے جو کچھ لکھ دیا ہے اسے حاصل کرنے کی کوشش کرو۔"

مفسرین نے وضاحت کی ہے کہ "اللہ نے تمہارے لیے جو کچھ لکھ دیا ہے" سے مراد "اولاد" ہے۔[1] دنیا میں سب سے بزرگ اور نیک ہستیاں نبیوں اور رسولوں کی ہیں' ان ہستیوں نے بھی نہ صرف اولاد کی تمنا کی ہے بلکہ اولاد کے لیے دعائیں بھی مانگی

---

[1] تفسیر ابن کثیر (۱/ ۲۶۱)

ہیں- جد الانبیاء ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا قرآن پاک میں نقل کی گئی ہے:

﴿ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿١٠٠﴾ ﴾ (الصافات ۳۷/ ۱۰۰)

"اے اللہ! مجھے نیکوکار اولاد عطا فرما۔"

زکریا علیہ السلام جب بوڑھے ہو گئے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یوں دعا کی:

﴿ وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِن وَرَاءِي وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا ﴿٥﴾ يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ﴿٦﴾ ﴾ (مریم ۱۹/ ۵-٦)

"اے میرے رب" مجھے اپنے پیچھے اپنے بھائی بندوں کی برائیوں کا ڈر ہے اور میری بیوی بانجھ ہے، تو مجھے اپنے فضل خاص سے ایک وارث عطا کر دے، جو میرا بھی وارث ہو اور آل یعقوب کا بھی! اے رب! اس کو ایک پسندیدہ انسان بنا۔"

اولاد، خاص طور پر نیک اولاد والدین کا سہارا اور ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتی ہے چنانچہ قرآن پاک نے جو دعائیں ہمیں سکھائی ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے:

﴿ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا ﴿٧٤﴾ ﴾ (الفرقان ۲۵/ ۷۴)

"اے اللہ! تو ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد کی جانب سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں متقیوں کا امام بنا دے۔"

نیک اولاد کی نہ صرف تمنا ہونی چاہیے بلکہ اپنی اولاد کو نیک بنانے کی بھی کوشش ہونی چاہیے۔ اس لیے کہ نیک اولاد اپنے اسلاف کے مشن کو آگے بڑھاتی ہے۔ والدین کے ناموں کو روشن کرتی ہے اور اہل خاندان خصوصاً والدین کے لیے دعائے مغفرت کرتی ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ الْعَبْدَ لَتُرْفَعُ لَهُ الدَّرَجَةُ فَيَقُولُ "أَيْ رَبِّ أَنَّى لِي هٰذَا؟ فَيَقُولُ "بِاسْتِغْفَارِ وَلَدِكَ مِنْ بَعْدِكَ))

"بندے کا درجہ (جنت میں) یکایک بلند کر دیا جائے گا تو وہ کہے گا: "اے میرے پروردگار! مجھے یہ درجہ کیسے مل گیا؟" اللہ تعالیٰ فرمائے گا: "اس وجہ سے کہ تیری موت کے بعد تیری اولاد نے تیرے لیے دعائے مغفرت کی تھی۔"" [1]

ایک دوسرے موقعہ پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِذَا مَاتَ الِانْسَانُ اِنْقَطَعَ عَمَلُهُ اِلاَّ مِن ثَلاَثٍ : صَدَقَةٌ جَارِيَةٌ اَو عِلمٌ يُنْتَفَعُ بِهِ اَو وَلَدٌ صَالِحٌ يَدْعُولَهُ))

"جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے البتہ تین اعمال کا اجر جاری رہتا ہے: (۱) صدقہ جاریہ (۲) ایسا علم جو لوگوں کو فائدہ پہنچائے (۳) نیک اولاد جو اس کے لیے (خیر و بخشش کی) دعا کرے۔" [2]

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ والدین کے حق میں نیک اولاد کی دعائیں بارگاہ ایزدی میں شرف قبولیت حاصل کرتی ہیں۔ اگر والدین کو اولاد کی موت کا صدمہ برداشت کرنا پڑ جائے، تب بھی انہیں اجر ملتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَا مِنْ مُسلِمٍ يَمُوتُ لَهُ ثَلاَثَةٌ مِنَ الْوَلَدِ لَم يَبلُغِ الْحِنثَ اِلاَّ اَدخَلَهُ اللّٰهُ الجَنَّةَ بِفَضْلِ رَحْمَتِهِ اِيَّاهُمْ))

"جب کسی مسلمان کے تین بچے بالغ ہونے سے پہلے مرجائیں تو اللہ ان بچوں پر رحم کی وجہ سے اس مسلمان کو ضرور جنت میں داخل فرمائے گا۔" [3]

ایک عورت اپنا بچہ لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! اس بچے کے لیے دعا فرما دیجئے کیونکہ میں اس سے پہلے تین بچوں کو دفن کر چکی ہوں۔" آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: "کیا تم تین بچوں کو دفن کر

---

[1] سنن ابن ماجہ، کتاب الادب: باب بر الوالدین (ح ۳۶۶۰) اس کی تخریج پیچھے گزر چکی۔

[2] صحیح مسلم، کتاب الوصیۃ: باب ما یلحق الانسان من الثواب بعد وفاتہ، (ح ۱۶۳۱)۔

[3] صحیح بخاری، کتاب الجنائز: باب ما قیل فی اولاد المسلمین، (ح ۱۳۸۱)۔

چکی ہو؟" اس عورت نے جواب دیا: "جی ہاں۔" آپ ﷺ نے اس سے ارشاد فرمایا: "تب تو تم نے جہنم سے ایک بہت محفوظ باڑ بنالی ہے۔"[1]

اگر کسی مسلمان کے دو بچے بھی فوت ہو جائیں تو وہ بھی نجات کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار عورتوں کو مخاطب کر کے فرمایا: "تم میں سے جس کے تین بچے فوت ہو جائیں' وہ (قیامت کے دن) جہنم سے رکاوٹ کا ذریعہ بن جائیں گے۔" ایک عورت نے پوچھا: "اگر کسی کے دو بچے فوت ہو جائیں تو کیا حکم ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں دو بچے بھی جہنم سے رکاوٹ بن جائیں گے۔"[2] مگر یہ اجر وثواب انہیں ماں باپ کے لیے ہے' جو بچوں کے فوت ہو جانے پر صبر کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کے خلاف احتجاج نہیں کرتے' تقدیر کو نہیں کوستے اور شور و نوحہ اور سینہ کوبی وغیرہ نہیں کرتے' بلکہ قضا و قدر کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے ہیں۔

اس موقع پر یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ بچے کے انتقال پر اگر محبت آنسو بن کر بہنے لگیں' تو یہ بے صبری نہیں ہے۔ غم ناک موقع پر آنسوؤں کا بہہ نکلنا بے صبری نہیں' بلکہ محبت کی علامت اور رحم دلی کی پہچان ہے۔ ایک بار نبی کریم ﷺ کو خبر دی گئی کہ آپ ﷺ کی صاحب زادی کا بچہ عالم جاں کنی میں ہے اور صاحب زادی نے آپ ﷺ کو بلایا ہے۔ آپ ﷺ چند اصحاب کے ساتھ تشریف لے گئے۔ بچے کو آپ ﷺ کی گود میں دے دیا گیا (یعنی گود میں لٹا دیا گیا) بچے کا سانس چل رہا تھا۔ آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے۔ ایک صحابی نے عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! یہ کیا؟" یعنی کیا آپ بھی صبر نہیں کر پا رہے ہیں" آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ اللہ کی رحمت ہے جسے اللہ

---

[1] صحیح مسلم' کتاب البر والصلة: باب فضل من یموت له ولد فیحتسبه' (ح ۲۶۳۶)۔

[2] صحیح بخاری' کتاب الجنائز: باب فضل من مات له ولد فاحتسب' (ح ۱۲۴۹)۔ صحیح مسلم' حوالہ سابق' (ح ۲۶۳۳)۔

اپنے بندوں کے دل میں پیدا کرتا ہے اور اللہ رحم دل بندوں پر رحم فرماتا ہے۔"[1]

اس طرح کی بہت سی احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی موت پر آنکھوں سے آنسو بہہ پڑنا بے صبری نہیں' بلکہ یہ رحمت و رافت کا فطری تقاضا اور اس کا اظہار ہے۔

بچوں سے محبت کرنا' ان کی آرزو و تمنا کرنا نہ صرف جائز بلکہ محبوب و پسندیدہ ہے۔ ایسی اولاد کی تمنا کیجئے جو آپ کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک' گھرانے کے لیے عزت کا سبب اور ملک و ملت کی تعمیر میں موثر رول ادا کر سکے جو آپ کے پاکیزہ مشن اور نیک مقاصد کے حصول میں ممد و معاون ثابت ہو سکے۔

ولادت سے پہلے جہالت

لڑکی ہو یا لڑکا اللہ کی نعمت جانیئے اللہ کریم جس کو چاہے لڑکا دے جس کو چاہے لڑکی' جس کو چاہے بچے اور بچیاں ملی جلی اولاد دے اور جس کو چاہے صرف لڑکے ہی دے لڑکی نہ دے کہ وہ ہمیشہ اس کے لیے ترستا رہے اور جس کو چاہے صرف لڑکیاں ہی دے' لڑکا نہ دے اور جس کو چاہے کچھ بھی نہ دے (وہ ساری زندگی اولاد کے لیے ترستا دنیا سے سدھار جائے) .... یہ اس مالک الملک اور علی کل شئی قدیر ذات کی مرضی ہے۔ اس کو کوئی نہیں پوچھ سکتا کہ تو ایسا کیوں کرتا ہے؟ اس فعال لما یرید ذات کی رضا کے ساتھ ہی آدمی کا راضی رہنا دنیا و آخرت میں کامیابی کی ضمانت ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ لڑکے دے تو تب بھی اس کا شکر ادا کرنا چاہیئے اور اگر وہ لڑکی دے تو تب بھی اس کا شکر ادا کرے کہ دونوں ہی نعمت ہیں اور اللہ

---

[1] صحیح بخاری' کتاب الجنائز: باب قول النبی ﷺ "یعذب المیت ببعض بکاء اهله علیه" ح ۱۲۸۴۔ مسلم' کتاب الجنائز: باب البکاء علی المیت' (ح ۹۲۳)۔

کی طرف سے ہیں۔ وہ چاہتا تو آدمی کو کچھ بھی نہ دیتا ساری زندگی گذار کر بے نام و نشان مر جاتا .... یہ اس کی قضاء و قدر کے فیصلے ہیں۔ یہ تو اسلام کی سنہری تعلیمات ہیں لیکن دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ ہمارے ہاں کلمہ گو اہل توحید بھی عموماً بچے کی آمد پر تو خوشی مناتے ہیں۔' مٹھائیاں بانٹتے ہیں' دعوتیں کرتے ہیں' خوشی سے پھولے نہیں سماتے' بڑے فخر سے لوگوں کو بتاتے ہیں۔ بچے کا نام پوچھنے اور تجویز کرنے کے بہانے لوگوں کو باتوں ہی باتوں میں باور کرواتے ہیں کہ اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہے۔ لیکن اگر بچی پیدا ہو جائے تو .... ان کو سانپ سونگھ جاتا ہے' زبانوں پر تالے' چہرے پژمردہ' افسردگی پریشانی اور ندامت ان کے چہروں سے نمایاں ہوتی ہے' غم و غصہ کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ اصل میں اسلام کی آمد سے قبل کافروں کی عادت تھی جس کا تذکرہ قرآن حکیم نے یوں کیا ہے:

﴿ وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُۥ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ﴿٥٨﴾ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِن سُوٓءِ مَا بُشِّرَ بِهِۦٓ ۚ أَيُمْسِكُهُۥ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُۥ فِى التُّرَابِ ۗ أَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿٥٩﴾ ﴾ (النحل ۱۶/ ۵۸۔۵۹)

"اور جب ان (مشرکین میں سے) کسی کو بیٹی کی پیدائش کی خبر دی جاتی ہے (تو اس کے) چہرے پر سیاہی چھا جاتی ہے اور وہ غصے کے گھونٹ پیتا ہے اور خاندان سے چھپتا پھرتا ہے' اس خبر کی بنا پر۔ اور سوچتا ہے کہ اس بچی کو گھر رکھ کر ذلت برداشت کروں یا کہ زندہ ہی درگور کردوں۔ خبردار! ان کے یہ کیسے برے فیصلے ہیں۔"

یہاں اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کی اس خصلت کو کھول کر بیان کر دیا ہے اور ان کی اس قبیح رسم کی نشاندھی کی ہے کہ بیٹی کی پیدائش پر تو ان کے چہرے اور ان کے تیور بدل جاتے اور بیٹے کی پیدائش پر وہ خوشی کا اظہار کرتے۔ ہمارے ہاں بڑے بڑے دیندار اور سلجھے ہوئے گھرانوں میں بھی بچی کی پیدائش پر گھر میں سناٹا چھا جاتا ہے گویا صف ماتم بچھ گئی ہو۔ وہ بچی کی والدہ کو طعنے اور دھمکیاں دیتے ہیں کہ اگر آئندہ تم نے بچی کو جنم دیا تو ہم تجھے طلاق دے دیں گے بلکہ بعض اوقات تو اس جرم کی پاداش میں کئی عورتوں کو

طلاق بھی دے دی جاتی ہے۔ حالانکہ یہ معاملہ ان کے اختیار میں نہیں ہوتا بلکہ یہ قضاء و قدر کے فیصلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ یہ دور جاہلیت کی باقیات و علامات ہیں کہ جن کو مسلمان کلمہ پڑھنے کے بعد اپنائے ہوئے ہیں۔

شیخ عبداللہ ناصح اس جہالت کا غماز ایک واقعہ "التربیه" میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہمارے علاقے میں حمزہ نام کا ایک شخص رہتا تھا۔ شادی کے بعد اللہ کریم نے اسے ایک بچی کی نعمت سے نوازا۔ بچی کی پیدائش پر (کہ بچہ لڑکا کیوں نہ پیدا ہوا) وہ اپنی بیوی سے ناراض ہو کر اور اپنا مکان چھوڑ گیا اور کسی دوسرے مکان میں جاکر الگ تھلگ اکیلا رہنے لگا۔ وہ ایک سال تک اپنے گھر واپس نہ آیا۔ ایک سال بعد حسن اتفاق سے وہ اپنے سابقہ مکان کے پاس سے گزر رہا تھا۔ اس کی بیوی اپنی ننھی منی بچی سے پیار کر رہی تھی۔ اور گلوگیر پرُ سوز اور رندھی ہوئی آواز میں یہ اشعار پڑھ رہی تھی:

مَا لِأَبِي حَمزَةَ لَا يَاتِينَ ....

يَظِلُّ فِي الْبَيتِ الَّذِي يَلِينَا

غَضْبَانَ أَلَّا نَلِدُ النَبِينَا

تَا اللّٰهِ مَاذَالِكَ فِي أَيْدِينَا

انَّمَا نَاخُذُ مَا أَعطِينَا [1]

"ابو حمزہ کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ہمارے پاس آتے ہی نہیں' وہ ہمارے قریب ہی کے مکان میں رہ رہے ہیں' اس وجہ سے ہم سے ناراض ہیں کہ ...... ہمارے ہاں بیٹا کیوں نہیں پیدا ہوا؟ .... اللہ کی قسم! .... یہ ہمارے اختیار کی بات نہیں .... ہم تو وہی لیں گی جو کچھ ہمیں (اللہ کریم کی طرف سے) عطا ہو گا۔"

---

[1] سنن ترمذی' کتاب القدر : باب ماجاء ان الایمان بالقدر خیرہ و شرہ' (ح ۲۱۴۵) ابن ماجہ' المقدمہ : باب فی القدر' (ح ۸۱)۔ حدیث صحیح ہے دیکھئے صحیح سنن ابن ماجہ از علامہ البانی طبع الریاض۔

اس اللہ کی بندی کے درد بھرے اور ایمان افروز کلمات جب ابو حمزہ کے کان میں پڑے تو اس کے دل کی ظلمت دور ہو گئی ...... لہٰذا وہ دل ہی دل میں بہت نادم ہوا۔ اور فوراً اپنے گھر آ گیا۔ اور خوشی و محبت کے ملے جلے جذبات سے اپنی رفیقہ حیات کے سر کو بوسہ دیا پھر اپنی بچی کو گود میں لیا' لاڈ پیار کیا اور اللہ تعالیٰ کی اس تقسیم پر رضا کا اظہار کیا۔

یہ بھی سوچ لینا چاہئے کہ اگر انسان اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہو کر اس کو تسلیم نہیں کرتا تو وہ اس تقدیر کا انکار کرتا ہے کہ جو اس کے متعلق اللہ کے ہاں لکھی ہوئی ہے۔ اور ایسے موقعوں پر ہی انسان کی مسلمانی کے معیار کا پتہ چلتا ہے۔ اس لئے کہ جب تک انسان کا قدرت کے فیصلے پر ایمان پختہ نہیں وہ ایماندار نہیں بن سکتا' اس لئے کہ رسول اللہ نے فرمایا: "کوئی مومن اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ .... تقدیر پر ایمان نہ رکھے۔"[1] اور ابن ماجہ کی ایک طویل حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر انسان کا اللہ کی تقدیر پر ایمان نہیں تو اس کی کوئی نیکی بھی قبول نہیں ہوتی۔[1]

بچی سے نفرت اور بیزاری کا ایک مظاہرہ اس وقت بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ جب کسی گھر میں بچہ کی ولادت کا وقت قریب آتا ہے اور دائیہ زچگی کے مراحل میں مصروف ہو تو تمام گھر والوں کے کان اسی خبر سننے کے لئے منتظر ہوتے ہیں کہ ابھی کیا خبر آتی ہے۔ اگر اللہ کریم بچہ دے دے تو دائیہ پہلی نظر پڑتے ہی گھر والوں کو مبارک باد دینے کے لئے دوڑ پڑتی ہے اور اس دوران وہ زچہ بچہ کی بھی پرواہ نہیں کرتی اور فوری مطالبے شروع کرتی ہے کہ اس خوشی کے موقع پر میں تو اتنی رقم اور فلاں فلاں اشیاء لوں گی بس۔ اور اگر اللہ تعالیٰ بچی عطا کر دے تو .... زچگی سے فارغ ہو جانے کے بعد بھی گھر والوں کو کچھ نہیں بتاتی' اداس اور لٹکا ہوا افسردہ چہرہ لئے پھرتی ہے .... اور یوں اپنی حرکات و سکنات اور خستہ حالی سے گھر والوں کو معلوم کرا دیتی ہے اور ان سے ہمدردی کے اظہار کے انداز میں ایسے کلمات کہہ دیتی ہے جو کفریہ بھی ہوتے ہیں اور ایک مسلمان کو زیب

---

[1] ابوداؤد' کتاب السنۃ: باب فی القدر' (ح ۴۶۹۹)۔ ابن ماجہ' المقدمۃ: باب فی القدر' (ح ۷۷)۔

نہیں دیتے مثلاً: یہ سیاہ بھیڑ کہاں سے آگئی' اس کو کسی اور گھر میں جگہ نہیں ملی' یہ چڑیل ہمارے لئے ہی رکھی ہوئی تھی' میں تو بڑی انعام و اکرام کی امیدیں لے کر آئی تھی لیکن ...... وغیرہ وغیرہ۔ لوگ ایسی باتوں کو معمولی خیال کرتے ہیں لیکن ایسا رویہ اللہ کے ہاں بہت بڑا جرم ہے لہٰذا اس سے اپنے دامن کو بچا کر رکھا جائے۔ (التربیۃ (ج ۱/۵۳) [1]

"بچیاں اللہ کی رحمت ہوتی ہیں" یہ مقولہ صرف معاشرتی مقولہ ہی نہیں بلکہ حقیقت پر مبنی ہے۔ یہ زندگی میں خدمت کی صورت میں اور آخرت میں اجر عظیم کی صورت میں اللہ کی رحمت ثابت ہوتی ہیں۔ ایک بچی کی تربیت لڑکے کی تربیت سے زیادہ باعث اجر و ثواب ہے۔ جو خوش قسمت اپنی بچیوں کی تربیت اسلامی اصولوں کے مطابق کرتا ہے وہ لڑکوں کی تربیت کرنے والے سے اللہ کا زیادہ مقرب و محبوب بن جاتا ہے بلکہ ایسا انسان قیامت کے دن رحمتہ اللعالمین کا ہمسایہ بنے گا۔ کس قدر بلند و ارفع اعزاز ہو گا یہ۔ رسول رحمت کی زبان حقیقت ترجمان سے اس کی پیشین گوئی یوں ہوتی ہے کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ نے فرمایا:

((مَنْ عَالَ جَارِ يَتَيْنِ حَتّٰى تَبْلُغَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنَا وَهُوَ كَهَاتَيْنِ وَ ضَمَّ أَصَابِعَهُ))

"جو باپ اپنی دو بچیوں کی تربیت کرتا ہے یہاں تک کہ وہ جوان ہو جائیں' تو وہ قیامت کے دن اس طرح میرا ہمسایہ ہو گا جیسے میری یہ انگلیاں ہیں (پھر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو انگلیاں باہم ملا کر دکھائیں۔" [2]

کتنی خوش قسمتی اور خوش نصیبی ہے اس شخص کی کہ جو بچیوں کی پیدائش سے نفرت نہیں کرتا ان کو برا نہیں جانتا' ان کو بوجھ تصور نہیں کرتا' بلکہ ان سے پیار کرتا ہے' اللہ کی رحمت سمجھتا ہے اور بہترین تربیت کر کے ان کو جوان کرتا ہے ...... ایسے ہی

---

[1] احسن الاقوال فی تربیۃ الاولاد

[2] مسلم' کتاب البر والصلۃ : باب فضل الاحسان الی البنات' (ح ۲۶۳۱)۔

خوش نصیب کو قیامت کے دن جب پیغمبر بھی رب نفسی رب نفسی پکار رہے ہوں گے، اس وقت خاتم النبیین کی ہمسائیگی اور رفاقت نصیب ہو گی۔ یا یوں کہہ لیں کہ وہ تربیت تو اپنی اولاد کی کر رہا ہے جب کہ اجر و ثواب اور درجہ اللہ کے ہاں اس طرح حاصل کر رہا ہے کہ رسول مکرم نبی رحمت کا ساتھ اور رفاقت جنت میں حاصل کر رہا ہے۔

ایک حدیث مبارکہ میں بچیوں کی بہترین تربیت کرنے والے کو جہنم سے آزادی کا پروانہ دیا جا رہا ہے۔ چنانچہ اسی ضمن میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((جَاءَتْنِي امْرَأَةٌ وَ مَعَهَا ابْنَتَانِ لَهَا تَسْأَلُنِي فَلَمْ تَجِدْ عِنْدِيْ غَيْرَ تَمْرَةٍ وَاحِدَةٍ فَأَعْطَيْتُهَا اِيَّاهَا فَقَسَمَتْهَا بَيْنَ ابْنَتَيْهَا وَلَمْ تَأْكُلْهَا مِنْهَا ثُمَّ قَامَتْ فَخَرَجَتْ فَدَخَلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَحَدَّثْتُهُ فَقَالَ مَنِ ابْتُلِيَ مِنْ هٰذِهِ الْبَنَاتِ بِشَيْئٍ فَأَحْسَنَ اِلَيْهِنَّ كُنَّ لَهُ سِتْراً مِنَ النَّارِ))

”میرے پاس ایک عورت اپنی دو بچیوں کو لے کر حاضر ہوئی اور اس نے مجھ سے (کسی چیز کا) سوال کیا۔ اس وقت میرے پاس صرف ایک کھجور ہی موجود تھی۔ میں نے وہی کھجور اس عورت کو دے دی۔ اس نے اس کھجور کے دو حصے کئے اور دونوں بچیوں میں تقسیم کر دیئے جبکہ اس کھجور سے خود کچھ نہ کھایا۔ پھر وہ چلی گئی۔ اس کے بعد رسول اللہ گھر تشریف لائے تو میں نے آپؐ کو سارا ماجرا سنایا۔ یہ واقعہ سننے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص ان بچیوں کے بارہ میں امتحان میں ڈالا گیا وہ ان کے ساتھ حسن سلوک کر کے کامیاب ہو گیا۔ تو وہ بچیاں (قیامت کے دن) اس کے لیے جہنم کی آگ سے پردہ بن جائیں گی“[1]

بچیوں سے نفرت کرنے کی صورت اتنی ہول ناک اور تکلیف دہ ہے کہ اس کے

---

[1] بخاری، کتاب الزکاۃ: باب اتقوا النار ولو بشق تمرۃ والقلیل من الصدقۃ (ح ۱۴۱۸)۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ: باب فضل الاحسان الی البنات، ح ۲۶۲۹۔

تصور ہی سے دل لرزنے لگتا ہے۔ مشرکین مکہ کے نزدیک بچی کا وجود ذلت و حقارت کا نشان تھا۔ اس کا نقشہ قرآن حکیم یوں کھینچتا ہے۔ ''جب ان میں سے کسی کو لڑکی پیدا ہونے کی خبر سنائی جاتی ہے تو اس کا منہ (غم کے سبب) کالا پڑ جاتا ہے اور وہ بس خون کا سا گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے' لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے کہ اس بری خبر کے بعد لوگوں کو کیا منہ دکھائے' سوچتا ہے کہ ذلت کے ساتھ بیٹی کو لیے رہے یا اس کو مٹی میں دبا دے؟ دیکھو کیسے برے حکم ہیں جو یہ اللہ کے بارے میں لگاتے ہیں۔'' (نحل: ۵۸/۱۶-۵۹)

رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ جاہلیت کی آپ بیتی یوں سنائی ......''

''یا رسول اللہ ﷺ! ہم لوگ ناواقف تھے ...... ہمیں کچھ خبر نہ تھی' پتھر کے بتوں کو پوجتے تھے اور اپنی پیاری اولاد کو خود اپنے ہی ہاتھوں موت کے گھاٹ اتار دیتے تھے ...... یا رسول اللہ ﷺ! میری ایک بہت پیاری بچی تھی ...... میں جب بھی اس کو بلاتا وہ دوڑ کر میرے پاس آتی' ایک دن ...... میں نے اس کو اپنے پاس بلایا تو وہ خوش خوش دوڑی میرے پاس آئی' میں اس کو اپنے ساتھ لے کر چلا' میں آگے آگے تھا اور وہ میرے پیچھے پیچھے دوڑی چلی آ رہی تھی ...... میرے گھر سے کچھ ہی فاصلے پر ایک گہرا کنواں تھا' جب میں اس کنویں کے پاس پہنچا تو رک گیا' لڑکی بھی میرے قریب آ گئی ...... پھر یا رسول اللہ ﷺ! ...... میں نے اس بچی کا ہاتھ پکڑا اور اٹھا کر اس کنویں میں پھینک دیا ...... معصوم بچی کنویں میں چیختی رہی اور بڑی درد بھری آہوں میں مجھے ابا ابا ...... ابا ...... کہہ کر پکارتی رہی' یا رسول اللہ ﷺ ...... ! یہی اس کی زندگی کی آخری آواز تھی۔''

اللہ کے رسول ﷺ نے یہ درد بھری داستان سنی تو دل بھر آیا اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے ان کو برا بھلا کہا کہ تم نے خواہ مخواہ یہ دردناک آپ بیتی سنا کر رسول اللہ ﷺ کو دکھ پہنچایا' رسول اللہ ﷺ نے سنا تو فرمایا:

"نہیں' ان سے کچھ نہ کہو' ان سے کچھ نہ کہو...... ان پر جو مصیبت پڑی ہے یہ اس کا علاج پوچھنے آئے ہیں اور پھر انہی کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: "ہاں! ایک بار پھر تم اپنی آپ بیتی سناؤ۔" صحابی نے دوبارہ اپنی دردناک آپ بیتی سنائی۔ رسول اللہ ﷺ کا عجب حال تھا' روتے روتے آپ کی داڑھی تر بتر ہو گئی اور پھر ان سے کہا: "تم اسلام لے آئے تو اس کی برکت سے زمانہ جاہلیت کے سارے گناہ معاف ہو گئے' جاؤ اور اب اچھے کام کرو۔" [1]

حقیقت یہ ہے کہ اولاد کے معاملہ میں انسان قطعی بے بس ہے۔ اگر وہ صرف اسی ایک معاملہ پر غور کرے تو اس حقیقت کو پا لے گا کہ کائنات میں صرف ایک ہی اللہ کا حکم چل رہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں' اولاد کے معاملے میں نہ کسی کی بزرگی اور کرامت کام دیتی ہے' نہ تعویذ گنڈے اور نہ ہی کوئی اور تدبیر...... دوسروں کو اولاد دلانا' یا لڑکی کی بجائے لڑکا پیدا کرانا تو درکنار' خود کوئی بڑے سے بڑا روحانی پیشوا اپنے یہاں بھی اپنی خواہش کے مطابق اولاد پیدا نہیں کر سکتا' اور اگر اولاد سے محروم ہے تو یہ ممکن نہیں کہ اپنی کوششوں سے ایک بچہ بھی پا سکے!

اولاد اللہ کا انعام ہے۔ لڑکی بھی اس کا انعام ہے اور لڑکا بھی' انعام پانے والے کا کام یہ ہے کہ وہ انعام کی قدر کرے اور اپنے محسن کا شکر بجالائے۔ مومن کو ہرگز زیب نہیں دیتا کہ وہ مالک کے انعام کی ناقدری کرے اور ناشکری کی روش اختیار کرے۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کس کو کس نعمت سے نوازے اور وہی اپنے علم اور اپنی قدرت کے تحت حکیمانہ فیصلے فرماتا رہتا ہے۔ اس کے فیصلوں پر راضی رہنا اور اس کو اپنے حق میں بہتر سمجھنا مومن کی شان ہے۔

---

[1] تفسیر کبیر (۲۲۵/۷) نحو المعنی۔ یہ حدیث امام دارمی نے اپنی کتاب کے شروع میں روایت کی ہے۔ دیکھئے باب ماکان علیہ الناس قبل مبعث النبی ﷺ من الجھل والضلالۃ (ج ۱ ص ۳)۔ طبع بیروت۔

﴿ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ يَهَبُ لِمَن يَشَآءُ إِنَٰثًا وَيَهَبُ لِمَن يَشَآءُ ٱلذُّكُورَ ﴿٤٩﴾ أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَٰثًا ۖ وَيَجْعَلُ مَن يَشَآءُ عَقِيمًا ۚ إِنَّهُۥ عَلِيمٌ قَدِيرٌ ﴿٥٠﴾ ﴾ (الشوریٰ ٤٢/ ٤٩-٥٠)

"وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے' جسے چاہتا ہے لڑکیاں دیتا ہے' جسے چاہتا ہے لڑکے دیتا ہے' جسے چاہتا ہے لڑکے اور لڑکیاں ملا جلا کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بانجھ (بنا کر اولاد سے محروم) کر دیتا ہے۔ بلاشبہ وہ ہر چیز سے واقف اور ہر بات پر قادر ہے۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو ہدایت فرمائی: "لڑکیوں سے نفرت نہ کرو' میں خود لڑکیوں کا باپ ہوں۔"[1]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس کے یہاں بچی ہوئی اور اس نے اسے (دور جہالت کی طرح) زندہ دفن نہیں کیا' نہ اس کو حقیر سمجھا اور نہ لڑکوں کو اس پر ترجیح دی تو ایسے شخص کو اللہ جنت میں داخل فرمائے گا"[2]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرماتے ہیں:
"فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے' جو اس کو ناخوش کرے گا وہ مجھے ناخوش کرے گا"[3]

شادی کے بعد جب کبھی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے آتیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر ان کا استقبال فرماتے' ان کی پیشانی چومتے اور اپنی جگہ پر

---

[1]

[2] سنن ابوداود' کتاب الادب: باب فی فضل من عال یتامیٰ' (ح ۵۱۴۶)۔

[3] صحیح بخاری' کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم: باب مناقب قرابۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' (ح ۳۷۱۴)۔ مسلم کتاب فضائل الصحابۃ: باب من فضائل فاطمۃ رضی اللہ عنہا' (ح ۲۴۴۹)۔

بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بٹھاتے۔"[1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس شخص نے دو بیٹیوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ دونوں بالغ اور جوان ہو گئیں اور اپنے گھروں کی ہو گئیں' تو روز قیامت وہ اس حال میں آئے گا کہ وہ اور میں ان دو انگلیوں کی طرح ہوں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں کو ملا کر دکھایا"[2]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں تمہیں بہترین صدقہ کیوں نہ بتا دوں وہ تمہاری بیٹی ہے جو تمہارے پاس لوٹا دی گئی ہے اور تمہارے سوا کوئی اس کو کما کر کھلانے والا نہیں (یعنی شادی ہو جانے کے بعد پھر ماں باپ کے حوالے کر دی گئی۔)"[3]

کتب احادیث میں وارد فرامین رحمت اللعالمین سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بچیوں کی بہتر تعلیم و تربیت کرنا لڑکوں کی نسبت زیادہ درجہ و اجر و ثواب کی حامل ہے۔ اس کا فلسفہ یہ ہے کہ بچی کی گود مستقبل میں ایک درس گاہ کی حیثیت رکھتی ہے اگر تو اس کی تربیت اسلامی طریقہ پر ہوئی تو وہ آنے والی اپنی اولاد کی تربیت بھی اسی کے مطابق کرے گی اور اگر اس کی تربیت غلط طریقہ پر ہوئی تو وہ بھی اپنی اولاد کی تربیت غلط ہی کرے گی۔ ایک عربی شاعر نے اس مضمون کو کیا خوبصورت پیرائے میں بیان کیا ہے' وہ کہتا ہے:

اَلامُّ مَدرَسَةٌ اِنْ اَعَدتَّهَا
أَعدَدتَ شُعْبًا طیب الاَعراقِ

"ماں کی گود ایک درسگاہ ہے' اگر تو نے اس درس گاہ کو سنوار دیا تو گویا ایک با اصول اور پاکیزہ نسب والی قوم وجود میں آ گئی"

---

[1] سنن ابو داؤد' کتاب الادب: باب فی القیام' (ح ۵۲۱۷)۔ حدیث صحیح ہے۔ صحیح سنن ابی داؤد ج ۳ ص ۹۷۹۔

[2] صحیح مسلم' کتاب البر والصلۃ: باب فضل الاحسان الی البنات' (ح ۲۶۳۱)۔

[3] سنن ابن ماجہ' کتاب الادب: باب برالوالد والاحسان الی البنات' (ح ۳۶۶۷)۔

ماحاصل یہ کہ اللہ کریم جو بھی اولاد عطا کرے خواہ بیٹا ہو یا بیٹی ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم ایمانداری سے اس پر پوری توجہ دیں نہ کہ جاہلیت کے تصورات کو اپنی زندگی کا حصہ بنا لیں' اور نرینہ اولاد کے حصول کی خواہش میں خالق کائنات اور آخری نبی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کر کے اپنی دولت ایمان کو لٹا بیٹھیں اور یوں ہم خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ کا مصداق ٹھہریں۔

بچہ شکم مادر میں

بظاہر بچے کی تربیت و نگہداشت کا آغاز بچے کے پیدا ہونے کے بعد ہوتا ہے۔ لیکن اصلاً ماں کے پیٹ میں حمل قرار پاتے ہی بچے کی پرورش و پرداخت کی ذمہ داریاں شروع ہو جاتی ہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ حمل قرار پانے کے بعد والدین کی غفلت و بے توجہی سے غنچہ امید کھلنے سے پہلے ہی مرجھا جاتا ہے اور تمام تر تمناؤں کے باوجود ماں کی گود خالی رہ جاتی ہے' اس لیے تربیت اطفال کی ذمے داریاں اسی وقت سے عائد ہو جاتی ہے' جب بچے کا حمل قرار پاتا ہے اور وہ بطن مادر میں نشوونما کے مختلف مراحل طے کرتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ بطن مادر میں بچے کی پرورش کے وقت والدین تمام تر احتیاط اور تدابیر سے کام لیں اور وضع حمل اور ایام زچگی کے بارے میں انہیں صحیح معلومات ہوں۔

والدین کی بے احتیاطی' لاعلمی اور جہالت کی وجہ سے روزانہ ہزاروں بچے لقمہ اجل بن جاتے ہیں اور ہندوستان میں پچیس فیصد بچے ایک سال کی عمر پانے سے قبل ہی موت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ایام حمل کی بے پروائیوں اور ان کی رسموں سے اجتناب کیا جائے جنہیں ضروری سمجھ لیا گیا ہے۔

حمل قرار پانے کے بعد حاملہ کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ زنانہ ہسپتال یا کسی ماہر لیڈی ڈاکٹر سے اپنا معائنہ کرائے اور بچہ پیدا ہونے تک اپنا یہ معمول بنائے رکھے کہ ہر ماہ پابندی سے اپنا زنانہ معائنہ کرائے گی۔ اس طرح ماں اور بطن مادر میں پرورش پانے والا بچہ بہت سی بیماریوں سے محفوظ رہ سکے گا اور ان خطرات کا بھی تدارک ہو سکے گا' جو آئندہ جان لیوا ثابت ہو سکتے ہیں مثلاً: بعض عورتوں کی ہڈیاں بہت چھوٹی ہوتی ہیں اور

بچہ آسانی سے پیدا نہیں ہو سکتا۔ پہلے حمل میں عورت کو بھی اس کا علم نہیں ہو پاتا جس کے نتیجے میں بچے عموماً پیدائش کے وقت ہی فوت ہو جاتے ہیں اور کبھی کبھی زچہ کی جان بھی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ قبل از وقت معائنہ کرانے سے یہ خطرہ ٹل سکتا ہے۔ اسی طرح بہت سی پوشیدہ بیماریاں ہوتی ہیں' جن کا علاج اگر پہلے سے نہ کیا جائے تو وہ بیماریاں وضع حمل کے وقت جان لیوا ثابت ہو جاتی ہیں۔

ہر ماہ حاملہ پابندی سے اپنا طبی معائنہ کرائے اور آخری دو ماہ میں ہر پندرہ دن کے بعد معائنہ کرانا زیادہ بہتر اور قرین صحت ہے۔ اسی اثنا میں ٹیٹنس (Tetnus) کا انجکشن لگانا بھی ضروری ہے۔ اگر حاملہ کسی عارضہ یا وقتی بیماری میں مبتلا ہو جائے تو اس کے فوری علاج اور تدراک کی ضرورت ہے' اس سلسلے میں اچھے ڈاکٹر کی خدمات حاصل کرنے سے بھی گریز نہیں کرنا چاہیے۔ ذیل میں اس طرح کی کچھ بیماریوں کی طرف نشاندھی کی جا رہی ہے' جو حاملہ کے لیے بظاہر بہت معمولی سمجھی جاتی ہیں' لیکن ان سے غفلت برتنا نہایت خطرناک ثابت ہوتا ہے۔

(الف) عموماً حمل کے ابتدائی ایام میں متلی اور قے کی شکایت ہو جاتی ہے' لیکن اگر قے اور متلی کی زیادتی ہو جائے یا سر میں زیادہ چکر آنے لگے تو طبی مشورہ ضروری ہے۔

(ب) وضع حمل کی مدت پوری ہونے سے پہلے اگر حاملہ کو خون جاری ہو جائے' تو فوراً اس طرف توجہ دینی چاہیے۔ ورنہ اسقاط حمل کا اندیشہ رہتا ہے۔ اسی طرح اگر عضو مخصوص سے کسی قسم کی رطوبت جاری ہو جائے' تو یہ بھی بیماری کی علامت ہے۔

(ج) پیشاب میں جلن محسوس ہو یا پیشاب اچھی طرح سے نہ آتا ہو۔

(د) ہاتھ پاؤں پر ورم آ جائے یا پیٹ غیر معمولی طور پر بڑھ جائے۔

(ہ) بھوک بہت کم ہو جائے یا نیند اچھی طرح نہ آئے۔

ایسی تمام صورتوں میں متعلقہ ڈاکٹر سے رجوع کریں۔

حاملہ کو متوازن غذا کی بھی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ حمل کے ابتدائی ایام میں جب متلی اور قے شروع ہوتی ہے' تو بعض عورتیں کھانا ہی چھوڑ دیتی ہیں' جس کی وجہ سے

ان کی صحت متاثر ہو جاتی ہے۔ بدن میں خون کی کمی کی وجہ سے بطن مادر میں پرورش پانے والے بچے کو پوری غذا نہیں مل پاتی۔حاملہ کو سادہ' ہلکی اور زود ہضم غذا استعمال کرنی چاہیے۔ ثقیل' دیر ہضم' تیز اور گرم مسالے والی غذا سے بچنا چاہیے' کھانا ہضم کرنے کے لیے چہل قدمی سے بھی مدد لینی چاہیے۔

عمدہ اور صاف ستھری غذا کے ساتھ حاملہ کو تازہ ہوا کی سخت ضرورت رہتی ہے۔ تازہ ہوا سے خون صاف ہوتا ہے۔ اگر حاملہ کو تازہ ہوا میسر نہیں آئے گی تو بطن مادر میں موجود بچے کو گندے خون ہی کی غذا ملے گی اور بچے کی صحیح نشوونما نہیں ہو پائے گی۔ اس کے لیے اگر ممکن ہو تو بستی کے باہر کھلی جگہ پر کچھ وقت گزارا جائے۔ گھروں کے کھلے صحن میں چہل قدمی کی جائے۔ کمرے کی کھڑکیاں اور روشن دان کھلے رکھے جائیں۔ سوتے وقت چادر یا لحاف وغیرہ سے منہ نہ ڈھانپا جائے۔

تازہ ہوا کی طرح سورج کی روشنی اور دھوپ بھی اچھی صحت کے لیے ضروری ہے' اس لیے حاملہ کو ایسے مکان میں رہنا چاہیے جہاں اسے دھوپ اور روشنی وافر مقدار میں مل سکے تاکہ اس کی اور بچے کی صحت ٹھیک رہ سکے۔

حاملہ کے لیے صفائی کا اہتمام بھی ضروری ہے' حاملہ کا مکان ہر اعتبار سے صاف ستھرا ہو۔ اس میں کسی قسم کی غلاظت اور گندگی نہ ہو۔ مکان کی صفائی کے ساتھ ساتھ حاملہ اپنے کپڑوں اور اپنے جسم کی صفائی کا بھی بھرپور اہتمام کرے' ورنہ گندگی سے مختلف بیماریاں پیدا ہو سکتی ہیں' جو آگے چل کر حاملہ کے لیے کسی بڑی آزمائش کا سبب بن سکتی ہیں۔ اکثر بیماریاں گندگی ہی سے پھیلتی ہیں اور حاملہ کا کسی بھی بیماری میں مبتلا ہونا مستقبل میں خطرے کی نشانی ہے۔ اس لیے ہر قسم کی گندگی سے دور رہا جائے اور صفائی' ستھرائی کا بھرپور اہتمام کیا جائے۔

حاملہ کو بھرپور آرام کی ضرورت ہے۔ اس کو کم از کم رات میں آٹھ گھنٹے سونا چاہیے۔ دوپہر کو بھی قیلولہ کرنا ضروری ہے۔ لیکن ہر وقت پلنگ پر لیٹے یا بیٹھے بھی نہیں رہنا چاہیے۔ اگرچہ بظاہر یہ بہت بہتر معلوم ہوتا ہے' لیکن وضع حمل کے وقت اس سے

بعض دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔

حاملہ کے لیے ہلکی پھلکی مصروفیات اور چہل قدمی ضروری ہے۔ البتہ ایسے کاموں سے بچنا چاہیے جن میں جھکنا یا بھاری وزن اٹھانا پڑے۔ اسی طرح کودنے' پھاندنے اور دوڑنے سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔ اور سیڑھیوں پر چڑھنے سے بھی گریز کرنا چاہیے۔

اگر مذکورہ بالا تدابیر و ہدایات پر عمل کیا جائے' تو توقع ہے کہ شکم میں موجود بچے کی بہتر نشوونما ہو گی اور وضع حمل کے وقت بھی زیادہ دشواری پیش نہ آئے گی۔

شکم مادر میں بچے کی نشوونما اور صحت سے متعلق جو احتیاطیں اور تدابیر ضروری ہیں' ان کا اشارہ شریعت اسلامی کے اس مسئلے سے ملتا ہے کہ اگر حاملہ کو یہ اندیشہ ہو کہ روزہ رکھنے سے پیٹ میں موجود بچے کی پرورش پر کوئی برا اثر پڑ سکتا ہے تو وہ رمضان کے فرض روزے بھی نہ رکھے بلکہ بعد میں اس روزے کی قضا کرے۔ حاملہ کے لیے رمضان کے فرض روزے تک نہ رکھنے کی اجازت دے کر شریعت نے حاملہ کے لیے سہولتیں بہم پہنچانے کی طرف مکمل راہنمائی کی ہے۔

بچے کی ولادت

ولادت پر رسومات و توہمات مسلمان چونکہ ہزاروں برس تک ہندو کے ساتھ مل جل کر رہے ہیں اس لیے ان کی تہذیب کی چھاپ ابھی تک ان پر نمایاں نظر آتی ہے جس کا مظاہرہ وہ تہواروں پر اکثر کرتے نظر آتے ہیں۔

ان مواقع میں سے ولادت کے وقت اور بعد از ولادت عجیب و غریب توہمات کا مظاہرہ کیا جاتا ہے' ایسی ایسی رسومات سرانجام دی جاتی ہیں کہ جن کا اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ یہ رسمیں اور یہ توہمات پر مبنی افعال مختلف علاقوں میں مختلف صورتوں اور شکلوں میں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً: بچے کی ولادت کے بعد اسے مختلف مصیبتوں بیماریوں اور مشکلات سے محفوظ و مامون رکھنے کے لیے دروازے پر مختلف خاص قسم کے درختوں کے پتے لٹکا دیئے جاتے ہیں۔ خاص طور پر کیکر اور شریں کے درخت کے۔

نومولود کی چارپائی کو لوہے کے زنجیر اور تالے لگا دیئے جاتے ہیں اور یہ اعتقاد قائم کیا جاتا ہے کہ ایسا کرنے کے بعد نظر بد' جن بھوت چڑیل .... وغیرہ اس تک نہ پہنچ سکیں گے۔ اسی طرح آنے جانے والوں کے سائے سے بچایا جاتا ہے۔ اور ایسی عورت کو خاص طور پر قریب نہیں آنے دیتے کہ جس کے گلے میں تعویذ ہو' اس طرح سمجھایہ جاتا ہے کہ اگر صاحب تعویذ نومولود کے پاس گیا تو جس بیماری سے بچاؤ کے لئے اس نے تعویذ پہن رکھا ہے وہ بیماری نومولود کو لاحق ہو جائے گی وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام بے اصل ہندووانہ رسومات و توہمات ہیں۔ اسلام کسی بھی ایسے ضابطے سے یکسر خالی ہے۔

اللہ تعالیٰ جب کسی کو بچے کی نعمت سے سرفراز فرمائے' تو اس پر مسرت و شادمانی کا اظہار ہونا چاہیے۔ نومولود لڑکا ہو یا لڑکی دونوں کی پیدائش پر خوشی منایئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجئے۔ اگر کوئی شخص بچے کی پیدائش پر خوش ہونے کے بجائے منہ بسورے یا برے خیالات کا اظہار کرے یا دل ہی دل میں اپنی قسمت کو کوسے تو اللہ تعالیٰ اس کے گھر سے خیرو برکت اٹھالیتا ہے۔ ایسا شخص نعمت کی ناقدری کے جرم میں معاف نہیں کیا جا سکتا۔

یاد رکھیے تمام کائنات کا تنہا مالک اللہ واحد ہے۔ زندگی کے تمام وسائل اسی کے اختیار میں ہیں۔ نفع و نقصان' تنگی و خوش حالی اور امیری و مفلسی کے فیصلے وہی کرتا ہے۔ اس کی ذات پر مکمل اعتماد کا تقاضا ہے کہ آپ ہر بچے کی پیدائش پر دل کی گہرائیوں سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں اور احساس تشکر آپ کے چہرے اور خدوخال سے ظاہر ہو۔ مفلسی و ناداری کے خوف سے اسقاط حمل جیسے رذائل سے اپنا دامن بچایئے اور رب کریم پر توکل کو شیوہ زندگی بنایئے۔ کفالت و رزق رسانی کی ذمے داری رب کریم نے خود لی ہے۔ صرف سعی و جہد اور تگ و دو کرنا آپ کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوٓا أَوْلَـٰدَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَـٰقٍ ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ ۚ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْـًٔا كَبِيرًا ﴿٣١﴾﴾ (بني اسرائيل ١٧/ ٣١)

"تم اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو ہم انہیں بھی رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی۔ بے شک ان کا قتل کرنا بھاری غلطی ہے۔"

جس طرح آپ بچے کی ولادت پر خوش ہوتے ہیں اسی طرح بچی کی ولادت پر دل سے خوشی منائیے۔ ہندو معاشرے سے میل جول کے نتیجے میں لڑکی سے متعلق جو غلط تصورات مسلم سماج میں جڑ پکڑ رہے ہیں ان کا تدارک کیجئے اور بچی کی پیدائش پر دل گرفتہ ہونے کی بجائے طمانیت قلبی کا اظہار کیجئے۔ یقین رکھیے کہ ہر ذی روح اپنے حصے کی روزی اپنے ہمراہ لے کر آتا ہے۔ اس کا عین امکان ہے کہ نومولود بچی کی آمد آپ کے گھر میں خیروبرکت کا باعث اور رزق میں کشادگی کا سبب بن جائے۔ مشاہدہ و تجربہ بتاتا ہے کہ بہت سے زبوں حال گھرانوں میں بچی کی پیدائش کے بعد خوش حالی آگئی۔ یہ سوچنا کہ بچی بڑی ہو کر سسرال چلی جائے گی اور اس پر خرچ کیا ہوا پیسہ آپ کے کسی کام نہ آئے گا' جب کہ بچہ بڑا ہو کر جو کچھ کمائے گا' وہ آپ کے کام آئے گا' سرتاسر غلط ہے۔ اس بات کی کیا ذمے داری ہے کہ لڑکا بڑا ہو کر لازماً آپ کا اطاعت گزار ہی ہو گا۔ دیکھا گیا ہے کہ بہت سے لڑکے جب اپنے پیروں پر کھڑے ہو جاتے ہیں تو ماں باپ کے لیے دردِ سر بن جاتے ہیں۔ ان کی خدمت کرنے کے بجائے طرح طرح سے ان کو ستاتے ہیں جب کہ لڑکیاں عموماً فرماں بردار ہوتی ہیں۔ دل و جان سے ماں باپ کی خدمت کرتی ہیں۔ لڑکی کی شکل میں اللہ نے ایک عظیم امانت آپ کے سپرد کی ہے اور آپ کے لیے سخت امتحان ہے کہ اس امانت میں آپ کوئی خیانت تو نہیں کرتے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے بچی کی پرورش و پرداخت پر جنت کی خوش خبری سنائی ہے۔

جب آپ کے کسی دوست یا عزیز کے گھر ولادت ہو تو اس پر بھی خوشی کا اظہار کیجئے۔ بچے کے والدین کو مبارک باد دیجئے' اس سے ارتباط و محبت میں اضافہ ہوتا ہے اور باہمی تعلقات میں خوش گواری و استحکام پیدا ہوتا ہے۔ مسلم معاشرے میں اس روایت کو عام ہونا چاہیے کہ بچے کی ولادت پر مبارک باد دی جائے۔ نیک تمناؤں کا اظہار کیا جائے اور اس کے حق میں دعائے خیر کی جائے۔ قرآن پاک متعدد مواقع پر بشارت اور خوشخبری کا تذکرہ کرتا ہے تاکہ ملت اسلامیہ اس بارے میں راہنمائی حاصل کر سکے۔

زکریا علیہ السلام کا قصہ بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ فَنَادَتْهُ الْمَلَٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَىٰ ﴾ (آل عمران۳/ ۳۹)

(آل عمران: ۳۹/۳)

"چنانچہ ان کو فرشتوں نے آواز دی جب کہ وہ محراب میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے کہ اللہ تم کو یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے۔"

ایک دوسری جگہ زکریا علیہ السلام کو ان الفاظ میں خوش خبری سنائی جاتی ہے:-

﴿يَٰزَكَرِيَّآ إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَٰمٍ ٱسْمُهُۥ يَحْيَىٰ لَمْ نَجْعَل لَّهُۥ مِن قَبْلُ سَمِيًّا ۝٧﴾ (مریم ۱۹/ ۷)

"اے زکریا ہم تجھے ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہو گا، ہم نے اس سے پہلے اس نام کا کوئی انسان پیدا نہیں کیا۔"

ابراہیم علیہ السلام اور ان کی بیوی کو اسحاق علیہ السلام کی بشارت کا تذکرہ قرآن پاک ان الفاظ میں کرتا ہے:

﴿وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ إِبْرَٰهِيمَ بِٱلْبُشْرَىٰ قَالُوا۟ سَلَٰمًا ۖ قَالَ سَلَٰمٌ ۖ فَمَا لَبِثَ أَن جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيذٍ ۝٦٩﴾ (ھود ۱۱/ ۶۹)

"ابراہیم کے پاس ہمارے فرشتے خوشخبری لیے ہوئے پہنچے۔ انہوں نے کہا: "تم پر سلام ہو"۔ ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا: "تم پر بھی سلام ہو۔" ابھی کچھ دیر بھی نہ گزری تھی کہ ابراہیم ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آئے"

ان آیات سے واضح طور پر یہ اشارہ ملتا ہے کہ ولادت کے موقع پر خوشخبری و مبارک باد دینا اللہ کا پسندیدہ عمل ہے اور یہ بھی تعلیم ملتی ہے کہ خوشخبری و مبارک باد دینے والے کے جذبات کی قدر کی جائے۔ اس کے لیے دعائے خیر کی جائے اور اگر ممکن ہو تو اس کی خاطر مدارات کی جائے۔ احادیث سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ بچے کی پیدائش پر اظہار مسرت کرنا اور مبارک باد دینا اور نومولود کے لیے برکت کی دعا کرنا مستحسن و باعث خیر و برکت ہے۔

باب دوم

ولادت کے بعد

گھٹی دینا جب بچہ پیدا ہو جائے تو اسے میٹھی چیز کی گھٹی دینا چاہیے۔ گھٹی سے بچہ منہ ہلاتا ہے' اس کے جبڑے حرکت کرتے ہیں' وہ کچھ دیر تک گھٹی کو چوستا ہے' اس طرح بچہ ماں کے پستان سے دودھ پینے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔

سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((وُلِدَ لِي غُلَامٌ فَاَتَيتُ بِهِ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَسَمَّاهُ ابرَاهِيمَ وَ حَنكَهُ بِتَمرَةٍ))

''میرے یہاں بچہ پیدا ہوا' میں اس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام ابراہیم رکھا اور اسے کھجور کی گھٹی دی۔''[1]

کھجور کی گھٹی دینے کا مطلب یہ ہے کہ پہلے کھجور کو منہ سے خوب چبایا جائے اور پھر اسے بچے کے منہ میں رکھ دیا جائے تاکہ بچہ آسانی کے ساتھ اسے منہ چلا کر نگل سکے۔ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بچے کو گھٹی دی جائے۔ اگر کھجور میسر ہو تو بہتر ہے ورنہ جو میٹھی چیز (میسر آ جائے بہ شرطے کہ وہ بچے کے لیے نقصان دہ نہ ہو' جس میٹھی چیز) کی گھٹی دی جائے اسے خوب چبایا جائے تاکہ نومولود آسانی سے اسے نگل سکے۔

---

[1] صحیح بخاری' کتاب العقیقۃ : باب تسمیہ- المولود غداۃ یولد لمن لم یعق عنه و تحنیکه (ح ۵۴۶۷)۔ صحیح مسلم' کتاب الآداب : باب استحباب تحنیک المولود عند ولادتہ (ح ۲۱۴۵)۔

بہتر یہ ہے کہ گھٹی نیک آدمی سے دلائی جائے۔ نیک آدمی گھٹی دے کر بچے کے لیے خیر و برکت کی دعا بھی کر دے تو زیادہ بہتر ہے۔ سیدنا ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کی ایک دوسری روایت میں گھٹی کے تذکرے کے بعد یہ اضافہ بھی ہے:

((وَ دَعَا لَهُ بِالبَرَكَةِ وَ دَفَعَهُ اِلَيَّ وَ كَانَ اَكْبَرُ وُلْدِ اَبِي مُوسٰی))

"اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کے لیے برکت کی دعا فرمائی اور مجھے واپس کر دیا۔

راوی کا بیان ہے کہ یہ ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کا سب سے پہلا بچہ تھا۔"[1]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سیدنا ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے بچے کی پیدائش کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "بچہ پیدا ہونے کے بعد مجھ سے ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ "اس بچے کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤ" اور ساتھ میں کچھ کھجوریں بھی دے دیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچہ کو اپنی گود میں لے لیا اور دریافت کیا: "کیا اس کے ساتھ کوئی چیز بھی لائے ہو؟" عرض کیا: "جی ہاں! کچھ کھجوریں ہیں۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کو چبایا اور اپنے دہن مبارک سے نکال کر بچے کے منہ میں رکھ دیا اور عبداللہ نام تجویز فرمایا۔[2]

اس حدیث سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ بچے کی پیدائش کے فوراً بعد بھی اسے گھر سے باہر نکالا جا سکتا ہے' جو لوگ چالیس روز تک بچے کو گھر سے نکالنا غلط سمجھتے ہیں' ان کے پاس کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔ اگر ایسا کرنا غلط ہوتا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایسا نہ کرتے اور اگر وہ لاعلمی کی بنیاد پر ایسا کر بیٹھتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی ضرور راہنمائی فرماتے۔ بہرحال بچے کو کسی میٹھی چیز کی گھٹی دینا مسنون بھی ہے اور مفید بھی۔

---

[1] صحیح بخاری' حوالہ سابق۔

[2] صحیح بخاری' کتاب العقیقۃ: باب تسمیۃ المولود غداۃ یولد ..... (ح ۵۴۷۰)۔ صحیح مسلم' کتاب الآداب: باب استحباب تحنیک المولود عند ولادتہ (ح ۲۱۴۴)۔

بچے کے کان میں اذان و اقامت کہنا

ولادت کے بعد بچے کو غسل دے کر دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی جائے۔ سیدنا ابو رافع کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا:

((اَذَّنَ فِي اُذُنِ الْحَسَنِ ابْنِ عَلِيٍّ حِيْنَ وَلَدَتْهُ فَاطِمَةُ))

"جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں حسن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کان میں اذان دی۔" [1]

اس حدیث میں اذان کا مسئلہ صراحت کے ساتھ موجود ہے جب کہ اقامت کا تذکرہ مندرجہ ذیل حدیث میں مذکور ہے کہ اس کے راوی سیدنا حسین بن علی ہیں:

"عَنْ حُسَيْنِ بن عَلِيٍّ عن النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم ((مَنْ وُلِدَ لَهُ وَلَداً فَاَذَّنَ فِي اُذُنِهِ الْيُمْنٰى وَ اَقَامَ فِي اُذُنِهِ الْيُسْرىٰ لَمْ تَضُرَّهُ اُمُّ الصِّبيَانِ))

"سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان کرتے ہیں کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اولاد سے نوازا، اس نے اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہی اس کو ام الصبیان نقصان نہیں دیتی۔" [2]

(ام الصبیان بچوں کی ایک بیماری کا نام ہے) بچے کی پیدائش کے بعد بچے کو صاف ستھرا کر کے اس کے کان میں اذان کہنا۔ چونکہ مسنون ہے اس لیے امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اذان کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ بچہ دنیا میں آکر سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی بڑائی کی آواز سنتا ہے، اس کے کان توحید اور رسالت سے آشنا ہوتے ہیں۔

بچے کے کان میں اذان کی حکمت یہ بھی ہے کہ اذان کے کلمات سے شیطان بھاگ

---

[1] سنن ابوداؤد، کتاب الادب: باب فی المولود یؤذن فی اذنہ (ح ۵۱۰۵)۔ سنن ترمذی، کتاب الاضاحی: باب الاذان فی اذان المولود (ح ۱۵۱۴)۔ حدیث حسن ہے دیکھئے صحیح جامع الترمذی ج ۲ ص ۹۳۔

[2] ابن السنی (ص ۲۰۰، ح ۶۱۷)۔

جاتا ہے قبل اس کے کہ شیطان بچے سے اپنا تعلق قائم کرے' پہلے ہی مرحلے میں اس پر سخت وار ہو جاتا ہے۔ بچے کی روح شیطانی دعوت سے پہلے اسلامی دعوت سے شنا سا ہو جاتی ہے۔

نام رکھنا

بچے کی ولادت کے بعد اس کا نام رکھنا ہر سماج کا عام معمول ہے۔ بچے کی ولادت کے بعد والدین اور متعلقین اس کا اچھا سا نام رکھتے ہیں' تاکہ یہ نام اس کی شناخت اور تعارف کا ذریعہ بن سکے۔ نام رکھنے کے سلسلے میں لوگ بہت سی باتوں کا اہتمام کرتے ہیں۔ بعض لوگ باپ کے نام کو لاحقہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور بعض لوگ بزرگوں کی نسبت سے نام رکھتے ہیں۔

اسلام جو ایک مکمل نظام حیات ہے اور زندگی کے ہر شعبے سے بحث کرتا ہے' وہ بھلا کب اس پہلو کو تشنہ چھوڑ سکتا تھا چنانچہ اس نے بچوں کے نام رکھنے کے سلسلے میں بھی کچھ واضح اشارات دیے ہیں' جن کی روشنی میں والدین اپنے بچے کا بہتر سے بہتر نام رکھ سکتے ہیں۔

نام کب رکھا جائے؟

بچے کا نام کب رکھا جائے؟ اس سلسلے میں اسلام کسی تاریخ یا دن کو متعین نہیں کرتا ہے' بلکہ یہ والدین اور متعلقین پر چھوڑ دیتا ہے کہ وہ کسی بھی وقت بچے کا اچھا سا نام رکھ دیں۔ البتہ یہ بات بہتر اور مستحسن ہے کہ پیدائش کے ساتویں روز بچے کا نام رکھا جائے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((کُلُّ غُلَامٍ رَهِينٌ بِعَقِيقَةٍ تُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ سَابِعَهُ وَ يُسَمّٰى فِيهِ وَ يُحلَقُ رَاسُهُ))

"ہر بچہ اپنے عقیقہ "کے ساتھ گروی ہے۔ پیدائش کے ساتویں دن اس کی طرف سے جانور ذبح کیا جائے' اس کا نام رکھا جائے اور اس کا سر مونڈا

جائے۔" [1]

احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بچے کا نام پیدائش کے دن بھی رکھا جا سکتا ہے۔ سیدنا سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

"ابو اسید رضی اللہ عنہ کے بیٹے منذر رضی اللہ عنہ کی جب ولادت ہوئی تو اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا۔ آپ نے اس کو اپنی ران پر رکھ لیا۔ ابو اسید رضی اللہ عنہ بھی اس مجلس میں موجود تھے۔ تھوڑی دیر بعد آپ اپنے سامنے کسی چیز کی طرف متوجہ ہوئے' اس دوران اس بچے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ران پر سے اٹھالیا گیا' آپ نے فرمایا: "بچہ کہاں ہے؟ ابو اسید رضی اللہ عنہ نے کہا: "اے اللہ کے رسول ہم نے اس کو واپس کر دیا ہے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس کا کیا نام رکھا ہے؟" ابو اسید رضی اللہ عنہ نے کہا: "فلاں نام رکھا ہے۔" آپ نے فرمایا: "نہیں اس کا نام منذر ہے۔" [2]

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"رات میرے یہاں بچہ پیدا ہوا' تو میں نے اس کا نام ابراہیم رکھا ہے۔" [3]

ان احادیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نام رکھنے کے سلسلے میں کسی دن یا تاریخ کی کوئی تخصیص یا تعیین نہیں ہے۔ پہلے دن بھی نام رکھا جا سکتا ہے' تیسرے دن تک بھی تاخیر کی جا سکتی ہے اور ساتویں دن تک بھی مؤخر کیا جا سکتا ہے اور اس کے بعد بھی رکھنا جائز ہے۔ اس سلسلے میں والدین یا سرپرستوں کو پورا اختیار دیا گیا ہے۔

---

[1] سنن ابوداؤد' کتاب الضحایا: باب فی العقیقۃ (ح ۲۸۳۷)۔ سنن ترمذی' کتاب الاضاحی: باب (۲۱) من العقیقۃ (ح ۱۵۲۲)۔ سنن نسائی' کتاب العقیقۃ: باب متی یعق؟' (ح ۴۲۲۵)۔ سنن ابن ماجہ' کتاب الذبائح: باب العقیقۃ' (ح ۳۱۶۵)۔

[2] صحیح بخاری' کتاب الادب: باب تحویل الاسم الی اسم احسن منہ' (ح ۶۱۹۱)۔ صحیح مسلم' کتاب الآداب: باب استحباب تحنیک المولود عند ولادتہ' (ح ۲۱۴۹)۔

[3] صحیح مسلم' کتاب الفضائل: باب رحمتہ صلی اللہ علیہ وسلم الصبیان والعیال' (ح ۲۳۱۵)۔

پسندیدہ و ناپسندیدہ نام

بچے کا نام بہت اچھا' خوب صورت اور پیارا ہونا چاہیے- اس لیے کہ بچے کی شخصیت و کردار پر اس کے نام کا بھی اثر پڑتا ہے- بچے کے لیے ایسے نام کا انتخاب کرنا چاہیے جو لفظ و معنی دونوں اعتبار سے بہتر اور مناسب ہو-

اپنے بچے کے لیے ایسا نام تجویز کرنے کی کوشش کیجئے جو آخرت میں آپ کے لیے باعث فخر اور بچے کے لیے باعث عزت ہو- ایسا نام رکھنے سے پرہیز کیجئے جس سے ابتذال اور غیر سنجیدگی ٹپکتی ہو یا ہنسی مذاق کا ذریعہ بن سکتا ہو- یا اس سے بد خلقی کی بو آتی ہو یا شرف و عظمت کے خلاف ہو- (یا یہود و نصاریٰ کے ناموں سے مشابہہ ہو یا ایسا نام ہو جو بے معنی ہو جیسے مغرب زدہ لوگ رکھتے ہیں مثلاً ٹنکو' مون' چاند' بوبی' روبی وغیرہ)

سید نا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ کی ایک لڑکی کا نام عاصیہ (نافرمان) تھا- جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام "جمیلہ" رکھ دیا-[1]

اگر آپ کوئی ایسا نام رکھ چکے ہیں جس کے معنی آپ کو یاد نہیں تھے بعد میں معلوم ہوا کہ معنوی لحاظ سے نام مناسب نہیں ہے تو اس نام کو بدل دیجئے بلکہ کسی شخص کا نام اگر نا مناسب ہو اور آپ اس کو بدل سکتے ہوں تو بدل دیجئے اور کوئی اچھا سا نام رکھ دیجئے- سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بیان فرماتی ہیں:

((كَانَ يُغَيِّرُ الِاسمَ القَبِيحَ))

"آپ برا نام بدل دیا کرتے تھے-"[2]

ایک شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لیے حاضر ہوا- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: "تمہارا کیا نام ہے؟" اس نے کہا: "شیطان بن قرط" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] صحیح مسلم' کتاب الآداب: باب استحباب تغییر الاسم القبیح الی حسن' (ح ۲۱۳۹)-

[2] صحیح ترمذی' کتاب الادب: باب ماجاء فی تغییر الاسماء' (ح ۲۸۳۹)-

"آج سے تمہارا نام عبداللہ بن قرط ہے۔"[1]

ایسے نام رکھنے سے پرہیز کرنا چاہیے جن سے حماقت و جہالت' بدبختی و بد نصیبی یا مصیبت و تکلیف کا مفہوم نکلتا ہو انسان کے نام کا اثر اس کی زندگی اور شخصیت پر بہت گہرا پڑتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک صاحب آئے' آپ ﷺ نے ان کا نام پوچھا تو انہوں نے کہا "میرا نام "غافل" ہے" آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے ان کا نام بدل کر "عاقل" رکھ دیا۔[2]

ایک شخص آپ کی خدمت میں میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے اس سے اس کے نام کے بارے میں دریافت کیا' آپ کو بتایا گیا کہ اس کا نام اسود (کالا کلوٹا) ہے۔ آپ ﷺ نے اس کا نام بدل کر "ابیض" (گورا چٹا) رکھ دیا۔[3]

سیدنا عمرؓ کے چچا زاد بھائی کا نام عاصی (نافرمان) تھا رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "میں نے ان کا نام بدل کر مطیع (فرماں بردار) رکھ دیا ہے۔" چنانچہ ان صحابی رضی اللہ عنہ کا نام تمام تذکروں میں "مطیع" ملتا ہے۔[4]

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ "اس اونٹنی کو کون دوہے گا؟" ایک شخص نے جواب دیا کہ: "یا رسول اللہ! ﷺ میں حاضر ہوں۔" آپ نے پوچھا "تمہارا کیا نام ہے؟" اس نے کہا "میرا نام مرہ (کڑوا) ہے۔" آپؐ نے فرمایا: "تم بیٹھ جاؤ" اور پھر اعلان کیا کہ "اس اونٹنی کا دودھ کون نکالے گا؟" ایک شخص نے کہا کہ: "میں حاضر ہوں۔" آپ ﷺ نے اس کا نام دریافت فرمایا۔ اس نے جواب دیا: "میرا نام حرب (لڑائی) ہے"

---

[1] الاستیعاب (۲/۳۷۳)' احمد (۴/۳۵۰)

[2] طبقات ابن سعد (۳/۳۸۸)

[3] الاصابۃ (۱/۱۸) طبرانی۔

[4] طبقات ابن سعد (۵/۴۵۰)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ : "بیٹھ جاؤ" پھر تیسری بار آواز دی کہ : "اونٹنی کون دوہے گا؟" ایک شخص نے جواب دیا کہ : "میں حاضر ہوں۔" آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ : "تمہارا کیا نام ہے؟" اس نے اپنا نام یعیش (زندہ) بتایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا : "اچھا تم دودھ نکالو۔" [1]

سیدنا سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے دادا نے بیان کیا کہ میں خدمت رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا : "تمہارا کیا نام ہے؟" میں نے کہا : "میرا نام حزن (سخت زمین) ہے۔" آپ ﷺ نے فرمایا : "تم سہل (نرم و ہموار زمین) ہو" یعنی اپنا نام سہل رکھ لو۔ انہوں نے کہا : "میرے والد نے میرا جو نام رکھا ہے میں اس کو نہیں بدلوں گا۔" سیدنا سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس وقت سے ہمارے گھرانے میں سختی و تندی پائی جاتی ہے۔ [2]

اس سلسلے میں ایک بڑی عبرت ناک روایت امام مالک نے اپنی مشہور کتاب "موطا" میں یحییٰ بن سعید کی سند سے نقل کی ہے کہ سیدنا عمرؓ نے ایک آدمی سے پوچھا: "تمہارا کیا نام ہے؟"

اس نے بتایا: "جمرہ (انگارہ)"

آپ نے پوچھا: تم کس کے لڑکے ہو ؟"

اس نے بتایا: میں شہاب (آگ کی چمک) کا لڑکا ہوں۔"

---

[1] موطا امام مالک (۲/ ۹۷۳)، کتاب الاستئذان : باب مایکرہ من الاسماء، (ح ۲۴)۔ امام سیوطی نے فرمایا یہ طیرہ کا باب نہ ہے کیونکہ یہ محال ہے کہ آپؐ کسی بات سے منع فرمادیں پھر اس کو کریں بھی۔ یہ تو آپؐ نے اچھی فال کے طلب کے لیے کہا تھا کہ جب آپؐ نے ان کو برے نام بتائے تو تاکید کر دی کہ کوئی یہ والے نام نہ رکھے از ابن عبدالبر۔ کذافی تنویر الحوالک شرح مؤطا امام مالک (ج ۲ ص ۲۴۵) کتاب الجامع۔ باب ما نکیرہ من الاسماء۔

[2] صحیح بخاری، کتاب الادب : باب اسم الحزن، (ح ۶۱۹۰)۔

آپ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: "کس گھرانے سے تمہارا تعلق ہے؟"
اس نے بتایا: حرقہ (سوزش جلن) خاندان سے۔"
آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "تمہارا گھر کہاں ہے؟"
اس نے بتایا: "حرالنار (آگ کی تپش) میں۔"
آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "کس کے ساتھ؟"
اس نے بتایا: " ذات لظی (شعلہ والی) کے ساتھ"
یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
"اپنے گھر والوں کو جا کر دیکھو وہ جل کر ہلاک ہو چکے ہیں۔" وہ گھر لوٹا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قول کو سچ پایا' اس کا پورا گھر جل کر تباہ ہو چکا تھا۔[1]

اللہ کے ذاتی و صفاتی ناموں میں سے کوئی نام بھی منتخب نہیں کرنا چاہیے۔ مثلاً اللہ' خالق' حاکم' احد' صمد وغیرہ۔ اس لیے کہ یہ نام اللہ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اسی طرح سے عبدالخالق' عبدالغفور جیسے ناموں کو صرف خالق اور غفور کہہ کر نہیں پکارنا چاہیے۔ ہندو پاک میں یہ عام رواج ہے کہ نام کے شروع سے "عبد" ہٹا کر پکارتے ہیں۔ یہ معنوی لحاظ سے غلط ہے۔

ایک بار سیدنا ہانی رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لیے مدینے حاضر ہوئے۔ لوگ انہیں "ابوالحکم" کی کنیت سے پکارتے تھے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ہانی کو بلایا اور فرمایا: "اللہ حکم ہے' فیصلہ و حکمرانی کا حق اسی کو ہے'

---

[1] موطا امام مالک (۲/ ۹۷۳)' کتاب الاستیئذان: باب مایکرہ من الاسماء ' (ح ۲۵)۔ امام سیوطی نے فرمایا اس کے گھر والوں کا یہ حال پہلے ہو چکا تھا اس کے اہل خانہ ابھی نہ جلے تھے۔ ہاں ایسی بات اللہ فال بتانے والے کے دل میں ڈالتا ہے۔ پھر اللہ اس کی زبان سے جاری کرواتا ہے حتیٰ کہ وہ اللہ کی تقدیر نے جو کیا ہوتا ہے اس کے موافق ہو جاتا ہے۔ اھ از علامہ الباجی۔ کذا فی تنویر الحوالک شرح مؤطا امام مالک (ج ۲ ص ۲۴۵) کتاب الجامع باب مایکرہ من الاسماء۔

پھر تمہاری کنیت ابوالحکم کیوں ہے؟" انہوں نے کہا: "جب میرے قبیلے کے لوگوں کے درمیان اختلاف ہوتا ہے تو وہ میرے پاس آتے ہیں' میں ان کے درمیان فیصلہ کرتا ہوں اور دونوں فریق میرے فیصلے پر راضی ہو جاتے ہیں۔" یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "بہت اچھی بات ہے" پھر آپ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا: "کیا تمہارا کوئی لڑکا نہیں ہے"؟ انہوں نے کہا: "شریح' مسلم اور عبداللہ میرے لڑکے ہیں۔" آپ ﷺ نے فرمایا "ان میں کون سب سے بڑا ہے؟" انہوں نے کہا "شریح" سب سے بڑا ہے" آپ ﷺ نے فرمایا: "تو تمہاری کنیت ابو شریح ہے۔"[1]

ایسے نام رکھنے سے بھی پرہیز کرنا چاہیے کہ پکارتے وقت یا "نا" میں جواب دیتے وقت' جن کا مفہوم بدل جائے مثلاً: افلح (کامران)' فرض کیجئے آپ نے کسی کا نام افلح رکھا۔ وقت ضرورت آپ نے اس کو آواز دی "کیا افلح یہاں ہے؟" وہ موجود نہیں اس لیے جواب دیا گیا: "لا افلح (کامران نہیں)۔" جواب میں افلح کے ساتھ حرف نفی لگنے سے ایک بد دعائیہ جملہ ہو گیا ہے۔ اس لیے ایسے ناموں سے پرہیز کرنا چاہیے جن کے ساتھ لفظ "نہیں" یا لفظ "نا" لگنے سے بدشگونی ظاہر ہوتی ہو۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم اپنے بچے کا نام یسار (آسان)' رباح (فائدہ) نجیح (کامران)' اور افلح (کامران) نہ رکھو کیونکہ تم پکارو گے: "کیا وہ یہاں ہے؟" وہ اگر نہیں ہو گا تو کہا جائے گا: "نہیں ہے"[2]

ایسے نام رکھنے سے بھی پرہیز کرنا چاہیے جن سے غیر اللہ کی عبدیت ظاہر ہوتی ہو جیسے عبدالرسول' عبدالنبی' عبدالکعبہ وغیرہ۔ اس طرح کے نام رکھنا حرام اور ممنوع ہیں۔ اگر کسی شخص کا نام اس طرح کا ہو تو آپ اس کا نام بدلنے کی کوشش کیجئے اگر آباء واجداد یا خاندان کا نام اس نوعیت کا ہے تو وقت ضرورت تعارف کی خاطر یہ نام لیا جا سکتا ہے۔

---

[1] سنن ابوداؤد' کتاب الادب: باب فی تغییر الاسم القبیح (ح ۴۹۵۵) سنن نسائی' کتاب آداب القضاۃ : باب اذا حکموا رجلا فقضی بینھم (ح ۵۳۸۹)

[2] صحیح مسلم' کتاب الآداب: باب کراھۃ التسمیۃ بالاسماء القبیحۃ (ح ۲۱۳۷)

اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم رضی اللہ عنہم کے سامنے اپنے ان قبیلوں کا تذکرہ بھی کرتے تھے جن کے نام سے غیر اللہ کی عبدیت ظاہر ہوتی تھی۔ جیسے بنی عبدمناف، بنی عبدشمس، بنی عبدالدار، خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاندان و نسب کی خبر دیتے ہوئے فرمایا:

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ　　　اَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِب

"میں نبی ہوں، اس میں کوئی جھوٹ نہیں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔"[1]

ایسے نام رکھنے سے بھی پرہیز کرنا چاہیے جو کسی دوسری قوم، تہذیب یا مذہب کے آئینہ دار ہوں۔ مثلاً پیارے لال، کرشن نور، دلیپ کمار، سوسن، نکسن، اوتھانٹ وغیرہ۔ اس طرح کے نام اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ آپ کا میلان اور رجحان دوسری قوم اور تہذیب کی طرف ہے۔ آپ کو ملت اسلامیہ کا فرد ہونے پر فخر ہونا چاہیے۔ آپ کا اور آپ کے بچوں کا نام اسلامی تشخص و امتیاز کا آئینہ دار ہونا چاہیے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے گھروں میں اس کے بالکل الٹ اور برعکس روش اپنائی جاتی ہے۔ اکثر طور پر ہمارے ہاں بچوں کے نام مہمل بے معنی اور انگریزی کلچر سے متاثر ہو کر رکھے جاتے ہیں۔ بہت سے نام فلموں، کھلاڑیوں اور ایکٹروں کو قومی ہیرو بنا کر ان کے نام پر رکھے جاتے ہیں۔ ہم ان پر خوش بھی ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ معاشرے میں منفرد نام ہیں۔ اس موقع پر اس حقیقت کو فراموش نہ کریں کہ بچے کے نام کا اثر اس کے مستقبل پر پڑتا ہے اور بچے کا نام اس کی شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے اور اس کی ذات پر ضرور اثر انداز ہوتا ہے۔ جو لوگ نام تو اچھا رکھتے ہیں لیکن دانستہ یا نادانستہ ایک اور ستم ظریفی اور ظلم کا شکار ہو جاتے ہیں وہ یہ کہ وہ نام تو اچھا رکھتے ہیں لیکن اس کو روز مرہ کی ندا میں پکارتے وقت اس طرح بگاڑتے ہیں کہ نام صرف مہمل ہی نہیں ہوتا بلکہ بعض موقعوں پر تو اللہ

---

[1] صحیح بخاری کتاب المغازی، باب قول اللہ تعالیٰ ﴿ و یوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم ﴾ (ح ۴۳۱۵)۔ صحیح مسلم، کتاب الجہاد: باب غزوۃ حنین (ح ۱۷۷۶)

تعالیٰ کی صفات پر بھی زد پڑتی ہے جیسے نام تو عبدالرحمٰن رکھا جاتا ہے لیکن اس کو پکارتے وقت "مانی" بنا دیا جاتا ہے۔ اسی انداز میں عبداللہ کو "دلا" وغیرہ بنا دیا جاتا ہے اور پھر اسی طرح احمد سے "احمی" اور محمد سے "ممی" وغیرہ۔ اللہ کی پناہ اس سے ایک مسلمان کو یہ بات اور طرز عمل ہرگز زیب نہیں دیتا کہ جس کا وہ مرتکب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ایسے جرم سے باز رہنے کی تلقین کرتے ہوئے قرآن حکیم میں ارشاد کرتے ہیں:-

﴿ وَلَا تَنَابَزُوا۟ بِٱلْأَلْقَـٰبِ ۖ بِئْسَ ٱلِٱسْمُ ٱلْفُسُوقُ بَعْدَ ٱلْإِيمَـٰنِ ۚ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّـٰلِمُونَ ﴿١١﴾ ﴾ (الحجرات ۴۹/ ۱۱)

"آپس میں ایک دوسرے کو برے ناموں سے مت پکارو۔ مسلمان ہونے کے بعد فاسق کہلانا برا نام ہے جو ایسی حرکت سے باز نہ آئیں وہی لوگ ظالم ہیں۔"

قرآن حکیم کے اس ارشاد کی روشنی میں ایسی غلط روش سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔ مگر افسوس صد افسوس کہ ایسی غلطی کا آغاز سب سے پہلے اپنے ہی گھر سے ہوتا ہے۔ والدین لاڈ پیار اور محبت کا مظاہرہ کرتے ہوئے نام کو مختصراً تبدیل کر دیتے ہیں اور پھر یہ متبادل نام گلی محلے اور پھر شہر بھر میں دوسرے لوگوں میں اسی طرح مشہور ہو جاتا ہے۔[1]

ایسے نام رکھنے کی کوشش کرنا چاہیے جو آسانی سے زبان زد ہو سکتے ہوں، مفہوم و معانی کے لحاظ سے بہتر ہوں اور وزن و ساخت کے اعتبار سے عمدہ۔ ایسے ناموں کو ترجیح دینا چاہیے جو رسول اللہ ﷺ نے رکھے ہیں یا جن پر آپ ﷺ نے پسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے۔ مثلاً: انبیائے کرام کے نام یا وہ نام جو اللہ کی عبدیت کے مظہر ہوں جیسے عبداللہ، عبدالرحمٰن وامت اللہ امتہ الرحمٰن وغیرہ۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((تَسَمُّوا بِاَسمَاءِ الاَنبِیَاءِ وَاَحَبُّ الاَسمَاءِ اِلَی اللّٰہِ عَبدُاللّٰہِ وَ عَبدُالرَّحمٰنِ وَ

---

[1] احسن الاقوال

اَصدَقُهَا حَارِثٌ وَ هَمَّامٌ وَاَقبَحُهَا حَربٌ وَ مُرَّةٌ))

"تم انبیاء کے ناموں پر نام رکھو۔ سب سے زیادہ پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔ سب سے سچے نام حارث (کاشتکار) اور ہمام (سردار) ہیں اور سب سے برے نام حرب (لڑائی) اور مرہ (سختی) ہیں۔" [1]

چونکہ بچے کا نام آپ کے دینی جذبات نیک خواہشات اور پاکیزہ آرزوؤں کا آئینہ دار ہونا چاہیے۔ اس لئے آپ کو بچے کا نام احادیث صحیحہ سے ثابت صحابہؓ یا صحابیاتؓ کے نام یا اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کرنے والے مجاہدین اسلام کے ناموں پر رکھنا چاہیے کہ جن کے ناموں کے ساتھ مسلمانوں کی عظمت وابستہ ہو۔

عقیقہ کرنا

بچے کی پیدائش کے ساتویں دن عقیقہ کرنا سنت ہے' لیکن فرض یا واجب نہیں ہے۔ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ادائیگی کی نیت سے اسے انجام دینا چاہیے۔ نمود و نمائش فخر و برتری رسم و رواج وغیرہ کی آمیزش و پابندی سے اس مسنون سنت کو مجروح کرنے سے بچنا چاہیے۔ عقیقہ کرنے سے بچے کی بہت سی مصیبتیں دور ہو جاتی ہیں۔ اللہ کا تقرب حاصل ہوتا ہے۔ خوشی کا اظہار ہوتا ہے۔ عقیقے کا گوشت غریبوں میں تقسیم کرنے سے غریبوں کی دعائیں بچے کو ملتی ہیں جن کے قبول ہونے کا قوی امکان رہتا ہے۔ رشتے داروں اور پڑوسیوں کو بھی گوشت دیا جاتا ہے یا کھلایا جاتا ہے' اس سے سماجی روابط مضبوط ہوتے ہیں۔ اخوت اور بھائی چارے کی فضا استوار ہوتی ہے اور نومولود کے لیے لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے۔ بڑے ہونے پر بچے کو جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی پیدائش پر عقیقے کی سنت ادا کی گئی تھی' تو اس کے اندر سنت پر عمل کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اپنے گھرانے کی دین داری پر اعتماد ہوتا ہے اور اس کے ذہن میں دین داری کی جڑیں مضبوط ہوتی ہیں۔

---

[1] سنن ابوداوٗد' کتاب الادب : باب فی تغییر الاسماء (ح ۴۹۵۰) یہ حدیث صحیح ہے۔ نسائی' کتاب کتاب الخیل : باب ما یستحب من شیۃ الخیل' (ح ۳۵۹۵)۔

عقیقے کی مشروعیت احادث صحیحہ سے ثابت ہے- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَعَ الغُلَامِ عَقِیقَةٌ فَاهرِ قُواعَنهُ دَمًا وَاَمِیطُوا عَنهُ الاَذیٰ))

"لڑکے کا عقیقہ کرو- اس کی طرف سے خون بہاؤ اور اس سے تکلیف دور کرو (سر کے بال صاف کرو)-"[1]

ایک دوسرے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلغُلَامُ مُرتَهَنٌ بِعَقِیقَتِهٖ)) .... "بچہ اپنے عقیقے کے ساتھ رہن (گروی رکھا ہوا) ہے-"[2]

اس حدیث کی وضاحت امام احمد بن حنبلؒ نے یوں فرمائی ہے:

"اس کا تعلق شفاعت سے ہے یعنی اگر نومولود بچپن ہی میں مر گیا اور اس کا عقیقہ نہ کیا گیا ہو تو وہ اپنے والدین کے لیے شفاعت نہیں کرے گا-"[3]

شارحین حدیث نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ "مرھون" سے مراد یہ ہے کہ بچہ کو (قیامت کے دن) شفاعت سے روکا جائے گا- یعنی وہ اپنے والدین کی قیامت کے دن شفاعت نہیں کر سکے گا- عقیقہ حق تو والدین کا ہے اگر وہ کسی مجبوری کی بنا پر اس حق کو نہ ادا کر سکے ہوں تو اولاد کو چاہیے کہ ان کے ساتھ احسان کرتے ہوئے اس ذمہ داری کو خود پورا کریں- (اگر بچہ ساتویں دن سے پہلے ہی فوت ہو جائے تو اس کا عقیقہ نہیں ہو گا اس لیے کہ شریعت نے عقیقے کے لیے وقت کا تعین کر دیا ہے- اس وقت سے پہلے اس پر یہ ذمہ

---

[1] صحیح بخاری، کتاب العقیقۃ: باب اماطۃ الاذی عن الصبی فی العقیقۃ، (ح ۵۴۷۲)-

[2] سنن ترمذی، کتاب الاضاحی: باب (۲۱) من العقیقۃ، (ح ۱۵۲۲)- حدیث صحیح ہے- دیکھئے صحیح جامع الترمذی (ج ۲ ص ۹۴ ح ۱۵۷۵)-

[3] فتح الباری (۹/ ۵۹۴)

داری عائد نہیں ہوتی جس طرح نماز روزہ حج اپنے اوقات کے ساتھ مقید ہیں۔
مثلاً : اگر کوئی شخص نماز ظہر سے قبل ہی فوت ہو جائے تو اسکی نماز ساکت ہو جائے گی۔ اسی طرح عقیقہ بھی قبل از وقت نہیں ہو گا۔

تو اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ جس بچے کا عقیقہ نہ کیا گیا ہو وہ قیامت کے دن اپنے والدین کی شفاعت نہیں کر سکے گا۔

عقیقے کے سلسلے میں متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں' جن سے عقیقے کی فضیلت و اہمیت پر روشنی پڑتی ہے۔ صاحب مقدرت (و استطاعت) مسلمان کو چاہیے کہ وہ نومولود کی طرف سے عقیقہ کر کے اجر وثواب حاصل کرے اور قربانی کی شکل میں بچے کا فدیہ پیش کر کے اس کے لیے مصیبتوں سے تحفظ کا سامان فراہم کرے۔

لڑکے کی طرف سے دو بھیڑ یا دو بکریاں ذبح کی جائیں اور لڑکی کی طرف سے ایک بھیڑ یا ایک بکری ذبح کی جائے۔ بکرے اور بکریاں دونوں کا ایک ہی حکم ہے یعنی نر ہوں یا مادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ وَعَنِ الْاُنْثٰی وَاحِدَةٌ وَلَا يَضُرُّكُمْ ذُكْرَانًا كُنَّ اَوْ اِنَاثًا))

”لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری' چاہے وہ نر ہوں یا مادہ اس سے کوئی حرج نہیں پڑتا۔“ [1]

عقیقے میں اونٹ' گائے یا بھینس وغیرہ بھی ذبح کی جا سکتی ہے۔ مگر بہتر یہی ہے کہ بھیڑ یا بکری ذبح کی جائے اس لیے کہ احادیث میں اسی کا تذکرہ ملتا ہے۔

عقیقہ ساتویں دن کرنا افضل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((كُلُّ غُلَامٍ رَهِينَةٌ بِعَقِيقَتِهِ تُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ السَّابِعِ وَيُحْلَقُ رَاْسُهُ وَيُسَمّٰی))

---

[1] احمد (٦/ ٣٨١) سنن ابوداود' کتاب الضحایا : باب فی العقیقۃ' (ح ٢٨٣٥)۔ سنن ترمذی' کتاب الاضاحی : باب الاذان فی اذن المولود (ح ١٥١٦)۔ سنن نسائی' کتاب العقیقۃ : باب کم یعق عن الجاریۃ' (ح ٤٢٢٢)۔ سنن ابن ماجہ' کتاب الذبائح : باب العقیقۃ (ح ٣١٦٢)۔

"ہر بچہ اپنے عقیقے سے بندھا ہوا ہے۔ ساتویں دن اس کی طرف سے قربانی کی جائے۔ اس کا سر مونڈا جائے اور اس کا نام رکھا جائے۔"[1]

اگر ساتویں دن عقیقہ نہ کیا جا سکے تو چودھویں یا اکیسویں دن عقیقہ کیا جائے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا فتویٰ ان الفاظ میں موجود ہے:

((وَلیَکُنْ ذَاكَ یَومَ السَابِعِ فَاِنْ لَم یَکُن فَفِی اَربَعَةَ عَشَرَ فَاِنْ لَم یَکُن فَفِی اِحْدَی وَ عِشْرِیْنَ))

"عقیقہ ساتویں دن ہونا چاہیے اگر میسر نہ ہو تو چودھویں دن اور پھر بھی میسر نہ ہو تو اکیسویں دن۔"[2]

بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ اگر چودھویں یا اکیسویں روز بھی عقیقہ نہ کیا جا سکتا ہو تو کسی ایسے دن کر دیا جائے جو بچے کی پیدائش کا ساتواں دن ہو' مثلاً: اٹھائیسویں دن یا پینتیسویں دن' اور اس کی آسان ترکیب یہ ہے کہ بچہ جس روز پیدا ہوا ہے' اس سے پہلے والے دن عقیقہ کیا جائے۔ مثلاً: بچہ منگل کو پیدا ہوا ہے تو پیر (سوموار) کو عقیقہ کیا جائے۔ جس پیر کو بھی عقیقہ کیا جائے' وہ پیدائش کا ساتواں دن پڑے گا۔

عقیقے سے متعلق دوسرے احکام کو قربانی کے احکام پر قیاس کیا جائے گا مثلاً: جس جانور کی قربانی جائز نہیں' اس کا عقیقہ بھی جائز نہیں اور جس جانور کی قربانی جائز ہے اس کا عقیقہ بھی جائز ہے۔

عقیقے کا گوشت کچا بھی تقسیم کیا جا سکتا ہے اور پکا کر بھی اور یہ بھی جائز ہے کہ دعوت کر کے کھلا دیا جائے۔ عقیقے کا گوشت قربانی کی طرح گھر والوں کے لیے بھی کھانا جائز

---

[1] سنن ابوداود' کتاب الضحایا: باب فی العقیقۃ' (ح ۲۸۳۷)۔ سنن ترمذی' کتاب الاضاحی: باب (۲۱) من العقیقۃ' (ح ۱۵۲۲) حدیث صحیح ہے۔ سنن نسائی' کتاب العقیقۃ: باب متی یعق؟' (ح ۴۲۲۵)۔ ابن ماجہ' کتاب الذبائح: باب العقیقۃ' (ح ۳۱۶۵)۔

[2] مستدرک حاکم (۲۳۸/۴۔ ۲۳۹)

ہے۔ بہتر یہ ہے کہ گوشت کے تین حصے کیے جائیں ایک حصہ گھر کے لیے اور ایک حصہ رشتہ داروں اور دوستوں کے لیے اور ایک حصہ غریبوں اور مسکینوں کے لیے۔

اگر کسی وجہ سے کسی کا عقیقہ بچپن میں نہ ہوا ہو تو وہ بالغ ہونے کے بعد اپنا عقیقہ کر سکتا ہے سیدنا انس بن مالک کی روایت ہے کہ پیارے نبی ﷺ نے اپنا عقیقہ خود کیا۔[1]

ایک روایت میں اس بات کی وضاحت ہے کہ آپ ﷺ نے نبوت ملنے کے بعد اپنا عقیقہ کیا۔[2]

کچھ لوگ اس بات کو ضروری سمجھتے ہیں کہ جب نائی بال مونڈنے کے لیے استرہ سر پر رکھے تو اسی وقت عقیقے کے جانور کو ذبح کیا جائے' اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔ بال پہلے مونڈ دیے جائیں یا جانور کو پہلے ذبح کر دیا جائے۔ یا دونوں کام ایک ساتھ انجام پا جائیں' سب جائز اور درست ہے۔

بعض جگہ برادری اور رشتہ داری کے لوگ جمع ہوتے ہیں بلکہ باقاعدہ دعوت دے کر انہیں بلایا جاتا ہے اور سر مونڈنے کے بعد پیالی وغیرہ میں ہر ایک کچھ نہ کچھ نقدی ڈالتا ہے اور یہ نائی کا حق سمجھا جاتا ہے۔ یہ ایک بری رسم ہے جس کا جواز شریعت میں موجود نہیں ہے۔

بعض لوگ شگون بد کی وجہ سے عقیقے کی ہڈیوں کو توڑنا برا سمجھتے ہیں' یہ مشرکانہ شگون ہے۔ اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔ البتہ اگر گوشت کے پورے پورے اعضا ہدیہ دینا ہوں تاکہ مساکین کو زیادہ گوشت ملے تو ایسا کرنا بہتر ہے۔

عقیقے کا جانور ذبح کرتے وقت بچے کا نام لیا جائے' حدیث میں عقیقے کی دعا ان الفاظ میں وارد ہوئی ہے:

((بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ لَكَ وَاِلَيْكَ هٰذِهِ عَقِيْقَةُ فُلَانٍ))

"اللہ کے نام سے! اے اللہ یہ تیرا مال ہے اور تیرے حضور پیش ہے۔ یہ فلاں

---

[1] فتح الباری (۹/ ۵۹۴)   [2] مصنف عبدالرزاق (ح ۷۹۲۰)

(بچہ کا نام لیا جائے) کا عقیقہ ہے۔" [1]

سر مونڈنا بچہ جب چند دن کا ہو جائے تو اس کے سر کے بال مونڈ دیے جائیں۔ بہتر ہے کہ مونڈن ساتویں دن ہو۔ بالوں کا مونڈنا نہ معیوب ہے اور نہ بدعت بلکہ یہ مسنون ہے اور بچے کی صحت کے لیے مفید ہے۔ بال مونڈنے سے بچے کے سر کے مسامات کھل جاتے ہیں۔ بچے کو ایک نئی طاقت اور تازگی محسوس ہوتی ہے۔ اس سے بینائی' سماعت اور سونگھنے کے حواس پر اچھا اثر پڑتا ہے۔ یہ بال پیدائش کے وقت خون وغیرہ میں لتھڑ جاتے ہیں اور گندگی ان کی جڑوں میں بیٹھ جاتی ہے۔ بال مونڈنے سے وہ گندگی بھی دور ہو جاتی ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((وَاَمِيطُوا عَنْهُ الاذَى)) "بچے سے تکلیف وہ چیز دور کر دو۔" [2]

اکثر علماء کی رائے ہے کہ "اذی" سے مراد پیدائشی بال ہیں۔

بہرحال بالوں کا مونڈنا نہ صرف صحت و تندرستی کے لحاظ سے بہتر ہے بلکہ اسلام نے بھی اس کو مسنون قرار دیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((كُلُّ غُلَامٍ رَهِينَةٌ بِعَقِيقَةٍ تُذبَحُ عَنْهُ يَومَ السَابِعِ وَ يُحلَقُ رُاسُهُ وَ يُسَمَّى))

"ہر بچہ اپنے عقیقے سے بندھا ہوا ہے۔ ساتویں دن اس کی جانب سے قربانی کی جائے' اس کا سر مونڈا جائے اور اس کا نام رکھا جائے۔" [3]

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا عقیقہ کیا تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا اے فاطمہ! ان کا سر مونڈ دو اور بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کر دو۔ چنانچہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بالوں کو تولا تو ان کا وزن لگ بھگ ایک درہم تھا۔ [4]

---

[1] فتح الباری (۹/ ۵۹۴)' بیہقی (۹/ ۳۰۴)

[2] صحیح بخاری' کتاب العقیقۃ: باب اماطۃ الاذی عن الصبی فی العقیقۃ' (ح ۵۴۷۲)۔

[3] سنن ابوداؤد' کتاب الضحایا: باب فی العقیقۃ' (ح ۲۸۳۷)۔ حدیث صحیح ہے۔

[4] سنن ترمذی' کتاب الاضاحی: باب (۱۹) العقیقۃ بشاۃ' (ح ۱۵۱۹)۔ یہ حدیث حسن درجہ کی ہے دیکھئے صحیح جامع الترمذی ج۲ ص ۹۳' (ح ۱۵۷۲)

ایک روایت کے مطابق سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ ' سیدنا حسین رضی اللہ عنہ ' سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے بالوں کے وزن کے بقدر چاندی صدقہ کی۔[1]

بالوں کے وزن کی بقدر چاندی صدقہ کرنے سے ایک تو نومولود کے لیے خیرو برکت ہوتی ہے دوسرے یہ کہ غریبوں اور مسکینوں کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں۔ گھر کے افراد میں غریبوں کے لیے خرچ کرنے کا مزاج بنتا ہے۔ دراصل اسلام معاشرے کے معاشی نظام کو کسی مرحلے پر بھی نظرانداز نہیں کرتا۔ وہ غریبوں اور پس ماندہ لوگوں کا ہر وقت خیال رکھتا ہے اور ہر خوشی کے موقع پر انہیں شریک مسرت رکھنا چاہتا ہے۔

بالوں کے سلسلے میں بعض جگہ یہ رواج پایا جاتا ہے کہ سر کے کچھ بال مونڈ دیے جاتے ہیں اور کچھ بال چھوڑ دیے جاتے ہیں' یہ شرعاً جائز نہیں ہے۔ انسان کا ذوق سلیم بھی اس کی اجازت نہیں دیتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل کی ممانعت فرمائی ہے۔[2]

ختنہ کرانا

ختنہ کرنا نہ صرف اسلامی شعار ہے بلکہ صحت و تندرستی کے لیے بھی ضروری ہے۔ اگر ختنہ نہ کرایا جائے تو کھال کے نیچے میل جمع ہو کر بدبو اور گندگی پیدا کرتا ہے۔ اس سے بچے کے بیمار پڑ جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ طب جدید کی یہ تحقیق ہے کہ بے ختنہ آدمی کے پیشاب کی جگہ پر سرطان کا مرض ہو جاتا ہے۔ اس نئی تحقیق کے بعد مغرب کے ان لوگوں نے بھی ختنہ کرنا شروع کر دیا ہے جو پہلے ختنے کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔

ختنہ کرنا سنت ہے۔ بعض ائمہ کے نزدیک سنت موکدہ ہے اور بعض فقہا نے اسے واجب قرار دیا ہے۔ بہرحال ختنہ کرنا ثواب کا کام ہے اور نہ کرنے والا گنہگار ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] موطا امام مالک (۵۰۱/۲)' کتاب العقیقۃ : باب ماجاء فی العقیقۃ ح ۲۔

[2] صحیح بخاری' کتاب اللباس : باب القزع ' (ح ۵۹۲۰)۔ صحیح مسلم' کتاب کراھۃ القزع' (ح ۲۱۲۰)۔

((أَلفِطرَةُ خَمسٌ: اَلخِتَانُ وَالاِستِحدَادُ وَ قَصُّ الشَّارِبِ وَ تَقلِيمُ الاظفَارِ وَ نَتفُ الاِبِطِ))

"پانچ کام فطرت (سنت) کا حصہ ہیں: ختنہ کرانا' ناف کے نیچے کے بال صاف کرنا' مونچھیں کاٹنا' ناخن کاٹنا اور بغل کے بال صاف کرنا۔" [1]

ختنہ کرنا سنت ابراہیمی ہے' سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام نے اپنا ختنہ کرایا اور ان کے بعد تمام انبیاء کرام نے اس سنت کو اختیار کیا۔" [2] سنت ابراہیمی کی پیروی کا حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہمیں بھی دیا گیا۔

﴿ ثُمَّ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ أَنِ ٱتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَٰهِيمَ حَنِيفًا ﴾ (النمل ١٦/ ١٢٣)

"پھر ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی کہ یکسو ہو کر طریقہ ابراہیمی کی پیروی کرو۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ اور ارشاد فرمایا:

((اِنَّ الاَقلَفَ لَایُترکُ فِی الاِسلَامِ حَتّٰی یَختَتِنَ وَلَوبَلَغَ ثَمَانِینَ سَنَةً))

"بے ختنہ آدمی کو اسلام میں برداشت نہیں کیا جا سکتا' یہاں تک کہ وہ ختنہ کرا لے چاہے اس کی عمر ۸۰ سال ہو۔" [3]

بچے کا ختنہ ابتدائی عمر میں کرا دینا چاہیے بلکہ ساتویں روز کر دیا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ اس لیے کہ بچے کا گوشت نرم ہوتا ہے۔ اس کو زیادہ تکلیف نہیں ہوگی اور زخم بھی

---

[1] صحیح بخاری' کتاب اللباس: باب تقلیم الاظفار' (ح ۵۸۹۱)۔ صحیح مسلم' کتاب الطھارۃ: باب خصال الفطرۃ' (ح ۲۵۷)۔

[2] صحیح بخاری' کتاب الاستئذان: باب الختان بعد الکبیر و نتف الابط' (ح ۶۲۹۸)۔ صحیح مسلم' کتاب الفضائل: باب من فضائل ابراہیم الخلیل علیہ السلام' (ح ۲۳۷۰)' لیکن اس میں صرف یہ ہے کہ اسی (۸۰) سال کی عمر میں ابراہیم علیہ السلام نے اپنا ختنہ کیا۔ واللہ اعلم۔

[3] بیہقی (۸/ ۳۲۴)

جلد صحیح ہو جائے گا اور یہ بات سنت سے بھی قریب تر ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا عقیقہ کیا اور ساتویں دن دونوں کا ختنہ بھی کرا دیا۔[1]

اگر ابتدا میں ختنہ نہ کرایا جا سکے تو سات سال کی عمر سے پہلے پہلے ختنہ ضرور کرا دیا جائے' اس لیے کہ سات سال کی عمر کے بچوں کو نماز پڑھنے کی ترغیب کا حکم دیا گیا ہے اور نماز کے لیے طہارت ضروری ہے اور غیر مختون کی طہارت مکمل نہیں ہوتی۔

اگر کوئی آدمی بالغ ہونے کے بعد اسلام قبول کرتا ہے یا کسی مجبوری کی وجہ سے اس کا ختنہ نہیں ہو سکا ہے' تو اسے بھی ختنہ کرا لینا چاہیے۔ ایک آدمی اسلام قبول کرنے کے بعد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْقِ عَنْكَ شَعْرَ الْكُفْرِ وَاخْتَتِنْ))

"زمانہ کفر کے بال دور کر دو اور ختنہ کرا لو۔"

بچوں کو چومنا اور پیار کرنا

اولاد کا ایک حق یہ بھی ہے آپ ان سے پیار و محبت کریں اولاد سے پیار و محبت ایک فطری جذبہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر ماں اور ہر باپ کے دل میں پیدا فرمایا ہے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ابو سیف لوہار کے یہاں پہنچے۔ (ابو سیف (نبی ﷺ کے بیٹے) ابراہیم کی رضائی ماں کے شوہر تھے۔ نبی ﷺ نے اپنے بیٹے کو گود لیا' ان کو پیار کیا اور ان کو سونگھا (یعنی ان کے چہرے پر اپنی ناک اور منہ اس طرح رکھا گویا سونگھ رہے ہوں) پھر جب اس کے بعد ہم وہاں گئے تو ابراہیم کی سانس اکھڑ چکی تھی اور رسول اللہ ﷺ کی دونوں آنکھوں سے آنسو ٹپاٹپ گر رہے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر جناب عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا: "آپ بھی رو رہے یا رسول اللہ" آپ نے فرمایا: "اے ابن عوف! یہ آنسو رحمت کی نشانی ہیں" اور آپ کے آنسو پھر رواں ہو گئے اور آپ نے فرمایا:

---

[1] سنن ابوداود' کتاب الطهارة: باب الرجل يسلم فيؤمر بالغسل' (ح ٣٥٦)۔

"آنکھیں آنسو بہاتی ہیں اور دل دکھتا ہے اور اے ابراہیم ہم تیری جدائی سے بڑے غم زدہ ہیں"[1]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنے نواسے) حسن بن علی کو چوما اور پیار کیا اس موقع پر اقرع بن حابس بھی وہیں بیٹھے ہوئے تھے۔ کہنے لگے: "میرے تو دس بچے ہیں، مگر میں نے تو کبھی کسی ایک بچے کو بھی پیار نہیں کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف دیکھا اور پھر فرمایا: "جو رحم نہیں کرتا اس پر اللہ بھی رحم نہیں کرتا۔[2]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک بدو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور بولا: "کیا تم لوگ بچوں کو چومتے اور پیار کرتے ہو!؟ ہم تو بچوں کو نہیں چومتے۔" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو فرمایا: "میں کیا کر سکتا ہوں اگر اللہ نے تمہارے دل سے رحم کا مادہ نکال دیا ہے۔[3]

یعنی اپنی اولاد کو چومنا اور پیار کرنا رحم اور مہربانی کی علامت ہے، وہی لوگ اپنی اولاد کو چومتے اور پیار کرتے ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے رحم ڈالا ہے، اور اللہ تعالیٰ انہی لوگوں پر رحم فرماتا ہے جو دوسروں پر رحم کرتے ہیں جو دوسروں پر رحم نہیں کرتے وہ خود بھی رحم سے محروم رہتے ہیں۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الجنائز: باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم "انا بک لمحزونون" (ح ۱۳۰۳)۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل: باب رحمتہ صلی اللہ علیہ وسلم الصبیان والعیال، (ح ۲۳۱۵)۔

[2] صحیح بخاری، کتاب الادب: باب رحمة الود و تقبیله و معانقته، ح ۵۹۹۷۔ صحیح مسلم، حوالہ سابق، (ح ۲۳۱۸)۔

[3] صحیح بخاری، حوالہ سابق، ۵۹۹۸۔ صحیح مسلم، حوالہ سابق، (ح ۲۳۱۷)۔

باب سوم

بچے کی مشکلات

انگوٹھا چوسنا بعض بچے انگوٹھا چوسنے کے عادی ہو جاتے ہیں۔ انگوٹھا چوسنا ایک بری عادت ہے یا ایک فطری امر؟ اس مسئلے پر کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ اسی اختلاف رائے کے نتیجے میں اس موضوع پر بہت کچھ بحث ہوئی کہ بچے کو انگوٹھا چوسنے سے روکا جائے یا نہ روکا جائے۔

جب ایسے بچے انگوٹھا چوستے ہیں جنہیں ماں کا دودھ یا اوپری دودھ اطمینان بخش نہیں مل پاتا تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ پوری غذا نہ ملنے کی وجہ سے ایسا کر رہے ہیں۔ لیکن ایسے بچے بھی انگوٹھا چوسنے کی عادت میں مبتلا ہوتے ہیں کہ جنہیں ماں کا دودھ اطمینان بخش طور پر نصیب ہوتا ہے جب کہ ایسے بچے بھی ہوتے ہیں جن کو کافی مقدار میں دودھ نہیں مل پاتا اور ان کی نشوونما اطمینان بخش طور پر نہیں ہو پاتی، مگر وہ پھر بھی انگوٹھا نہیں چوستے، اس لیے کہا جاتا ہے کہ انگوٹھا چوسنے کی عادت کو "فطری خواہش" قرار دینا چاہیے اور بچے کی تربیت کے سلسلے میں یہ تسلیم کر کے چلنا چاہیے کہ بچے میں یہ فطری داعیہ پایا جاتا ہے کہ ماں کی چھاتی سے پورا دودھ پینے کے باوجود اسے چوسنے کے لیے کوئی چیز مل جائے۔ اس لیے اگر کوئی بچہ انگوٹھا چوستا ہے تو اسے روکا نہ جائے وہ وقت آنے پر خود ہی اس عادت کو چھوڑ دے گا۔

انگوٹھا چوسنے کو اگر فطری داعیہ نہ مانا جائے تو اس کے مختلف اسباب و محرکات قرار دیے جاسکتے ہیں۔ مثلاً: بچہ بھوک کی وجہ سے انگوٹھا چوستا ہے اگر بچے کو پوری غذا ملتی رہے تو اس کی یہ عادت ختم ہو سکتی ہے۔ بچہ اگر کسی وجہ سستی یا تکان کا شکار ہو گیا ہے تو

ایسی حالت میں انگوٹھا چوسنے سے اسے ایک قسم کی راحت اور تسکین حاصل ہوتی ہے۔ ذہنی کشمکش میں مبتلا بچہ بھی انگوٹھا چوس کر عارضی طور پر آرام محسوس کرتا ہے۔ ان حالات میں اسباب و محرکات کا سراغ لگا کر ان کا سدباب کیا جانا چاہیے اور حکمت و احتیاط کے ساتھ بچے کی اس عادت کو کم سے کم کرنے کی کوشش کی جانی چاہیے۔

طبی پہلو سے انگوٹھا چوسنے کی عادت کو اچھا نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ اس سے انگوٹھے اور مسوڑھوں کی نشوونما متاثر ہوتی ہے اور تنفس کے بھی بگڑ جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ نفسیاتی نقطہ نظر سے بھی انگوٹھا چوسنا اچھی عادت نہیں۔ اس عادت کی وجہ سے بچہ گرد و پیش کی چیزوں کو چھونے اور ان سے کام لینے سے محروم رہ جاتا ہے۔ اس لیے اس کی ذہنی صلاحیت کی نشوونما نہیں ہو پاتی۔ تحریک اور جدو جہد کے بجائے اس میں جمود و تعطل کے رجحانات قوی ہو جاتے ہیں اور آئندہ زندگی میں ایسا بچہ زیادہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اپنی ذات میں مگن رہنے کا یہ مشغلہ پختہ ہو کر اسے زندگی کے گوناگوں مشاغل میں اپنا رول ادا کرنے سے باز رکھتا ہے۔

طبی اور نفسیاتی پہلو سے انگوٹھا چوسنے کی عادت کو بہرحال نقصان دہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ مگر اس عادت سے بچے کو باز رکھنے کے لیے انتہائی حکمت اور تحمل سے کام لینا چاہیے۔ اس عادت کو چھڑانے کے لیے بچے کو جھڑکنا' لعن طعن کرنا یا جسمانی سزا دینا کسی بھی طرح مناسب نہیں۔ بعض عورتیں بچے کو اس عادت سے باز رکھنے کے لیے اس کے انگوٹھے پر پھٹکری یا ایلوا لگا دیتی ہیں۔ بعض عورتیں ہاتھوں پر دستانے چڑھا دیتی ہیں اور بعض عورتیں قمیص کی آستین اتنی لمبی سی دیتی ہیں کہ بچے کا پورا ہاتھ چھپا رہے۔ یہ سب طریقے نہایت ناموزوں اور نقصان دہ ہیں۔

انگوٹھا چوسنے پر ماں ماتھے پر کوئی بل نہ لائے' بلکہ آہستہ سے اس کا انگوٹھا منہ سے باہر نکال دے اور اس کو کچھ ایسے کھلونے دے دے جن سے وہ کھیلتا رہے۔ بچے کے لیے شگفتہ ماحول پیدا کرے اور اس کی تشفی کا ہر سامان فراہم کرے تو انگوٹھا چوسنے کی عادت رفتہ رفتہ ختم ہو جائے گی۔ اگر تمام مناسب تدابیر اختیار کرنے پر بھی انگوٹھا چوسنے

کی عادت ختم نہ ہو تو پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بڑا ہو کر بچہ خود بخود اس عادت کو ترک کر دے گا۔ اگر کافی بڑا ہونے پر بھی بچہ اس عادت کو نہ چھوڑے تو کسی ماہر نفسیات کی جانب رجوع کیا جانا چاہیے۔

بعض بچوں کو دانتوں سے ناخن کترنے کی عادت پڑ جاتی ہے جس کی وجہ سے ان کے ناخنوں کی گندگی ان کے معدے میں پہنچ کر صحت کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے۔ عموماً ایسے بچے ذہنی انتشار و اضطراب کا شکار ہوتے ہیں۔ ایسے بچوں کے لیے ایک طرف ذہنی شگفتگی کا بندوبست کیا جائے اور دوسری طرف انہیں اس عادت کے طبی اور سماجی نقصانات بتائے جائیں۔ توقع ہے کہ وہ اس عادت کو ترک کر دیں گے۔

بستر خراب کرنا

چھوٹے بچے بار بار بستر خراب کرتے ہیں۔ وقت بے وقت ماں کو پیشاب پاخانے کی آلائشوں سے بستر صاف کرنا پڑتا ہے۔ یہ ایک تکلیف وہ فریضہ ہے جو ماں کو انجام دینا پڑتا ہے۔ بہت کم بچے ایسے ہوتے ہیں جو بستر پر پیشاب پاخانہ نہ کرتے ہوں۔ اکثر بچے عموماً بستر پر ہی پیشاب پاخانہ کر دیتے ہیں۔ ماؤں کو یہ حرکت برداشت سے باہر محسوس ہونے لگتی ہے۔ اس لیے وہ بچے کو جھڑکنا اور ڈانٹنا شروع کر دیتی ہیں اور بسا اوقات پٹائی سے بھی دریغ نہیں کرتیں۔ لیکن بچے کی تو یہ عادت ہے۔ روک ٹوک کے باوجود بچہ باز نہیں آ سکتا' بلکہ اس کی عادت میں اضافہ ہو سکتا ہے۔

ولادت کے فوراً بعد بچے کو اس بات کا عادی بنایا جائے کہ وہ مقررہ وقت پر ہی پیشاب پاخانہ کرے تو نفسیات و طب کے ماہرین کے نزدیک بچے کے کمزور اعضاء پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالنے کے مترادف ہے۔ اس لیے بچہ جب تک اشارے سے اپنی رفع حاجت کا اظہار کرنے کے قابل نہ ہو جائے' ماں کو نہایت پامردی اور صبر مزاجی سے کام لے کر بچے کی راحت کے لیے اپنے آرام و سکون کی قربانی دینی چاہیے۔ ضعف و کمزوری کے ایام میں بچے پر کسی قسم کی پابندی عائد نہ کی جائے' ورنہ قبض کے عارضے کا اندیشہ رہتا ہے۔ البتہ جب بچہ اپنی خواہش اور ضرورت کو مختلف اشاروں سے ظاہر کرنے

کے قابل ہو جائے تب بچے کی تربیت کا عمل شروع کرنا چاہیے' عموماً بچہ ایک سال کا ہو جانے پر اشاروں کے ذریعہ اپنی ضرورت سے آگاہ کرنے لگتا ہے۔ مثلاً: وہ اپنے خصیوں پر ہاتھ رکھ کر بے چینی کا اظہار کرتا ہے یا اس کی ٹانگوں میں تناؤ نظر آتا ہے یا وہ مخصوص قسم کے الفاظ زبان سے نکالتا ہے یا ہاتھ سے اشارہ کرتا ہے۔ اس عمر میں بچہ ماں کی تربیت کی تاب لانے کے لائق ہو جاتا ہے اور اس کے اعضاء قدرے مضبوط ہو جاتے ہیں۔

تمام تر تدابیر اختیار کرنے کے باوجود اس کا امکان رہتا ہے کہ بچہ پھر بھی بستر خراب کر دے' کیونکہ وہ بہرحال بچہ ہے پھر یہ تدابیر آٹھ' نو ماہ بعد تو اختیار کی جا سکتی ہیں' اس سے پہلے بچہ بہرحال بار بار بستر خراب کرے گا۔ بستر کو بار بار بدلنے اور پوتڑوں کو صاف رکھنے کا مسئلہ واقعی ماں کے لیے درد سر ہے۔ لیکن ایک ماں اپنے بچے کے لیے جہاں بہت سے درد جھیلتی ہے تو اس ایک درد کو بھی نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کرنا چاہیے۔ کیونکہ بستر کی صفائی کا بچے کی صحت سے گہرا تعلق ہے۔ اگر بچہ گندے یا گیلے بستر پر پڑا رہے گا تو بیمار پڑ جانے کا قوی اندیشہ موجود رہے گا۔

آج کل پوتڑوں کی صفائی کا مسئلہ بھی اس طرح حل کیا جاتا ہے کہ پوتڑوں کے اندر باریک نرم کاغذ رکھ دیا جاتا ہے تاکہ پوتڑے پاخانے کی آلائش سے صاف رہیں۔ ایک دوسرا طریقہ یہ بھی رائج ہے کہ بچے کے بستر کے اوپر ایک ربڑ یا پلاسٹک کا کپڑا استعمال کیا جاتا ہے۔ اس طریقے سے بچے کو ربڑ کے کپڑے پر سونے سے پورا آرام نہیں ملتا اور موسم سرما میں بچہ اذیت محسوس کرتا ہے۔ اگر اس طریقے کو اختیار نہ کیا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ بچے کی صحت اور آرام ہر چیز پر مقدم ہے۔

روزانہ پوتڑوں کی دھلائی سے بچے کے لیے ایک ماڈرن طریقہ یہ اختیار کیا جا سکتا ہے کہ بچے کے تمام گندے کپڑے' پوتڑے ٹین کے ایک بڑے سے ڈبے میں ڈال دیے جائیں اور اس میں سڑاند کو دور کرنے والی دوا کا لوشن ڈال دیا جائے' پھر ڈبے کا منہ بند کر کے اس کو آگ پر ابال کر کپڑوں کو خشک کر لیا جائے۔

بچے کے بار بار بستر خراب کرنے پر مائیں بچے کو برا بھلا کہتی ہیں اور بعض مائیں تو

اس چھوٹی سی عمر میں جسمانی سزا دینے سے بھی دریغ نہیں کرتیں۔ یہ دراصل مادرانہ فرائض سے بغاوت ہے۔ بچہ نا سمجھ ہے اس پر برا اثر پڑے گا۔ اس لیے بچے کو اس سلسلے میں پوری آزادی دی جائے اور اس کی بہتر صحت کے لیے اس پریشانی کو بھی نہایت خندہ پیشانی سے جھیلا جائے۔

بچے کے ایک سال کے قریب ہو جانے پر مائیں اگر چند تدابیر اختیار کریں تو توقع ہے کہ بچے کو ایسی عادت پڑ جائے کہ وہ بستر پر پاخانہ پیشاب نہ کرے۔ جب بچہ بے چینی کا اظہار کرے یا اجابت کے لیے کسی بھی قسم کا اشارہ کرے تو ماں ہر کام کاج چھوڑ کر بچے کی مدد کے لیے پہنچ جائے۔ بچہ معاملے کی نوعیت کو سمجھنے لگے گا اور پھر وہ ماں کے بغیر اجابت نہ کرے گا' ہمارے گھر میں اس کا تجربہ ہوا ہے۔ میری چھوٹی بیٹی کے ساتھ جب یہ سلوک کیا گیا تو اس کا یہ معمول ہو گیا' وہ اپنی امی کے بغیر اجابت نہیں کرتی تھی۔ رات میں بھی اگر اس کو ضرورت محسوس ہوتی تو وہ رو کر یا اپنے ہاتھ کو ماں کے جسم پر پھیر کر ماں کو بیدار کر لیتی اور ماں سمجھ جاتی کہ بچی کو اجابت کرنا ہے۔ جب وہ ذرا ذرا بولنے لگی تو اجابت کے لیے اپنی امی کو بیدار کرتی۔ اس کی امی نے چونکہ شروع ہی سے بیت الخلاء میں اجابت کرائی' اس لیے بچی کو یہ عادت پڑ گئی کہ وہ بیت الخلاء کے علاوہ کسی دوسری جگہ پاخانہ نہیں کرتی تھی۔ ہم لوگ اگر کہیں پر مہمان بن کر جاتے تو میزبان بھی بچی کی اس عادت پر حیران رہ جاتے کہ ایک ڈیڑھ سال کی بچی صرف بیت الخلاء ہی میں پاخانہ کرتی ہے۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں اگر احتیاط و حکمت سے کام لیا جائے تو بچے کو اس بات کا عادی بنایا جا سکتا ہے کہ وہ بستر خراب نہ کرے اور مختلف اشاروں سے ماں کو بتا دے کہ اسے اجابت کی ضرورت ہے اور ماں اسے اجابت کرا دے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بچہ اندھیرے میں ڈر جاتا ہے یا ڈراؤنا خواب دیکھ لیتا ہے اور وہ بستر خراب کر دیتا ہے۔ اس صورت میں آپ بچے کو بے قصور سمجھئے۔ اس کی اس حرکت پر ذرا بھی برا نہ مانیے' بلکہ اس کو گود میں لے کر پیار کیجیے تاکہ اس کے دل سے خوف کے اثرات بالکل ختم ہو جائیں اور آئندہ اس بات کی کوشش کیجیے کہ بچے کو

تاریک کمرے میں نہ سلائیے اور نہ تنہا چھوڑیے- کسی بھی قسم کا خوف کھانے کا موقع ہرگز نہ دیجیے- عام طور سے مائیں بچوں کو طرح طرح کی چیزوں سے ڈراتی ہیں- یہ نہایت خطرناک حرکت ہے جس سے ہر ماں کو اجتناب کرنا چاہیے- بعض بچوں کو جن' بھوت' پری' چڑیل' ڈائن اور بابا جی کے سنسنی خیز قصے سنائے جاتے ہیں- ان قصوں کو سن کر گھر کے تاریک اور خالی کونوں میں موہوم عکس دیکھ کر بچوں کے ذہن میں خوف بیٹھ جاتا ہے' اس لیے سنسنی خیز قصوں کے بجائے ایسے قصے سنائے جائیں جو دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ راحت و سکون اور حوصلہ و ہمت کا باعث ہوں-

بچے کو سلانے سے پہلے پیشاب ضرور کرا لیجیے اگر ایسا نہ کیا جائے تو عین ممکن ہے کہ بچہ ضرورت سے مجبور ہو کر بے خیالی میں بستر پر پیشاب کر دے اور پھر یہ بچے کا معمول بن جائے گا' اس لیے سونے سے پہلے پیشاب کی عادت ڈالنا چاہیے- تاکہ مثانہ خالی رہے اور پیشاب کی حاجت کم ہو- سردی کی طویل راتوں میں بچے جاگ جاتے ہیں- بچے کے بیدار ہونے پر بھی پیشاب کرا لیا جائے-

کسی بھی سبب سے بچے میں ضد اور نفرت پیدا نہ ہونے دیجیے- تجربہ شاہد ہے کہ بچہ اگر یہ محسوس کرتا ہے کہ اس کی ماں کی توجہ اس کی طرف سے ہٹ گئی ہے یا کم ہو گئی ہے تو وہ ماں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے بھی بستر خراب کر دیتا ہے اور اگر اسے یہ احساس ہو جائے کہ اس کی ماں صرف اسی حالت میں اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے' تو وہ اس کو اپنا معمول بنا لیتا ہے' اس لیے ماں کو چاہیے کہ وہ ٹوٹ کر بچے کو پیار کرے اور کسی بھی وقت بچے کو یہ احساس نہ ہونے دے کہ بچے کی طرف سے اس کی توجہ ہٹ گئی ہے یا کم ہو گئی ہے-

اگر بچہ رات کو سوتے میں بستر پر پیشاب کر دے تو حکمت سے اس کی اصلاح کی کوشش کیجیے' مگر گھر والوں کو اس کی اجازت نہ دیجیے کہ وہ بچے کو مذاق کریں- اس کی ہنسی اڑائیں- اسے "موتو" "متو" یا "موتنا" جیسے ناموں سے چڑائیں- اس رویے سے بچے میں نااہلی کا احساس پیدا ہوتا ہے- اسے اپنی بے عزتی محسوس ہوتی ہے اور اس میں

نفرت و ضد کا جذبہ پروان چڑھتا ہے۔ اس میں جھجک اور کمتری پیدا ہو گی اور وہ اپنی اصلاح نہ کر سکے گا' بلکہ اس سے اس کی ذہنی نشوونما بھی متاثر ہو گی۔

بچہ جب کچھ سمجھ دار ہو جائے تو اسے صفائی ستھرائی کی تلقین کیجیے۔ اسے بتائیے کہ جو بچے صاف رہتے ہیں' لوگ ان سے محبت کرتے ہیں۔ انہیں اچھا سمجھتے ہیں اور انہیں قریب لگاتے ہیں اور جو بچے گندے رہتے ہیں' لوگ ان سے نفرت کرتے ہیں' انہیں اپنے پاس نہیں بٹھاتے' انہیں سب لوگ برا سمجھتے ہیں۔

پیشاب کا خطا ہونا کسی جسمانی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے۔ ایسی شکل میں علاج و معالجے کی طرف توجہ دینی چاہیے۔

بچے کے پیشاب کا مسئلہ

جس عمر تک بچہ صرف دودھ یا مشروبات (Liquids) پر گزر بسر کرتا ہے' اس عمر میں وہ اگر کسی چیز پر' کپڑے پر' یا انسان پر پیشاب کر دے تو اسے دھونا ضروری نہیں ہے بلکہ صرف پانی چھڑک دینا ہی کافی ہو گا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

عَنْ أُمِّ قَيْسٍ بِنْتِ مِحْصَنٍ أَنَّهَا أَتَتْ بِابْنٍ لَهَا صَغِيْرٍ لَمْ يَأْكُلِ الطَّعَامَ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَجْلَسَهُ فِي حِجْرِهِ فَبَالَ عَلٰى ثَوْبِهِ فَدَعَا بِمَاءٍ فَنَضَحَهُ وَلَمْ يَغْسِلْهُ

"سیدہ ام قیس بن محصن رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ وہ اپنا چھوٹا بچہ لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں' وہ ابھی کھانا نہیں کھاتا تھا۔ آپ ﷺ نے اسے اپنی گود میں بٹھا لیا۔ بچے نے آپ ﷺ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا۔ تو آپ ﷺ نے پانی منگوا کر اس پر چھڑک دیا اور دھویا نہیں"۔ [1]

البتہ اگر بچی پیشاب کر دے تو اسے دھونا ضروری ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ

---

[1] صحیح بخاری' کتاب الوضوء' باب بول الصبیان (ح ۲۲۱) صحیح مسلم' کتاب الطهارة' باب حکم الطفل الرضیع و کیفیة غسله (ح ۲۸۷)

نے فرمایا:

((بَوْلُ الغُلَامِ الرَّضِيْعِ يُنْضَحُ وَبَوْلُ الجَارِيَةِ يُغْسَلُ))

"دودھ پیتے بچے کے پیشاب پر صرف پانی چھڑک دینا (کافی) ہے جبکہ بچی کے پیشاب کو دھویا جائے گا۔"[1]

اسی مسئلہ کی ایک اور حدیث سے یوں وضاحت ہوتی ہے:

عَنْ اَبِی السَّمْحِ قَالَ : كُنْتُ خَادِمَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجِيءَ بِالْحَسَنِ اَوِ الْحُسَيْنِ فَبَالَ عَلٰى صَدْرِهِ فَاَرَادُوْا اَنْ يَغْسِلُوْهُ فَقَالَ : (رُشُّوْهُ رَشًّا فَاِنَّهٗ يُغْسَلُ بَوْلُ الْجَارِيَةِ وَ يُرَشُّ بَوْلُ الْغُلَامِ)

"سیدنا ابوالسمح رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خدمتگار تھا۔ سیدنا حسن یا سیدنا حسین رضی اللہ عنہما (جب شیر خوار بچے تھے تو ان) میں سے کسی ایک کو لایا گیا۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چھاتی پر پیشاب کر دیا۔ صحابہ کرام نے چاہا کہ اسے دھو دیا جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بس پانی چھڑک دو' لڑکی کا پیشاب دھویا جاتا ہے اور لڑکے کے پیشاب پر پانی چھڑکا جاتا ہے"۔[2]

ان احادیث سے ہمیں بچوں کے متعلق یہ راہنمائی ملتی ہے کہ اگر دودھ پیتا بچہ پیشاب کر دے تو صرف پانی چھڑک دینا کافی ہے اور اگر بچی پیشاب کر دے تو دھونا ضروری ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کبھی بچے کا پیشاب یا پاخانہ کپڑے پر لگ جاتا ہے اور اچھی طرح دھونے کے باوجود نشان باقی رہتا ہے' دیکھنے والے کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ شاید

---

[1] مسند احمد (۱/ ۷۶ ح ۵۶۳ و ۱/ ۷/ ۱۳ ح ۱۱۴۸) و ۱۱۴۹ شرح احمد شاکر۔ سنن ترمذی' کتاب الصلاۃ' باب ما ذکر فی نضح بول الغلام الرضیع (ح ۶۱۰) حدیث صحیح ہے۔

[2] المستدرک للحاکم' کتاب الطھارۃ' باب ینضح بول الغلام ویغسل بول الجاریۃ (۱/ ۱۶۶)۔ سنن ابی داؤد' کتاب الطھارۃ' باب بول الصبی یصیب الثوب (ح ۳۷۶) سنن ابن ماجہ' کتاب الطھارۃ و سننھا' باب ما جاء فی بول الصبی الذی لم یطعم۔

کپڑا ابھی پاک نہیں ہوا' حالانکہ وہ کپڑا پاک ہو چکا ہوتا ہے۔ اس لئے نجاست و پلیدگی کو دھونا ضروری ہے نہ کہ اس کا نشان ختم کرنا ضروری ہے۔ اس لئے کہ اس کے متعلق آپ ؐ نے فرمایا:

((اِذَا اَمَرْتُکُمْ بِاَمْرٍ فَاْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ))

"جب میں تمہیں کسی کام کا حکم دوں تو جس قدر تم کر سکتے ہو وہ کرو۔"[1]

اب نجاست اور پلیدگی تو دھوئی جا سکتی ہے لیکن اگر نشان مٹانا مشکل ہو تو یہ شریعت کی طرف سے معاف ہے۔ حدیث مبارکہ میں اس کی وضاحت یوں آئی ہے:

اَنَّ خَوْلَةَ بِنْتِ یَسَارٍ اَتَتِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهُ لَیْسَ لِیْ اِلَّا ثَوْبٌ وَاحِدٌ وَاَنَا اَحِیْضُ فِیْهِ فَکَیْفَ اَصْنَعُ؟ قَالَ: ((اِذَا طَهُرْتِ فَاغْسِلِیْهِ ثُمَّ صَلِّیْ فِیْهِ)) فَقَالَتْ: فَاِنْ لَّمْ یَخْرُجِ الدَّمُ؟ قَالَ: ((یَکْفِیْكَ غَسْلُ الدَّمِ وَلَا یَضُرُّكِ اَثَرُهُ))

"سیدہ خولہ بنت یسار نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: "یا رسول اللہ! میرے پاس صرف ایک ہی کپڑا ہے' حیض کے دن بھی اسی میں گزارتی ہوں' تو میں کیسے کیا کروں؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "پاک ہونے کے بعد اسے دھویا کرو' پھر اس میں نماز پڑھ لیا کرو۔" اس خاتون نے پوچھا: "اگرچہ خون کا نشان باقی رہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "خون کو دھو دیا کرو اور اس کے نشان سے تمہارا کوئی نقصان نہیں۔"[2]

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ماں کے کپڑوں پر اگر بچے کے پاخانے وغیرہ کے

---

[1] صحیح بخاری' کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ' باب الاقتداء بسنن رسول اللہ ﷺ (ح ۶۸۵۸)۔ صحیح مسلم' کتاب الفضائل' باب وجوب اتباعہ ﷺ (ح ۱۳۳۷)

[2] سنن ابی داؤد' کتاب الطھارۃ' باب المرءۃ تغسل ثوبھا الذی تلبسہ فی حیضھا (ح ۳۶۵)۔ سنن البیھقی (۲ / ۴۰۸) کتاب الصلاۃ' باب ان الدم اذا بقی اثرہ فی الثوب ..... الخ۔ حدیث صحیح ہے۔

نشانات رہ جائیں جو مٹانے سے بھی نہ اتریں تو نجاست دور ہونے کے بعد نشان باقی رہ جانے کے باوجود کپڑا پاک صاف ہوگا اور اس میں نماز پڑھنا اور عبادات بجالانا درست و جائز ہوگا۔

بچے کو اٹھا کر نماز پڑھنا

کبھی کبھار ایسے حالات بھی پیدا ہو جاتے ہیں کہ بچہ ماں سے دوری برداشت نہیں کرتا۔ ادھر نماز کا ٹائم ہو جاتا ہے اُدھر بچہ رونے لگتا ہے۔ ایسی صورت یا اس جیسی کسی دیگر صورت حال میں ایسا نہیں ہو سکتا کہ مسلمان عورت یہ بہانہ کرے کہ میرے ساتھ بچہ چمٹا ہے' ساتھ نہیں چھوڑتا' اس لئے نماز کیسے پڑھ سکتی ہوں؟ بلکہ دوارن نماز بچوں کو کندھے یا گردن پر اٹھا کر نماز پڑھنا جائز اور صحیح ہے:

عَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ عَلَیْہِ الصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ کَانَ یُصَلِّی وَھُوَ حَامِلٌ اُمَامَۃُ بِنْتِ زَیْنَبَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السلامُ وَھِیَ لِاَبِی الْعَاصِ ابْنِ الرَّبِیْعِ' فَاِذَا سَجَدَ وَضَعَھَا وَاِذَا قَامَ حَمَلَھَا

"سیدنا ابو قتادہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے اپنی نواسی "امامہ" کو اٹھا کر نماز پڑھی جو کہ آپؐ کی بیٹی زینبؓ اور ابوالعاص کی بیٹی تھی۔ جب رسول اللہ ﷺ سجدے میں جاتے تو اسے (زمین پر) بٹھا دیتے اور جب کھڑے ہوتے تو دوبارہ اٹھا لیتے۔" [1]

ایسا نہ ہو کہ اس حدیث سے یہ سمجھا جائے کہ یہ تو نفلی نمازوں میں تھا نہیں .... بلکہ یہ آپ کا عمل فرضی نماز میں تھا۔ جیسا کہ سنن ابوداؤد میں ہے:

بَیْنَمَا نَحْنُ نَنْتَظِرُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الظُّھْرِ اَوِ الْعَصْرِ

"(جب یہ بچی کو اٹھا کر نماز پڑھنے کا واقعہ پیش آیا) ہم ظہر یا عصر کی نماز میں

---

[1] صحیح بخاری' کتاب سترۃ المصلی' باب اذا حمل جاریۃ صغیرۃ علی عنقہ فی الصلاۃ (ح ۴۹۴)۔ صحیح مسلم' کتاب المساجد' باب جواز حمل الصبیان فی الصلاۃ (ح ۵۴۳)

رسول اللہ ﷺ کا انتظار کر رہے تھے۔"[1]

دوسری حدیث میں ہے:

رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَؤُمُّ النَّاسَ وَاُمَامَۃُ بِنْتَ اَبِی الْعَاصِ وَھِیَ ابْنَۃُ زَیْنَبَ بِنْتِ النَّبِیِّ عَلٰی عَاتِقِہٖ ' فَاِذَا رَکَعَ وَضَعَھَا وَاِذَا رَفَعَ مِنَ السُّجُوْدِ اَعَادَھَا

"میں نے نبی کریم ﷺ کو لوگوں کی امامت کرواتے ہوئے دیکھا۔ امامہ (ابو العاص اور زینب بنت رسول اللہ ﷺ کی بیٹی) آپؐ کے کندھوں پر تھی۔ جب آپ ﷺ رکوع کرتے تو اسے بٹھا دیتے اور جب سجدوں سے اٹھتے تو اسے واپس اسی جگہ پر رکھ لیتے۔"[2]

ان احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عورت کو اپنے بچہ کے مسئلہ میں ایسی صورت حال درپیش ہو تو وہ پریشان نہ ہو بلکہ مذکورہ بالا طریقہ کے مطابق نماز ادا کرلے اور نماز کو مؤخر یا قضاء نہ کرے' بالکل چھوڑنا تو مسلمانی کے دائرے سے خارج کر دیتا ہے۔ العیاذ باللہ

دودھ چھڑانا دودھ چھڑانے کا مسئلہ بسا اوقات ماں کے لیے بڑا مشکل بن جاتا ہے۔ بچہ ماں کی چھاتیوں کو چچوڑتا رہتا ہے اور ان میں سے دودھ نہیں نکلتا۔ دو' ڈھائی سال کے بعد بھی بعض بچے ماں کی چھاتی ہی سے دودھ پینا چاہتے ہیں اور ماں مجبوراً اپنی چھاتی پر کڑوی کسیلی دوا مل کر بچے کا دودھ چھڑانا چاہتی ہے اور اگر بچہ پھر بھی نہیں مانتا ہے تو بچے کو ڈانٹ ڈپٹ کر' یا مارپیٹ کر دودھ پینے سے باز رکھنا چاہتی ہے۔ ماں کی

---

[1] سنن ابی داؤد' کتاب الاستفتاح فی الصلاۃ' باب العمل فی الصلاۃ' ح ۹۲۰

[2] صحیح مسلم' کتاب المساجد' باب جواز حمل الصبیان فی الصلاۃ (ح ۵۴۳)۔ سنن ابی داؤد' کتاب الصلاۃ' باب العمل فی الصلاۃ (ح ۹۱۷' ۹۱۸' ۹۱۹)۔ سنن نسائی' کتاب السھو' باب حمل الصبیان فی الصلاۃ و وضعھن فی الصلاۃ (ح ۱۲۰۳' ۱۲۰۴)۔

اس روش سے کئی خرابیاں پیدا ہو جانے کا امکان رہتا ہے۔ بچے کو دودھ اور دودھ سے بنی چیزوں سے نفرت ہو جاتی ہے اور یہ مسئلہ اس وقت پیچیدہ ہو جاتا ہے۔ جب بیماری کی حالت میں ڈاکٹر اس کے لیے دودھ کی غذا تجویز کرتا ہے۔

اچانک دودھ چھڑانے کی شکل میں اس کے ذہن میں یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ اب اس کی ماں کو اس سے پہلی جیسی محبت نہیں رہی۔ وہ اپنے کو شفقت اور ممتا سے محروم محسوس کرتا ہے' جس کے نتیجے میں اس کے اندر مایوسی و شکستگی اور روکھے پن کے جذبات نشوونما پانے لگتے ہیں۔ آئندہ زندگی میں وہ محبت کے اظہار کے سلسلے میں خشک مزاج ثابت ہوتا ہے اور اس کو عملی زندگی میں متعدد دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

بچہ ماں کی چھاتی سے محض دودھ ہی نہیں پیتا بلکہ وہ ماں کی آغوش میں جا کر عافیت محسوس کرتا ہے۔ وہ ماں کی چھاتی سے چمٹ کر خود کو محفوظ و مامون سمجھتا ہے۔ پھر ماں کی گود میں اس کو ہلکے ہلکے ہچکولے ملتے ہیں تو وہ بڑا لطف اور سکون محسوس کرتا ہے۔ اس لیے وہ اکثر ماں کی آغوش میں سو جاتا ہے۔ دودھ پلاتے وقت ماں کے اندر بھی محبت زیادہ بھڑکنے لگتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ماں دودھ پلاتے پلاتے بے ارادہ بچے کو تھپکنے بھی لگتی ہے۔

اب ذرا سوچیے اگر ماں بچے کو ان نعمتوں سے یک لخت محروم کرنا چاہے تو کیا وہ آسانی سے ان نعمتوں کو چھیننے دے گا۔ کیا وہ نئی نئی مشکلات پیدا کر کے اپنے لیے ان رعایتوں کو محفوظ رکھنے کی کوشش نہیں کرے گا؟ یہی وہ سخت امتحان ہے' جہاں ماں کو بہت دانش مندی سے بچے کو ان نعمتوں سے محروم ہونے کا احساس ہوئے بغیر دودھ چھڑانا ہوتا ہے۔ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ ماں جب بچے کا دودھ چھڑاتی ہے تو اس سے پوری طرح اعلان بے زاری کر دیتی ہے۔ اس کو اس لیے گود میں نہیں لیتی کہ وہ پستانوں سے منہ لگا دے گا۔ بلکہ اس کی نگاہوں کے سامنے بھی کم آتی ہے تاکہ بچہ دیکھ کر دودھ نہ مانگے۔ جب بچہ اچانک یہ تبدیلی دیکھتا ہے تو اسے یقین ہو جاتا ہے کہ اس کی ماں کا وہ دل جہاں سے محبت کے سوتے پھوٹتے تھے' اب سخت چٹان بن گیا ہے۔ ماں کی

آغوش جو اس کے لیے عافیت و سکون کا ذریعہ تھی' اس سے چھین لی گئی ہے چنانچہ وہ شکستگی و مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے۔ ماں سمجھتی ہے کہ بیٹے نے دودھ پینا چھوڑ دیا اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی ہے حالانکہ اس نے بچے کی ذہنی صلاحیتوں کا خون کر ڈالا ہے۔ بچے کے اندر سے محبت کا جذبہ ختم کر کے اس کی سیرت کی تعمیر میں رکاوٹ ڈال دی ہے۔

دودھ چھڑاتے وقت اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا جائے کہ بچہ یہ نہ سمجھ سکے کہ ماں کی محبت میں کوئی کمی ہو رہی ہے یا اس کی گود اس سے چھینی جا رہی ہے۔ دودھ چھڑاتے وقت بھی ماں بچے کو اتنی ہی محبت دے جتنی کہ دودھ پلاتے وقت دیتی تھی۔ دودھ چھڑانے کے زمانے میں بھی بچے کو گود میں سو رہنے' تھپتھپانے اور لوریاں سننے کا پورا موقع دے تاکہ بچے کو یہ محسوس نہ ہو سکے کہ اس کی زندگی میں کوئی نئی تبدیلی آ رہی ہے۔

دوسرے یہ کہ دفعتاً بچے کا دودھ نہ چھڑایا جائے کیونکہ اس شکل میں بچے کے کمزور ہونے کا خدشہ بھی ہوتا ہے اور اس کی سیرت میں مایوسی و شکستگی کا پہلو غالب ہو جانے کا بھی امکان رہتا ہے۔ بچہ جب آٹھ' نو ماہ کا ہو جائے تو اسے عمدہ قسم کا ایک بسکٹ یا روٹی کا ٹکڑا پکڑا دیا جائے تاکہ وہ اسے منہ میں چوسنے کی عادت ڈالے۔ رفتہ رفتہ بچے کو گوشت کی بوٹی یا چوزے کی ہڈی چوسنے کے لیے دی جائے۔ پھلوں کا رس پانی ملا کر چمچے یا پیالی سے پلایا جائے۔ دھیرے دھیرے ماں اپنا دودھ پلانے میں کمی کرتی جائے اور اس کی جگہ اناج کے نشاستے یا آش جو میں گائے کا دودھ ملا کر دیا جائے۔ ڈبے کا اچھی قسم کا دودھ بھی دیا جا سکتا ہے۔ تدریجاً ماں کے دودھ میں کمی کی جاتی رہے اور اس کی تلافی کے لیے توس پر مکھن یا انڈے کی زردی لگا کر نیم برشٹ انڈا یا دودھ میں گیہوں کا دلیا ملا کر دیا جائے۔ گوشت کی یخنی اور گوشت کا شوربہ بھی دیا جا سکتا ہے۔ پختہ میوے اور سبزیاں بھی شروع کر دی جائیں۔

یہ چیزیں بچے کو اتنی رغبت سے کھلائی جائیں کہ وہ دودھ کے مقابلے میں زیادہ

لذت محسوس کرنے لگے اور یہ سمجھنے لگے کہ ماں کی محبت ان غذاؤں کے استعمال کے ساتھ بھی وابستہ رہے گی۔ اس طرح ماں رفتہ رفتہ اپنے دودھ میں کمی کرتی رہے اور ٹھوس غذاؤں میں اضافہ' اس حکیمانہ رویے سے ماں بہت خوش اسلوبی کے ساتھ دو سال پورا ہونے پر بچے کا دودھ چھڑا سکتی ہے۔ اسلام نے دودھ پینے کی مدت دو سال مقرر کی ہے۔ بچے کی نفسیات و ضروریات کے لحاظ سے یہ مدت بہت مناسب اور معقول ہے اگر ماں چاہے تو بہت خوش گواری سے دو سال پورے ہونے پر بچے کا دودھ چھڑانے میں کامیاب ہو سکتی ہے۔

بعض مائیں خصوصاً "ماڈرن مائیں" بچے کو زیادہ دنوں تک دودھ پلانا پسند نہیں کرتیں' بلکہ وہ وقت سے پہلے ہی دودھ چھڑانا چاہتی ہیں۔ بعض خواتین خانہ داری کی مصروفیتوں کے پیش نظر ایسا کرنا ضروری سمجھتی ہیں۔ جو بچہ اس صورت حال سے دوچار ہوتا ہے' وہ ماں کی شفقت و محبت سے وقت سے پہلے ہی محروم ہو جاتا ہے۔ اب اس کو نہ ماں کی آغوش ملتی ہے' جس میں وہ عافیت و محافظت محسوس کرتا تھا' نہ ماں کی ہلکی ہلکی تھپتھپاہٹ نصیب ہوتی ہے' جس سے اسے سکون ملتا تھا۔ وہ اپنے کو غیر محفوظ سمجھتا ہے۔ وہ سہما سہما سب سے الگ تھلگ رہتا ہے۔ اس میں عزلت و تنہائی پسندی کی جبلت پروان چڑھنے لگتی ہے' جو مستقبل میں اجتماعی امور کی انجام دہی میں بڑی رکاوٹ ثابت ہوتی ہے۔

بعض مائیں مقررہ مدت سے زیادہ عرصے تک بچے کو دودھ پلاتی رہتی ہیں۔ وہ بچے کو کوئی چیز کھلانا بھی اس کی صحت کے لیے نقصان دہ سمجھتی ہیں۔ حالانکہ اس سے بچے کی بہت سی صلاحیتیں بری طرح متاثر ہوتی ہیں۔

ماں کو چاہیے کہ بچے کا دودھ ڈیڑھ سال کی مدت میں چھڑائے' مگر اس کے لیے تدریج کا اصول پیش نظر رکھے۔ دفعتاً دودھ چھڑانے سے بچے کو کئی نقصانات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ بچے کی بیماری یا کمزوری کی حالت میں دودھ ہرگز نہ چھڑایا جائے کیونکہ وہ ان ایام میں ماں کی بھرپور توجہ کا مستحق ہے۔ اگر بچے کے دانت نکل رہے ہوں اور گرمی کا

موسم ہو تب بھی دودھ چھڑانے کے سلسلے میں احتیاط برتنی چاہیے۔

دانت نکلنا دانت دوبار نکلتے ہیں۔ پہلی بار نکلنے والے دانتوں کو "کچے دانت" یا "دودھ کے دانت" کہتے ہیں اور دوسری بار نکلنے والے دانتوں کو "پکے دانت"۔

بچے کے "کچے دانت" پیدائش کے چوتھے مہینہ بعد نکلنے شروع ہوتے ہیں اور دو اڑھائی سال تک سب دانت نکل آتے ہیں۔ بعض بچوں کا پہلا دانت آٹھویں مہینے تک نکلتا ہے۔ کچے دانتوں کی تعداد بیس ہوتی ہے۔ عموماً پہلا دانت نیچے کے مسوڑھوں کے وسط میں نکلتا ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ سب سے پہلا دانت اوپر کے مسوڑھوں کے وسط میں نکلتا ہے۔ عورتیں اس کو "الٹا دانت" کہتی ہیں۔ الٹا دانت نکلنے میں نسبتاً زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔

کچے دانت چھ سال کی عمر میں ٹوٹنا شروع ہو جاتے ہیں۔ اسی دوران ان کی جگہ پکے دانت نکلتے ہیں اور ۱۲-۲۰ سال کی عمر تک سب دانت نکل آتے ہیں۔ پکے دانت عموماً ۲۸ یا ۳۰ ہوتے ہیں جب کہ بعض کے ۳۲ بھی ہوتے ہیں۔

دانت نکلنے سے پہلے بچہ عموماً بہت سی چیزوں کو منہ میں لے جاکر اپنے مسوڑھوں میں دبانے اور چوسنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس شغل میں اسے خوشی اور لذت محسوس ہوتی ہے۔ وہ اپنے اندر ایک نئی صلاحیت کا انکشاف محسوس کرتا ہے۔ اس لیے وہ دودھ پیتے ہوئے چھاتی میں بھی کاٹ لیتا ہے۔ کیونکہ وہ یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ اسے جو ایک نئی چیز مل رہی ہے' اس سے کیا کیا کام لیا جا سکتا ہے۔ ایسی شکل میں بچے کو جھڑکنا یا مارنا قطعی مناسب نہیں ہے۔ اول تو یہ کہ اس سے بچہ سہم جاتا ہے اور دوسرے یہ کہ وہ دانتوں کے استعمال کے سلسلے میں زیادہ تجربہ نہیں کر پاتا۔ وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ مسوڑھوں سے دبانے اور کاٹنے کا انجام تو مار کھانا ہے۔ اس لیے اس کی دانتوں اور مسوڑھوں کی نشوونما متاثر ہوتی ہے۔ اس کا یہ تصور کہ دانتوں کے استعمال کے نتیجے میں مار نصیب ہوتی ہے' چیزوں کے کاٹنے اور کھانے میں حارج ہوتا ہے اور بچہ ماں کی چھاتی سے چمٹے رہنے میں عافیت سمجھتا ہے۔ یہ روش دودھ چھڑاتے وقت بڑی پریشان کن ثابت ہوتی ہے۔ غلطی دراصل ہم کرتے ہیں اور مورد الزام بچے کو ٹھہراتے ہیں۔ اگر بچے کے

نئے نئے تجربوں کو ہم خوشی خوشی برداشت کر جائیں تو ان کی صلاحیتیں صحیح وقت پر نشوونما پا سکیں گی اور ہم بہت سی ان دقتوں سے بچ جائیں گے' جن کا سامنا ہمیں اپنے غیر دانش مندانہ رویے کی وجہ سے کرنا پڑتا ہے۔

اگر ماں پڑھی لکھی اور سمجھدار ہو تو دانت نکلنے کا مسئلہ اس کے لیے کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا' مگر پاک و ہند کی بڑی آبادی دیہاتوں میں ہے اور دیہاتوں میں عورتوں کی تعلیم کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔ نادانی کی وجہ سے دانت نکلنے کا زمانہ بچے کے لیے بڑا پُر خطر ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ کوئی بیماری نہیں ہے بلکہ فطری عمل ہے' مگر ماں کی جہالت اور بے پروائی کے سبب کبھی کبھی بچے کو اپنی جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔

صحت مند و توانا بچے کو دانت نکلتے وقت زیادہ تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔ مگر کمزور بچے کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔ عام طور سے اس زمانے میں کمزور بچوں کو دست آنے لگتے ہیں اور اگر زیادہ غفلت اور لاپروائی برتی جائے تو منہ سے جھاگ نکلنے لگتی ہے اور بچہ خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ ماں اگر شروع ہی سے بچے کی صحت و توانائی کا خیال رکھے تو اس مرحلے میں بھی وہ بیماری سے محفوظ رہتا ہے۔ دانت نکلنے سے پہلے اگر بچے کو کچھ چیزیں چبانے کے لیے دی جائیں جیسے ربر کا چھلہ یا ربر کے کھلونے اور دانت نکلنے کے زمانے میں اسے روٹی یا بسکٹ کا سخت ٹکڑا دیا جائے جس سے مسوڑھوں کو رگڑ لگے تو دانتوں کے نکلنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔

دانت نکلنے میں اگر زیادہ دشواری نظر آ رہی ہو تو ہلکا سا نشتر لگوایا جا سکتا ہے' مگر خواہ مخواہ نشتر نہ لگوایا جائے صرف انتہائی مجبوری ہی میں اس کا استعمال کیا جائے۔

دانت نکل آنے کے بعد ان کی صفائی کا بھرپور خیال رکھا جائے۔ کچے دانتوں کی صفائی کا اہتمام بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ پکے دانتوں کی صفائی کا۔ اگر کچے دانتوں میں کوئی بیماری ہو تو اس کا عین امکان ہے کہ پکے دانتوں میں بھی وہی بیماری لگ جائے۔ اس لیے کچے دانتوں کی حفاظت اور صفائی بہت ضروری ہے۔

باب چہارم

(حفظانِ صحت)

جسمانی صحت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلْمُؤمِنُ الْقَوِیُّ خَیرٌ مِنَ الْمُؤمِنِ الضَعِیفِ)) "طاقت ور مومن' کمزور مومن سے بہتر ہے۔"[1]

اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین پر عظیم تر ذمہ داریاں ادا کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ انسان کو ایک سڈول جسم عطا کیا اور مختلف صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ انسان کو جو صلاحیتیں ودیعت کی گئی ہیں' ان سے بھرپور فائدہ اسی وقت اٹھایا جا سکتا ہے' جب اس کا جسم تندرست و توانا ہو۔ مشہور مقولہ ہے "تندرستی ہزار نعمت ہے۔"

بچہ اگر تندرست و توانا ہے' تو اس کی خوابیدہ صلاحیتوں کو بہتر طور پر بروئے کار لایا جا سکتا ہے۔ بیمار و لاغر بچہ مختلف کمزوریوں اور پیچیدگیوں کا شکار ہو جاتا ہے' بچے کی صحت کا خیال ماں کو اسی وقت سے رکھنا چاہیے' جب سے بچہ بطن مادر میں ہوتا ہے۔ ایام حمل میں دیر ہضم اور ثقیل غذاؤں سے پرہیز کیا جائے۔ بہت تیز اور گرم چیزیں بھی نہ کھائی جائیں۔ تازہ پھل اور سبزی کا زیادہ استعمال ہونا چاہیے۔ اگر ایام حمل میں احتیاط نہ کی گئی تو آئندہ سخت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ ماں کی صحت و بیماری کا اثر بچے پر ضرور

---

[1] صحیح مسلم' کتاب القدر : باب الایمان بالقدر والاذعان لہ ' (ح ۲۶۶۴)۔

پڑتا ہے۔ اس لیے ماں کو اپنی صحت کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہیے۔ بچے کو اگر صحت مند ماں کا دودھ ملے گا تو بچہ صحت مند ہو گا۔ اگر بچے کو بیمار ماں کا دودھ ملے گا' تو بچہ اس مرض میں مبتلا ہو جائے گا' جس میں ماں مبتلا ہے۔

پیدائش کے وقت بچے کا وزن ساڑھے تین کلو گرام ہوتا ہے اور قد کی لمبائی تقریباً ۴۸-۴۵ سینٹی میٹر۔ چار ماہ کے بعد اس کا وزن تقریباً دوگناہ ہو جاتا ہے۔ ایک سال کی عمر میں اس کا وزن بڑھ کر تقریباً دس کلو گرام اور قد کی لمبائی تقریباً ۶۴ سینٹی میٹر ہو جاتی ہے۔ دو سال کی عمر میں اس کا وزن ۱۴ کلو گرام اور قد ۹۰- ۸۸ سینٹی میٹر ہو جاتا ہے۔ ہر سال بچے کا وزن دو کلو گرام اور قد ۵-۴ سینٹی میٹر بڑھتا ہے۔

تندرست ہونے کے باوجود بچے کا وزن کم یا زیادہ ہو سکتا ہے۔ اسی طرح اس کا قد بھی چھوٹا یا لمبا بھی ہو سکتا ہے۔ اس کا دارومدار عام طور پر ماں باپ کے وزن اور قد و قامت پر ہوتا ہے۔

پیدائش کے بعد کچھ دنوں تک بچے کے پاخانے کا رنگ سیاہی مائل ہوتا ہے جب یہ سیاہ مادہ بچے کے جسم سے خارج ہو جاتا ہے تو پاخانے کی رنگت ایسی ہوتی ہے جیسے تازہ پھینٹے ہوئے انڈے کی زردی۔ جو بچہ بوتل کا دودھ پیتا ہے' اس کے پاخانے کا رنگ کم زرد ہوتا ہے اور جو ماں کی چھاتی سے دودھ پیتا ہے' اس کے پاخانے کا رنگ نسبتاً زیادہ زرد ہوتا ہے۔ بچے کے پاخانے میں سفید' پھٹکیوں کا ہونا بچے کی بیماری کا پتا دیتا ہے۔ ابتدا میں بچہ شب و روز میں دو تین بار پاخانہ کرتا ہے۔ لیکن جب بچہ ماں کا دودھ پینے لگتا ہے' تو دن میں صرف ایک بار پاخانہ کرتا ہے۔ اگرچہ دوسرے تیسرے دن پاخانہ کرے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ بعض مائیں اسے قبض تصور کر کے بچے کو دوا استعمال کرانے لگتی ہیں۔ یہ غلط رویہ ہے۔ ماں کا دودھ بہت آسانی سے ہضم ہو جاتا ہے اور اس سے فاضل مادہ بھی بہت کم بنتا ہے' اس لیے اگر بچہ دوسرے تیسرے دن بھی پاخانہ کرتا ہے تو فکر نہیں کرنی چاہیے۔ اگر بچے کے نشوونما کی رفتار صحیح ہے' وہ خوب سوتا ہے اور خوش و خرم رہتا ہے' تو سمجھ لیجیے کہ بچے کو قبض نہیں ہے۔ ماں کا دودھ بچے کی غذا بھی ہے

اور دوا بھی۔

بچوں کی جسمانی نشوونما ایک دوسرے سے مختلف ہو سکتی ہے۔ اسی طرح ان کی صلاحیتوں کے نشوونما میں بھی فرق پایا جاتا ہے۔ بعض بچے ۸-۹ ماہ میں چلنے لگتے ہیں اور بعض بچے ایک سال کے بعد چلتے ہیں۔ اسی طرح بعض بچے بہت جلد بولنے لگتے ہیں اور بعض بچے دو سال کے بعد بول پاتے ہیں۔ نشوونما کی رفتار کے اس فرق پر زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ مناسب وقت پر بچے کی فطرت میں ودیعت کی گئی صلاحیتیں خود ہی نمودار ہو جائیں گی۔

بچے کی صلاحیتوں کی نشوونما کی رفتار کی قدرے تفصیل نیچے درج کی جاتی ہے تاکہ آپ اس کی روشنی میں اپنے بچے کی صلاحیتوں کی نشوونما کا جائزہ لیتے رہیں۔

پیدائش کے بعد ایک ماہ تک: دودھ پینے کی صلاحیت۔

* ایک ماہ سے دو ماہ تک: .... چیزوں کو دیکھنا شروع کر دیتا ہے۔ آواز پر متوجہ ہونے لگتا ہے مسکرانے لگتا ہے سر اوپر اٹھانے کی کوشش کرتا ہے۔
* دو ماہ سے تین ماہ تک: .... ماں کے پاس آنے پر خوش ہوتا ہے' تنہائی کے احساس سے رونے لگتا ہے' اپنی انگلیوں سے کھیلنے لگتا ہے۔
* تین ماہ سے پانچ ماہ تک: .... اونچی آواز سے ہنسنے لگتا ہے۔ مانوس چہروں کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ اٹھنے اور بیٹھنے کی کوشش کرتا ہے۔ ہاتھ کے انگوٹھے یا انگلی کو چوستا ہے۔ چیزوں کو پکڑنے کی کوشش کرتا ہے آواز دینے والے کھلونوں سے کھیلتا ہے۔
* چھ ماہ سے سات ماہ تک: .... پاؤں کے انگوٹھے سے کھیلتا ہے' چیزوں کو منہ میں رکھنے لگتا ہے' بغیر سہارے کے بیٹھا رہتا ہے' ماں کو پہچان لیتا ہے اور اس کی آواز پر متوجہ ہوتا ہے' نیچے کے جبڑے کا پہلا دانت نکلتا ہے' اجنبی آدمی کے پاس جانے سے بچتا ہے' بابا بابا اور اماں اماں کہنے لگتا ہے۔
* آٹھ ماہ سے ۹ ماہ تک: .... اوپر کے جبڑے کا پہلا دانت نکلتا ہے' گھٹنے کے بل

آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے' کسی سہارے سے کھڑا ہو سکتا ہے۔ اپنا نام سن کر متوجہ ہوتا ہے۔

* دس ماہ سے بارہ ماہ تک: .... چیزوں کو لے کر منہ میں لے جانے کے بجائے انہیں دیکھتا ہے' کھڑا ہو کر قدم بڑھانے کی کوشش کرتا ہے اور پکڑ کر چل بھی سکتا ہے باتوں کو سمجھنے لگتا ہے چھوٹے موٹے الفاظ بھی زبان سے نکالنے لگتا ہے' کئی دانت ظاہر ہو جاتے ہیں۔

* ۱۳ ماہ سے ۱۵ ماہ تک: .... بغیر سہارے کے چند قدم چل سکتا ہے' چیزیں پھینکنے لگتا ہے چمچہ سے کام لینا شروع کر دیتا ہے اور دو چار لفظ بول سکتا ہے۔

* ۱۶ ماہ سے ۱۸ ماہ تک: .... بغیر سہارے کے چلنے لگتا ہے' چوکی پر چڑھنے لگتا ہے' الفاظ کو صاف طریقہ پر ادا کر سکتا ہے' ایک آدھ جملہ بھی بول سکتا ہے اور کھیل کود میں دلچسپی لیتا ہے۔

* ۱۹ ماہ سے ۲-۳ سال تک: .... بچہ خوب بولنے لگتا ہے اپنے ہاتھ سے کھا پی سکتا ہے' بہت سے سوالات کر کے ان کے جوابات معلوم کرنا چاہتا ہے' آپ کے سوالوں کا ہاں یا نہیں میں جواب دے سکتا ہے' اس عمر میں بچہ مٹی کھانے کی طرف مائل ہو سکتا ہے۔ آپ اس کو اس لت سے ضرور باز رکھیں ورنہ متعدد بیماریوں میں مبتلا ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔

انفرادی طور پر بچوں کی نشوونما میں بڑا فرق پایا جاتا ہے۔ کوئی بچہ چلنے سے پہلے بولنا شروع کر دیتا ہے اور کوئی بچہ بولنے سے پہلے چلنے لگتا ہے۔ اس فرق پر زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں' البتہ اگر زیادہ فرق محسوس ہو تو ماں باپ کو اپنی روش پر غور کرنا چاہیے اور پھر کسی اچھے معالج کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

اچھی صحت کے لیے مندرجہ ذیل چیزیں ضروری ہیں:

۱) متوازن غذا

۲) صاف پانی

③ صاف ہوا
④ کافی روشنی
⑤ صفائی ستھرائی
⑥ کھیل کود
⑦ موزوں و مناسب لباس
⑧ نیند اور آرام
⑨ مسرت و شادمانی
⑩ پاکیزہ ماحول

متوازن غذا

بچے کی جسمانی و ذہنی نشوونما میں متوازن غذا کو بڑا دخل ہے۔ اسلام نے عورت کو یہ اجازت دی ہے کہ اگر روزہ رکھنے سے بچے کو بھرپور دودھ نہ مل سکے اور بچے کی صحت متاثر ہونے کا اندیشہ ہو تو عورت رمضان کے روزے قضا کر دے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام شیر خوار بچوں کے لیے متوازن غذا کو کس قدر ضروری سمجھتا ہے اور ان کی جسمانی نشوونما کا کس قدر خیال رکھتا ہے۔ بچے کی عمر کے لحاظ سے کیا غذا دی جانی چاہیے اور غذا کے اوقات کیا کیا ہوں؟ اس سلسلے میں تفصیلات متعین کرنا مشکل کام ہے' اس لیے کہ ہمارا ملک بہت بڑا ہے۔ مختلف صوبوں یا علاقوں میں خوراک کا نظام ایک دوسرے سے بہت جداگانہ ہوتا ہے۔ آب و ہوا اور معاشرت میں بھی بڑا فرق ہے۔ پھر مالی حیثیت سے بعض گھرانوں میں زمین و آسمان کا تفاوت ہے۔ اس لیے غذاؤں کا تعین کرنا مشکل ہے' البتہ اس سلسلے میں بعض اصولی باتوں کی طرف اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ ان ہدایات کی روشنی میں بچے کی غذا کا صحیح نظام قائم کیا جا سکے۔

عموماً دیہاتوں اور ناخواندہ گھرانوں میں بچے کو اس وقت دودھ پلایا جاتا ہے' جب وہ روئے یا چیخے چلائے اور پھر بچہ جب تک چاہے دودھ پیتا رہتا ہے حالانکہ ہونا یہ چاہیے کہ دودھ مقررہ وقت پر پلایا جائے' اس بات کا بھی خیال رکھا جائے کہ بچے کو صرف اتنا ہی دودھ پلایا جائے جتنے کی اسے بھوک ہے۔ ضرورت سے زیادہ دودھ پلانے سے بچہ بیمار پڑ سکتا ہے جس طرح ضرورت سے کم دودھ بچہ کی صحت پر برا اثر ڈالتا ہے۔ اسی طرح ضرورت سے زیادہ دودھ بھی صحت کو متاثر کرتا ہے۔ دودھ پلانے میں اعتدال و توازن کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ بچہ جب بھی روتا ہے تو یہ سوچ کر اسے دودھ پلا دیا جاتا ہے کہ بچہ دودھ کے لیے رو رہا ہے حالانکہ کہ رونے کے دوسرے اسباب بھی ہو سکتے ہیں۔

نوزائیدہ بچے کو ہر چار گھنٹے کے بعد دودھ پلایا جائے یعنی شب و روز میں چھ مرتبہ۔ جب بچہ دو ہفتے کا ہو جائے تو ماں اپنی سہولت کے مطابق پانچ مرتبہ پر بھی اکتفا کر سکتی ہے البتہ وقفوں کی پابندی کرتے وقت بچے کی جسمانی صحت کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ بعض بچے نسبتاً کمزور ہوتے ہیں' انہیں وقفوں کی پابندی سے نقصان پہنچتا ہے بعض بچے کافی دودھ پی کر بھی جلد ہضم کر لیتے ہیں۔ بعض بچے تھوڑا دودھ بھی کافی دیر میں ہضم کرتے ہیں۔ بعض بچے دودھ پی کر کافی دیر تک سوتے رہتے ہیں اور بعض بچے بار بار جاگ کر دودھ پینا چاہتے ہیں۔ بچوں کی طبیعت کے اختلافات کو مدنظر رکھنا بہت ضروری ہے۔

جب بچے کو بھوک محسوس ہو اور وہ اس کا اظہار کرے تو اس کو اسی وقت دودھ ملنا چاہیے۔ عام طور سے دیکھا جاتا ہے کہ بچہ دودھ کے لیے رو رہا ہے اور ماں نے یہ طے کر لیا ہے کہ وہ ہاتھ میں موجودہ کام کو پورا کر کے ہی بچے کو دودھ پلائے گی' ماں کا یہ رویہ صحیح نہیں ہے۔ اس سے بچہ کی قوت ہاضمہ متاثر ہوتی ہے اور بچہ کی صحت پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔

بعض بچے خاموش طبیعت ہوتے ہیں' وہ بھوک لگنے پر رونے چلانے کے بجائے خاموش پڑے رہتے ہیں اور رات کو دیر تک جاگتے رہتے ہیں۔ ایسے بچوں کے سلسلے میں

ماں کو بہت زیادہ حساس ہونا چاہیے اور وقت پر دودھ پلا دینا چاہیے۔ اسی طرح رات کو اپنی نیند خراب ہونے کے خدشے کے پیش نظر بچے کو دودھ سے محروم نہ رکھنا چاہیے۔ ورنہ بچہ جسمانی کمزوری اور اعصابی اضطراب کا شکار ہو جائے گا۔ بچہ جب ماں کی چھاتی سے دودھ پیتا ہے تو عموماً بیس منٹ میں سیر ہو جاتا ہے۔ بوتل سے دودھ پینے والے بچے کو بھی تقریباً اتنا ہی وقت درکار ہے۔ البتہ چوسنی میں سوراخ جب بڑا ہو جائے تو یہ وقت کم ہو جاتا ہے۔

پانچ چھ ماہ ہو جانے پر بچے کو کچھ ٹھوس غذاؤں کا استعمال بھی شروع کرا دینا چاہیے۔ بچے کی صحت کے لیے پروٹین' کاربوہائیڈریٹ' چربی اور معدنیات وٹامن کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ سب چیزیں ٹھوس غذاؤں میں وافر مقدار میں ملتی ہیں۔ تنہا دودھ سے یہ سب چیزیں مطلوبہ مقدار میں بچے کو حاصل نہیں ہو سکتیں۔

پروٹین (لحمیات) یہ جسم کی نشوونما اور اسکے ٹوٹے پھوٹے حصوں کی مرمت میں مدد دیتا ہے۔ یہ انڈا' گوشت' مچھلی' دودھ' دہی اور چوکر (اناج کی اوپری پرت) میں پایا جاتا ہے)

کاربوہائیڈریٹ (نشاستہ) اس کا کام جسم کو حرارت و قوت پہنچانا ہے۔ یہ گیہوں' جو' چاول' مکا' ساگو دانہ' شکر' گڑ' آلو' گاجر' چقندر اور انگور وغیرہ میں پایا جاتا ہے۔

چربی یہ جسم کی توانائی برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے۔ دوسری غذاؤں کے ہضم میں بھی اس سے مدد ملتی ہے۔ بال' ناخن اور جلد کو اچھی حالت میں رکھتی ہے۔ سردی کے ایام میں چربی کی مقدار زیادہ درکار ہوتی ہے۔ یہ تیل' گھی مکھن اور چربی سے حاصل ہوتی ہے۔

معدنیات یہ ہڈیاں' دانت' لعاب' رگ اور پٹھے وغیرہ بنانے کے کام میں آتا ہے۔ خون کو بڑھاتا اور جسم کو نشوونما دیتا ہے۔ یہ کھانے کے نمک' موسمی پھل' تازہ سبزیوں' گوشت' انڈا' مچھلی وغیرہ میں پایا جاتا ہے۔

وٹامن (حیاتین) یہ انسانی زندگی کے لیے ازحد ضروری ہیں۔ جسم کو پروان چڑھاتے اور بیماریوں سے محفوظ رکھتے ہیں۔ ان کے بغیر آدمی نہ تندرست رہ سکتا ہے اور نہ جسم کی مناسب نشوونما ہو سکتی ہے بلکہ جسم متعدد بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ وٹامن کی کئی قسمیں ہیں چند خاص قسمیں یہ ہیں:

وٹامن "اے" یہ قوت مدافعت بڑھاتا ہے۔ ہاضمے میں مدد دیتا ہے' جلد اور بینائی کو صحت مند رکھتا ہے' پھیپھڑوں اور دانتوں کو مضبوط کرتا ہے' اس کی کمی سے نشوونما رک جاتی ہے' رتوندھی پیدا ہونے کا اندیشہ رہتا ہے' یہ انڈا' مچھلی' مکھن گائے کے دودھ' سبز ترکاری' کلیجی اور گردے میں پایا جاتا ہے۔ تیز آنچ میں پکانے یا بھوننے سے یہ وٹامن ضائع ہو جاتے ہیں۔

وٹامن "بی" یہ اعصاب کے لیے ضروی ہے' جلدی بیماریوں سے جسم کو محفوظ رکھتا ہے' زبان اور آنکھوں کے لیے مفید ہے' خون میں سرخ ذرات بڑھاتا ہے۔ اس کی کمی سے قبض' چڑچڑاپن' داد' درد سرہوتا ہے۔ اس کی کمی سے جسم پھول جاتا ہے۔ ہاتھ پیر کمزور ہو جاتے ہیں' اعصابی بیماریوں کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے' یہ دالوں' پھلوں' گاجر' گوشت اور مچھلی سے حاصل ہوتا ہے۔ انکھوا نکلے ہوئے چنے' بغیر چھنے ہوئے موٹے آٹے اور چاول کی اوپری پرت میں پایا جاتا ہے۔

وٹامن "ڈی" یہ ہڈیوں اور دانت کے لیے مفید ہے۔ اس کی کمی سے بچوں کو سوکھے (سوکڑے) کی بیماری ہو جاتی ہے۔ ہڈیوں کی ساخت میں کمزوری آجاتی ہے۔ یہ مچھلی' مکھن' گھی اور کلیجی سے حاصل ہوتا ہے۔ سورج کی شعاع جسم پر پڑنے سے بھی یہ وٹامن جسم میں داخل ہوتا ہے۔

بچہ جب ایک سال کا ہو جائے تو اسے شب و روز میں عموماً پانچ مرتبہ خوراک دی جائے' دودھ کے علاوہ روٹی یا بسکٹ پر تھوڑا مکھن لگا کر دیا جائے۔ دودھ میں روٹی توڑ کر بچے کو کھلائی جائے۔ دن میں ٹماٹر اور سنترے کا رس تقریباً دو چائے کے چمچے کی بقدر بچے کو استعمال کرایا جائے۔ دودھ میں پکی تھوڑی سی کھیر بھی بچے کو دی جا سکتی ہے۔

بچہ جب سوا سال کا ہو جائے تو اسے ابلے ہوئے انڈے کی زردی' تھوڑا سا مکھن' دودھ میں بھگوئی ہوئی روٹی' نمکین یا میٹھا بسکٹ' ٹماٹر' سنترے کا رس خوب ابال کر پکایا گیا چاول' ترکاریوں کی بھجیا اور آلو کا بھرتا بھی غذا میں شامل کر لیا جائے۔ سوا سال سے ڈیڑھ سال تک کے بچے کو یہ غذائیں مناسب مقدار اور اوقات میں پانچ بار دی جائیں۔

ڈیڑھ سال کے بعد دو سال تک غذاؤں کے اوقات گھٹا کر صرف تین یا چار مرتبہ کر دیئے جائیں۔ اس عمر میں مذکور بالا غذاؤں کے علاوہ چوزا یا بکری کے گوشت کی یخنی تقریباً تین بڑے چمچے' ہری سبزیوں کی بھجیا بکری کا شوربا تقریباً آدھ چھٹانک وغیرہ استعمال کرایا جائے۔

دو سال کے بعد غذاؤں کے اوقات تو تین ہی رکھے جائیں' البتہ بچے کی جسمانی ضرورت کے تحت غذا کی مقدار میں اضافہ کیا جائے۔ بچے کی جسمانی حالت جس غذا کا جس قدر مطالبہ کرے' اسی قدر وہ غذا دی جائے۔ دو سال سے پانچ سال تک کے بچے کو عموماً مطابق ذیل خوراک دی جا سکتی ہے:

<u>ناشتے میں</u>: دودھ ایک پاؤ یا کچھ زیادہ گیہوں کی روٹی یا توسٹ یا ڈبل روٹی (۵۰ سے ۷۰ گرام تک) مکھن اور گھی (۸ گرام) پکا ہوا پھل (۳۰ گرام سے ۵۰ گرام تک)

<u>دوپہر کے کھانے میں</u>: چوزے یا بکری کا گوشت (۶۰ گرام) سبزی خور بچوں کے لیے شلغم' ٹنڈا یا دوسری مفید ترکاری (۸ گرام سے ۱۲ گرام تک) آلو کا بھرتا ۹ گرام۔ دودھ میں پکا چاول یا ساگودانہ کی کھیر ۱۵۰ سے ۲۲۰ گرام تک' پھل یا رس کا شربت ۱۵۰ گرام سے ۳۰۰ گرام تک۔ پینے کے لیے حسب ضرورت صاف ستھرا پانی۔

<u>شام کے کھانے میں</u>: دودھ ۲۵۰ گرام سے ۳۵۰ گرام تک' شکر حسب ذائقہ نرم بسکٹ ۵۰ گرام سے ۷۰ گرام تک۔ مکھن' گھی ۸ گرام۔ پھل ۳۰ سے ۵۰ گرام تک۔

ماں کا دودھ

وضع حمل کے بعد ماں کی چھاتیوں میں جو دودھ پیدا ہوتا ہے' یہی بچے کی فطری غذا ہے۔ ماں کا دودھ بچے کے لیے سب سے بہتر اور موزوں غذا

ہے۔ اس موزوں غذا کا کوئی بدل موجود نہیں ہے۔ جب تک انتہائی مجبوری نہ ہو بچے کو ماں کے دودھ سے محروم نہ رکھا جائے۔ بعض ماڈرن عورتیں ماں بننے پر دودھ پلانے سے کتراتی ہیں اور اوپر (گائے یا بکری) کا یا مصنوعی دودھ پلانا پسند کرتی ہیں۔ یہ دودھ بھی اگرچہ احتیاط کے ساتھ پلائے جانے کی شکل میں بچے کی صحت کو برقرار رکھ سکتے ہیں' لیکن ماں کا دودھ جس آسانی سے ہضم ہو جاتا ہے' معدے کو صاف رکھتا ہے اور مختلف متعدد بیماریوں سے دفاع کی قوت پیدا کرتا ہے۔ ماں کے علاوہ دوسرے دودھ اس سے قاصر ہیں۔ تجربہ بتاتا ہے کہ جن بچوں کو مائیں اپنا دودھ نہ پلا سکیں بلکہ انہیں اوپر کا دودھ استعمال کرایا گیا اور وہ بچے جب بیمار ہوئے اور ڈاکٹر نے ان کے لیے عورت کا دودھ تجویز کیا اور انہیں عورت کا دودھ پلایا گیا تو وہ حیرت انگیز طور پر توانا و صحت مند ہو گئے۔

جس بچے کو ماں اپنی آغوش میں لے کر دودھ پلاتی ہے اسے غذا کے علاوہ تحفظ کا انمول احساس بھی ملتا ہے جو زندگی بھر اس کے ساتھ رہتا ہے اور نفسیاتی طور پر اسے اچھا انسان بناتا ہے۔ دودھ کا یہ رشتہ' ماں بچے کے درمیان محبت کا اٹوٹ رشتہ بھی قائم کرتا ہے۔

طبی لحاظ سے بھی بچے کے پیدا ہونے کے بعد ماں کا جسم اپنی اصلی حالت میں اسی صورت میں تیزی سے واپس آتا ہے جب وہ بچے کو اپنا دودھ پلائے اور فطری تقاضوں کو پورا کرے۔ توام (جڑواں) اور قبل از وقت پیدا ہونے والے بچوں کے ناتواں جسم میں بھی ماں کے دوھ سے ہی توانائی آتی ہے۔

ماں کا دودھ بچے کے لیے فطری غذا ہے جو اس کو بھرپور صحت اور توانائی بخشتا ہے۔ وہ صرف جسمانی غذا ہی نہیں بلکہ روحانی اور اخلاقی غذا بھی ہے۔ ماں کا دودھ بچے کے قلب و روح' جذبات و احساسات اور اخلاق و کردار پر بھی گہرا اثر ڈالتا ہے۔ ماں بچے کو اپنا دودھ پلا کر اس کو صرف صحت بخش غذا ہی فراہم نہیں کرتی بلکہ دودھ کے ہر قطرے کے ساتھ اپنے پاکیزہ خیالات' پاکیزہ رجحانات' اعلی جذبات اور پسندیدہ اخلاق بھی اس کے جسم و جان میں منتقل کرتی جاتی ہے اور بچہ قدرتی طور پر ماں کے دودھ کے ساتھ یہ سب

کچھ جذب کرتا جاتا ہے۔

یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھیے کہ بچے کی پیدائش پر عورت کے رحم کا منہ کشادہ ہو جاتا ہے، مگر جب وہ بچے کو دودھ پلانا شروع کرتی ہے، تو اس کا رحم سکڑ کر اپنی اصل حالت پر واپس آ جاتا ہے۔ وہ عورت بہت خوش نصیب ہے، جس کی چھاتیوں میں بچے کی پیدائش کے بعد غذا کے لیے کافی مقدار میں دودھ موجود ہو اور وہ اپنے بچے کو دودھ پلا کر مادرانہ قربت و انبساط کا لطف حاصل کرے اور بچہ مادرانہ محبت اور پیار کی آغوش میں اپنی تمام فطری صلاحیتوں کو پروان چڑھائے۔

ان ماڈرن عورتوں کے حال زار پر صرف اظہار ہمدردی کیا جا سکتا ہے جو مغربیت کی تقلید میں اپنے کو مرد کے برابر لا کر کھڑا کرنے کے لیے معاشی تگ و دو میں مصروف ہونے کی وجہ سے اپنے بچوں کو وقت پر اپنا دودھ نہیں پلا سکتیں، ضرورت سے زیادہ کام کرنے یا اضطراب، پریشانی اور بعض دوسرے مسائل کے ہجوم کے باعث ان کا دودھ یا تو خشک ہو جاتا ہے یا بچے کے لیے اس کی موجودہ مقدار ناکافی ہوتی ہے۔ ایسی تمام عورتوں سے گذارش ہے کہ وہ اپنے اس دائرہ کار میں سرگرم عمل رہیں، جو قدرت نے ان کے لیے متعین کر دیا ہے تاکہ ان کے بچوں کو بھرپور قدرتی غذا مل سکے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ ماں کے ساتھ بچے کی محبت کا سرچشمہ یہی دودھ ہے۔ اوپر کا دودھ پینے والے بچوں میں ماں کے ساتھ وہ فطری محبت استوار نہیں ہو سکتی جو ماں کا دودھ پینے والے بچوں میں استوار ہوتی ہے۔

بچے کے لیے ماں کے دودھ کے استعمال میں ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ وہ کوئی بیرونی اثر قبول کیے بغیر براہ راست بچے کے منہ میں پہنچتا ہے۔ ماں کے دودھ میں نہ تو مضر اثرات پہنچ سکتے ہیں اور نہ وہ جراثیم داخل ہو سکتے ہیں، جو دوسرے دودھ میں پیدا ہو کر بچے کی تباہی کا سبب بن سکتے ہیں۔ ماں کے دودھ میں وہ ضروری حرارت، قدرتی نفاست اور ذائقے کی عمدگی پائی جاتی ہے، جو کسی دوسرے دودھ میں نہیں پائی جا سکتی۔

تناسب کے اعتبار سے ۹۸ فیصد عورتیں اپنے بچوں کو دودھ پلانے کی قدرت رکھتی

ہیں اور دو فیصد عورتیں مختلف وجوہ سے دودھ پلانے کی صلاحیت سے محروم ہیں۔ ۹۸ فیصد عورتوں میں ۷۰ فیصد مائیں خود ہی بچوں کو دودھ پلاتی ہیں اور ۱۸ فیصد مائیں دوسرے ذرائع اختیار کر کے بچے کی غذا کا انتظام کرتی ہیں۔ متمول گھرانوں میں گائے یا بکری کا دودھ پلایا جاتا ہے۔

ماں کو اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ رنج و غم، اضطراب و پریشانی اور مایوسی یا جھنجھلاہٹ کے عالم میں بچے کو قطعاً دودھ نہ پلائے۔ اس کیفیت سے چھٹکارا پا کر دودھ پلائے اور اگر چھٹکارا پانا ممکن نہ ہو تو ایسے وقت میں دودھ پلائے جب ان کیفیات کی شدت نہ ہو۔ مدت رضاعت میں ماں کو اپنی غذا کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔ ماں کی غذا کا اثر دودھ پر ضرور پڑتا ہے۔ ماں کو صحت بخش غذا قاعدے کے مطابق لینی چاہیے تاکہ بچے کو مفید اور عمدہ دودھ مل سکے۔ شیر خوار بچے کی بیماری کے وقت ماں کو خاص طور پر غذا کے استعمال میں معالج سے ضرور مشورہ لینا چاہیے۔

ماں کا دودھ کس طرح بچے کی حفاظت کرتا ہے

ماں کا دودھ ہی بچے کے لیے سب سے زیادہ مفید موزوں اور صحت بخش ہے۔ وہ بچے کو حملہ آور بیماریوں سے بھی بچاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ماں کے دودھ میں کیا کیا فوائد اور برکتیں رکھی ہیں اس کی جدید سائنس کی روشنی میں مختصر سی تفصیل تہذیب الاطفال از شبیر بن نور کے حوالہ سے ملاحظہ ہو:

"زچگی کے بعد ابتدائی دو سے چار دن تک جو زردی مائل گاڑھا دودھ خارج ہوتا ہے اسے "کلاسٹرم" کہتے ہیں۔ دودھ کے مقابلے میں کلاسٹرم میں پروٹین زیادہ اور نشاستہ دار اجزاء کم ہوتے ہیں۔ اس میں چکنائی کے بڑے بڑے مالیکیول ہوتے ہیں۔ اور ان کے علاوہ اینٹی باڈیز (Anti bodies) بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ اینٹی باڈیز ایسے مخصوص پروٹین ہیں جو کسی بھی انسان کو جراثیم سے بچانے میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔

کوئی بھی نقصان دہ پروٹین یا کیمیائی مادہ جو انسان میں داخل ہو کر جسم کو نقصان پہنچائے اینٹی جن (Antigen) کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جسم میں ایسا نظام پیدا کیا ہے جو

اینٹی جن کو پہچان کر اس کے خلاف ایسے مالیکیول یا پروٹین بنانے کی کوشش کرتا ہے جو داخل ہونے والی اینٹی جن کو ختم کر سکیں۔ اینٹی جن کے خلاف جسم کی اپنی بنائی ہوئی پروٹین کو اینٹی باڈی کہتے ہیں۔ ایک شیر خوار میں چونکہ مدافعتی نظام (جو اینٹی باڈیز بناتا ہے) نے اپنا کام شروع نہیں کیا ہوتا اس لیے اللہ تعالیٰ نے کلاسٹرم میں اینٹی باڈیز کی بہت زیادہ مقدار رکھی ہے۔

اگر ایک جرثومہ کے خلاف جسم میں اینٹی باڈیز موجود نہ ہوں تو وہ جسم میں بیماری پیدا کر سکتا ہے۔ اس کے برعکس اگر جسم میں اینٹی باڈیز موجود ہوں تو جب بھی جرثومہ یا اینٹی جن جسم میں داخل ہو گی تو جسم میں پہلے سے موجود اینٹی باڈیز اسے بیماری پیدا کرنے کا موقعہ دیئے بغیر ختم کر دیں گی۔ کلاسٹرم کی بہت زیادہ اہمیت صرف اسی وجہ سے ہے کہ اس میں بہت زیادہ اینٹی باڈیز ہوتی ہیں جو بچے کو بہت سی بیماریوں سے بچاتی ہیں۔ اگر پیدائش کے دوران یا بعد میں بچے میں کوئی جراثیم یا اینٹی جن داخل ہوتی ہے تو یہ "کلاسٹرم" اسے ختم کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے اور نومولود بہت سی بیماریوں سے بچ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے بچے جنہیں کلاسٹرم پوری مقدار میں ملا ہو پیچش' قبض اور پیٹ درد کی تکلیفوں میں کم مبتلا ہوتے ہیں۔

اکثر عورتیں اس ابتدائی زردی مائل دودھ کو ضائع کر دیتی ہیں' کیونکہ ان کے خیال میں اس دودھ میں زہریلے مادے ہوتے ہیں ...... حالانکہ ان کا یہ خیال حقیقت کے بالکل برعکس ہے۔

دوسرے دودھ

دائی اگر کسی مجبوری کی وجہ سے ماں بچے کو دودھ پلانے کی اہلیت نہ رکھتی ہو اور حالات اجازت دیں تو کسی مناسب دائی کا انتخاب کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ عورت کا دودھ بہرحال دوسرے ہر دودھ سے بہتر اور موزوں ہے۔ دائی یا انا کے انتخاب میں اس

۱۰۰ ملی لیٹر دودھ کا موازنہ

اجزاء	یونٹ	ماں کا دودھ	مثالی ڈبے کا دودھ	گائے کا دودھ
توانائی	کلوکلیوری	67	67	61
نشاستہ دار اجزاء	گرام	7.3	7.2	4.7
چکنائی	گرام	4.2	3.8	3.3
منرلز				
(۱) کیلشیم	ملی گرام	25	51	119
(۲) کلورائیڈ	ملی گرام	40	53	102
(۳) کاپر	مائیکروگرام	35	41	30
(۴) فلورین	مائیکروگرام	07	10	05
(۶) آئرن (فولاد)	مائیکروگرام	40	150	50
(۷) میگنیشیم	ملی گرام	03	4.1	13
(۸) مینگانیز	مائیکروگرام	0.4	3.0	2 سے 4
(۹) فاسفورس	ملی گرام	15	25	49
(۱۰) پوٹاشیم	ملی گرام	58	78	152
(۱۱) سوڈیم	ملی گرام	0.9	1.5	3.3
پروٹین (لحمیات)	گرام	0.9	1.5	3.3
وٹامن۔اے	مائیکروگرام	47	75	31
وٹامن بی۔۶	مائیکروگرام	28	40	42
وٹامن بی۔۱۲	نینوگرام	26	150	357
وٹامن سی	ملی گرام	04	5.5	0.9
وٹامن ڈی	مائیکروگرام	0.04	1.0	1.0
وٹامن ای	مائیکروگرام	315	1700	80
وٹامن کے	مائیکروگرام	0.21	3.0	6.0
فلورک ایسڈ	مائیکروگرام	5.2	5.0	5.0
نیاسن (Niacin)	مائیکروگرام	200	790	84
Pantothenic acid	مائیکروگرام	225	300	314
رائبوفلیون	مائیکروگرام	35	100	162
تھایامن	مائیکروگرام	16	65	30

دیے گئے ٹیبل میں گائے کے دودھ، ڈبے کے دودھ اور ماں کے دودھ میں پائے جانے والے مختلف اجزاء کا موازنہ دیا گیا ہے۔ اس کے تفصیلی مطالعہ سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ گائے کے دودھ میں کچھ اجزاء انسانی دودھ سے کم اور کچھ زیادہ ہوتے ہیں۔ گائے کے دودھ کے اجزاء کا تناسب ایک بچھڑے کے لیے تو انتہائی مناسب ہے ایک انسانی بچے کے لیے نہیں۔

بات کا خاص طور پر خیال رکھا جائے کہ وہ کسی بیماری میں مبتلا نہ ہو۔ صحت و صفائی کا اہتمام کرتی ہو اور اس کا اخلاق و کردار بہتر ہو۔ یہ تمام چیزیں بچے کی جسمانی اور اخلاقی نشوونما پر اثر انداز ہوتی ہیں۔

اگر کسی وجہ سے بچے کو ماں یا دائی کا دودھ نہ مل سکے تو اس کو کسی جانور کے دودھ سے غذا حاصل کرنا چاہیے۔ یہ تو طے شدہ امر ہے کہ بچے کے لیے سب سے مفید اور کار آمد غذا دودھ ہے۔ دودھ کے علاوہ کوئی دوسری غذا بچے کے لیے نہایت نقصان دہ بلکہ تباہ کن ہے۔ عورت کے دودھ کے بعد سب سے بہتر دودھ گائے کا دودھ سمجھا گیا ہے۔ پھر بکری کا اور اس کے بعد بھینس کا یا پھر ڈبے کا۔

گائے کا دودھ جانوروں کے دودھ میں گائے کا دودھ بچے کے لیے سب سے زیادہ موزوں سمجھا گیا ہے۔ یہ دودھ بہ آسانی دستیاب بھی ہو جاتا ہے۔ اوسطاً ایک گائے روزانہ چار پانچ کلو دودھ دیتی ہے اگر بچے کو گائے کا دودھ استعمال کرانا پڑ جائے تو یہ اطمینان کر لینا چاہیے کہ گائے تندرست و توانا ہے۔ مریض و لاغر گائے کا دودھ بچے کو ہرگز نہ پلایا جائے۔ گائے کے دودھ میں چکنائی کی مقدار تقریباً ماں کے دودھ کی چکنائی کے برابر ہوتی ہے۔ البتہ اس میں مٹھاس کم ہوتی ہے۔ اس لیے اس میں تھوڑی شکر ڈال کر مٹھاس کی کمی کو پورا کر لیا جائے۔

بکری کا دودھ گائے کے دودھ کے بعد بچے کے لیے بکری کا دودھ مناسب سمجھا جاتا ہے۔ بکری کے دودھ میں گائے کے دودھ کے مقابلے میں چکنائی زیادہ پائی جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے بچے کے لیے اسے ہضم کرنا مشکل ہوتا ہے اور بچے کی صحت متاثر ہونے کا قوی اندیشہ ہوتا ہے۔ غذائیت کے اعتبار سے گائے اور بکری کے دودھ میں کوئی خاص فرق نہیں ہوتا۔

بھینس کا دودھ بھینس کا دودھ سب سے زیادہ وافر مقدار میں ملتا ہے۔ عموماً ایک بھینس ۶-۷ کلو دودھ دیتی ہے' اس لیے اوسط قیمت پر کثرت سے مل جاتا ہے۔ بھینس کے دودھ میں بھی گائے کے دودھ سے زیادہ چکنائی ہوتی ہے۔ اس لیے

یہ بہت دیر سے ہضم ہوتا ہے اور بچے کی صحت پر مضر اثرات ڈال سکتا ہے۔

یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ گائے' بکری اور بھینس وغیرہ کے دودھ میں ماں کے دودھ کے مقابلے میں چکنائی اور اجزائے لحمی (Protiens) زیادہ مقدار میں پائے جاتے ہیں۔ اگر شیر خوار بچے کو کسی جانور کا خالص دودھ دے دیا جائے تو اس کے عمل انہضام میں دشواری ہو گی۔ اس لیے بچے کو اس قسم کا دودھ دیتے وقت اس میں صاف پانی مناسب مقدار میں ضرور ملا لینا چاہیے۔ کسی جانور کا دودھ پلاتے وقت اس بات کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ وہ کسی بیماری میں مبتلا نہ ہو۔ دودھ صاف برتن میں دوہا جائے۔ استعمال سے پہلے دودھ کو ابال لیا جائے۔ دودھ میں جو پانی ملایا جائے وہ بھی ابال لیا جائے یا دودھ ابالنے سے پہلے شامل کر لیا جائے تاکہ دودھ کے ساتھ پانی میں بھی ابال آ جائے۔ دودھ کو بوتل میں بھرنے کے بعد دھوپ میں نہ رکھا جائے اس لیے کہ سورج کی روشنی سے وٹامن بی کا قیمتی جوہر ضائع ہو جاتا ہے' جو بچے کی نشوونما کے لیے ضروری ہے۔

ماں کے دودھ کے مقابلے میں حیوانی دودھ میں مٹھاس کم ہوتی ہے۔ پانی ملانے سے وہ اور بھی کم ہو جاتی ہے۔ اس لیے مٹھاس کی مقدار کو پورا کرنے کے لیے حسب ضرورت شکر ملا لینا چاہیے۔

ڈبے کا دودھ

ماں اور گائے کے دودھ کے بجائے بہت سی جگھوں پر ڈبے کا دودھ (انفسٹ فوڈ) پلانے کا معمول ہے۔ ڈبے کا دودھ اس طرح تیار کیا جاتا ہے کہ کسی محفوظ برتن میں دودھ کو بھر کر اتنا پکایا جائے کہ اس کا سارا پانی اڑ جائے اور جراثیم (بکٹیریا) بالکل مر جائیں اس کو "اڑا ہوا دودھ" کہتے ہیں۔ اس کو گاڑھا اور پھیکا دودھ بھی کہا جاتا ہے۔ اس دودھ میں پانی ملانے کی خاص طور پر ضرورت ہے۔ کیونکہ یہ عام دودھ سے دوگنی قوت رکھتا ہے۔ آگ پر پکانے کی وجہ سے اس دودھ کے حیاتین ج (Vitamin_ D) ضائع ہو جاتے ہیں۔ جب کہ پیدائش کے دوسرے مہینے سے شیر خوار بچے کو پانچ ملی گرام حیاتین کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ حیاتین ج کی اس کمی کی تلافی

چائے کے چمچے کے بقدر نارنگی یا ٹماٹر کے رس وغیرہ سے کی جا سکتی ہے۔ یہ دودھ پھیکا ہوتا ہے اس لیے حسب ضرورت شکر ملا لینا چاہیے۔ گائے کے دودھ کے مقابلے میں ڈبے کے دودھ کے استعمال کی سفارش کی جا سکتی ہے۔

اگر کسی مجبوری کی وجہ سے بچے کی پرورش اوپر کے دودھ سے کی جائے تو ماں کو چاہیے کہ اسے مادرانہ شفقت سے محروم نہ رکھے۔ ماں اپنی آغوش میں لے کر اسے پیار کرے' اپنی چھاتی سے لگائے۔ بازو سے پکڑ کر اوپر نیچے اٹھائے تاکہ بچے میں مادرانہ شفقت سے محرومی کا احساس پیدا نہ ہو سکے کیونکہ محرومی کا احساس بچے میں بہت سی خرابیوں کے پیدا ہونے کا باعث ہو سکتا ہے۔ انگلستان میں ایک شفاخانے میں تجربے سے یہ معلوم ہوا کہ جن بیمار بچوں کے تندرست ہونے پر ان سے لاڈ پیار نہ کیا گیا بلکہ انہیں گاڑی میں لٹا کر تھوڑی سی سیر کرا دی گئی اور اسپتالوں کے مخصوص معمولات کو پورا کر دیا گیا' ان بچوں کا وزن نہ بڑھ پایا' لیکن جب انہیں بچوں سے لاڈ پیار کیا گیا' انہیں خوب محبت و شفقت سے نوازا گیا۔ انہیں ہاتھوں سے اوپر نیچے اٹھایا گیا تو ان کے وزن میں بڑی تیزی سے اضافہ ہوا۔

منجمد دودھ

اڑھے ہوئے دودھ کی طرح منجمد دودھ (کنڈینسڈ ملک) بھی بنایا جاتا ہے۔ اس کو کم درجہ حرارت پر تیار کیا جاتا ہے' تیاری کے دوران اس میں گنے کا رس بھی شامل کیا جاتا ہے تاکہ مٹھاس کی کمی کی تلافی ہو سکے۔ شکر کی زیادتی کے سبب اس میں چربی نمک اور لحمی اجزاء کم ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے اڑھے ہوئے دودھ کے مقابلے میں اس کو ترجیح نہیں دی جا سکتی۔

خشک دودھ

یہ دودھ اس قدر درجہ حرات پر پکایا جاتا ہے کہ بالکل خشک ہو جاتا ہے اور سفوف کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ عموماً بازار میں ادنیٰ قسم کے دودھ سے تیار کیے ہوئے سفوف ملتے ہیں' اس لیے خشک دودھ کے استعمال میں بہت احتیاط سے کام لینا چاہیے اور وہی سفوف استعمال کرنا چاہیے' جو قابل اعتماد ہو اور اعلیٰ قسم کے دودھ سے تیار کیا گیا ہو۔ خشک دودھ میں آٹھ گنا پانی ملا کر بچے کو استعمال کرانا چاہیے۔

بیرونی دودھ کے استعمال میں ضروری احتیاطیں

جس ڈبے یا برتن میں بچے کا دودھ رکھا جائے' اس کو کھلا نہ چھوڑا جائے تاکہ مضر اثرات اور جراثیم سے محفوظ رہے۔ دودھ کے ڈبے اور برتن کو ہمیشہ صاف خشک اور ٹھنڈی جگہ پر رکھنا چاہیے' بوتل میں دودھ انڈیلنے سے پہلے یہ اطمینان کر لیا جائے کہ بوتل پوری طرح صاف ہے۔ دودھ بوتل میں قیف کے ذریعے ڈالا جائے۔ آٹھ اونس (ایک پاؤ) دودھ میں چار اونس (آدھا پاؤ) ابلا ہوا پانی ملایا جائے۔ دودھ کو عموماً پانچ منٹ تک ابالا جائے۔ ایک پاؤ دودھ میں عام طور سے ایک چمچہ شکر ملائی جائے۔ دودھ پلانے کے بعد بوتل کو اسی وقت اچھی طرح صاف کر کے رکھ دیا جائے۔ چوسنی کو گرم پانی میں ابال کر صاف کر کے رکھ دیا جائے۔ بوتل کا بچا ہوا دودھ بچے کو دوبارہ استعمال نہ کرایا جائے۔ ہر بار نیا دودھ تیار کر کے استعمال کرایا جائے۔ اگر جانور کا دودھ استعمال کرایا جائے تو جانور کے تھنوں کو دوہنے والے ہاتھوں کو اور دودھ کے برتن کو خوب اچھی طرح صاف کر لیا جائے۔ ہمارے ہاں بازاری دودھ کی جو حالت ہے وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ اس کے استعمال سے بچنے کی کوشش کرنا چاہیے۔

دودھ پلانے کے لیے ضروری سامان ہر وقت ماں کے پاس رہنا چاہیے اور دودھ کو کسی ایسے جالی دار بکس میں رکھا جائے' جس میں مکھی مچھر داخل نہ ہو سکیں اور خالی بوتل کو بھی اسی جالی میں اس طرح لٹکا دیا جائے کہ بوتل کا منہ نیچے اور پیندا اوپر ہو' تاکہ بوتل اچھی طرح خشک ہو جائے۔ بوتل صاف کرنے کے لیے ایسا برش رکھنا چاہیے' جو بوتل کی تلی کو بھی اچھی طرح صاف کرے۔ اسی طرح چمچہ قیف اونس کے نشان لگی ہوئی پیالی' شکر دانی اور چوسنی کو ہر بار ابال کر رکھا جائے۔ بوتل کو گرم پانی سے صاف کر کے دھویا جائے۔

اگر بچہ ماں کے دودھ سے پوری غذا حاصل نہیں کر پا رہا ہے' تو اسے ماں کے دودھ کے ساتھ اوپر کا دودھ بھی استعمال کرایا جائے۔ اسے "مخلوط رضاعت" کہا جا سکتا ہے۔ مخلوط رضاعت کے سلسلے میں اس بات کا خصوصی دھیان رکھا جائے کہ مقررہ وقت پر ماں

بچے کو جتنا دودھ پلا سکتی ہو' اس کو پلا دے اور باقی غذا اوپر کے دودھ سے اسی وقت پوری کر دی جائے۔ عام طور سے ہمارے گھروں میں یہ طریقہ رائج ہے کہ پہلے بچہ ماں کا دودھ جتنا حاصل کر سکتا ہے حاصل کرے پھر وقفے کے بعد اسے اوپر کا دودھ دیا جائے۔ یہ طریقہ درست نہیں ہے۔ اس سے بچے کی صحت پر برا اثر پڑتا ہے۔ عمر اور خوراک کی مقدار کے اعتبار سے بچے کو ایک بار میں جتنی غذا ملنی چاہیے' وہ پوری غذائیت اسی وقت دی جائے۔ ماں کے دودھ کے فورا بعد ہی بقیہ غذا تیار کیے ہوئے دودھ سے پوری کر دی جائے۔

آج کل بازاروں میں فروخت ہونے والی چوسنی کا عام رواج ہوتا جا رہا ہے۔ اسے فیشن تصور کیا جاتا ہے کہ شکر یا شہد سے بھری ہوئی چوسنی سے بچے کو بہلایا جائے۔ بچہ جوں ہی رونا شروع کرے' اس کے منہ میں چوسنی دے کر اسے خاموش کر دیا جائے۔ چوسنی سے بیرونی اثرات و جراثیم بچے کے پیٹ میں پہنچتے ہیں اور بہت سے امراض کے پیدا ہونے کا قوی خطرہ موجود رہتا ہے۔ اس لیے چوسنی کے استعمال سے پرہیز بہتر ہے۔

اگر بھوک نہ لگے تو

دیکھا گیا ہے کہ ایک بچہ جو اب تک بڑی رغبت سے اپنی خوراک کی بقدر کھاتا رہا ہے۔ اچانک اس کی بھوک کم ہو گئی یا اس نے کھانا پینا بالکل چھوڑ دیا۔ ایسی صورت میں مختلف پہلوؤں سے بچے کی صحت اور نفسیات کا جائزہ لینا چاہیے۔ یہ صورت حال کسی بیماری کی وجہ سے بھی پیش آ سکتی ہے۔ خصوصاً کالی کھانسی کے عارضے میں بچہ رغبت سے کھانا نہیں کھا پاتا۔ ایسی صورت میں اچھے ڈاکٹر کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

بھوک کی کمی کی وجہ موسم کی خرابی بھی ہو سکتی ہے۔ خصوصاً شدید گرمی میں بھوک کم لگتی ہے۔ ایسی حالت میں بچے کو گرمی سے بچانے اور اسے آرام پہنچانے کی ضرورت ہے۔ موسم معتدل ہو جانے پر بچہ خوراک بھرپور طور پر کھانے لگتا ہے۔ کھانے میں بے اعتدالی اور عمل انہضام میں خرابی واقع ہونے سے بھی بھوک کم ہو جاتی ہے۔ معمولی توجہ دینے اور ڈاکٹر کے مشورے سے اس صورت حال پر قابو پایا جا سکتا ہے۔

اگر بچے کی بھوک کی کمی کا سبب کوئی بیماری' موسم کی خرابی یا کھانے میں بے اعتدالی نہیں ہے' تو اسکا عین امکان ہے کہ بچہ نفسیاتی مریض ہے۔ ایسی صورت میں مختلف نفسیاتی پہلوؤں کا جائزہ ضروری ہے۔ کہیں بچہ رنج و غم میں تو مبتلا نہیں ہے؟ وہ یہ دیکھ کر کڑھتا تو نہیں ہے کہ اس کے ماں باپ کی توجہ اس کے بھائی بہن کی طرف زیادہ ہے۔ اس کے بھائی بہن اسے پریشان تو نہیں کرتے یا اس کا کوئی ہم عمر اسے ستاتا تو نہیں؟ ماں باپ میں باہمی چپقلش اور لڑائی جھگڑا تو نہیں ہوتا؟ پڑوس کے لوگ اس کے گھر والوں کو تنگ تو نہیں کرتے؟ اس کی جائز خواہشوں پر پابندی تو نہیں لگائی جاتی؟ دوسرے بچے اسے کسی بات پر طنز و تعریض تو نہیں کرتے؟ اگر مذکورہ بالا محرکات میں سے کوئی محرک موجود ہو تو فوراً اس کا تدارک کیا جائے۔ کچھ ایسے اسباب بھی ہو سکتے ہیں جن تک آپ کی رسائی نہیں ہو سکتی تو آپ مختلف قسم کے لذیذ کھانے تیار کر کے دسترخوان پر لگائیں اور رغبت سے کھانے والے بچوں کو اپنے ساتھ بٹھائیں۔ ممکن ہے کہ آپ کا بچہ بھی دوسرے بچوں کی دیکھا دیکھی رغبت سے کھائے۔ جب باپ سودا سلف لینے کے لیے بازار جائے تو اپنے بچے کو بھی ساتھ لے جائے۔ اس بات کا عین امکان ہے کہ بازار میں مختلف قسم کی مٹھائیاں اور پھل وغیرہ دیکھ کر بچے کی اشتہا جاگ اٹھے اگر آپ یہ تمام تدابیر اختیار کرنے کے بعد بھی یہ محسوس کرتے ہیں کہ بچہ عمر اور صحت کے لحاظ سے اپنی خوراک سے کم کھا رہا ہے تو کسی ماہر نفسیات یا ماہر اطفال ڈاکٹر کی طرف رجوع کیجئے۔

ماں باپ کی یہ ذمے داری ہے کہ وہ گھر کے ماحول کو نہایت پر سکون بنائے رکھیں۔ تلخی' گھٹن' باہمی رنجش' چپقلش سے بچے کی صحت و خوراک بری طرح متاثر ہوتی ہے۔ بچے میں خوف حسد اور افسردگی کے جذبات ابھرنے سے بھی بھوک اور صحت پر برا اثر پڑتا ہے۔ اگر ماں یہ دیکھے کہ اس کا بچہ کسی چیز سے گھبرا رہا ہے تو فوراً اسے بازو میں تھام لے۔ اگر بچہ کسی وجہ سے مضمحل اور افسردہ نظر آ رہا ہے تو اسے محبت و پیار سے گود میں اٹھا لے۔ اگر بچہ یہ محسوس کر رہا ہے کہ بھائی بہن کے مقابلے میں اس کی طرف کم توجہ

دی جا رہی ہے تو اسے بھرپور محبت اور پیار دیں تاکہ اس کا یہ احساس ختم ہو جائے۔

ماں باپ مختلف قسم کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں ان کی یہ بھی ذمے داری ہے کہ وہ نفسیات اور تعلیم و تربیت سے متعلق کتابوں کا بھی مطالعہ کرتے رہیں تاکہ بچوں کی راہنمائی کا فریضہ صحیح طور پر انجام دے سکیں۔

صاف پانی پانی انسانی زندگی کا ایک ضروری جز ہے۔ انسان کے کل وزن کا دو تہائی حصہ تقریباً پانی پر مشتمل ہوتا ہے۔ انہضام غذا کے بعد پانی اس کو جسم میں تحلیل کرتا ہے۔ ہضم شدہ غذا کے قوت بخش اجزاء کو جذب کرتا ہے۔ جسم سے فاسد مادوں کو خارج کرنے اور دوران خون کو صحیح رکھنے میں مدد دیتا ہے۔ پانی سے معدہ' آنتیں اور نالیاں وغیرہ دھل کر صاف ہو جاتی ہیں۔ روزانہ انسان کا جسم تقریباً آدھا گیلن (سوا سیر) پانی آنتوں 'گردوں' آوں اور جلد سے خارج کرتا ہے۔ پانی کی اس کمی کا روزانہ پورا ہونا ضروری ہے۔ غذا سے اس کمی کا پون حصہ پورا ہو جاتا ہے اور باقی حصہ پینے کے پانی سے پورا کیا جانا ضروری ہے۔ ہر آدمی کو شب و روز میں تقریباً ڈیڑھ سیر پانی پینا پڑتا ہے۔

اس بات پر خصوصی توجہ دینی چاہیے کہ پینے کا پانی نہایت صاف شفاف ہو' صاف پانی کی پہچان یہ ہے کہ اس میں کسی طرح کا رنگ' مزہ اور بُو نہ ہو۔ گندا پانی صحت کے لیے نہایت مضر ہے۔ متعدی بیماریاں اس سے پھیلتی ہیں۔ فلٹر کیا ہوا پانی ہلکا اور مضر اثرات سے پاک ہوتا ہے۔ اس لیے اس کا استعمال بہتر ہے۔ ہینڈ پمپ (نل) کا پانی استعمال کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ وہ جالی سے چھن کر آتا ہے البتہ کنویں کے پانی کے استعمال میں احتیاط کی ضرورت ہے۔ اگر کنویں کا منہ کھلا رہتا ہے' تو اس کا پانی عموماً اُبال کر استعمال کرنا چاہیے کیونکہ ہوا کے ذریعے درختوں کے پتے' گرد و غبار' مٹی اور گوبر کے اجزا کنویں کے پانی میں شامل ہو جاتے ہیں۔ خصوصاً برسات کے موسم میں کنویں کے پانی کے استعمال میں زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ البتہ ایسے کنویں کا پانی ابالے بغیر استعمال کیا جا سکتا ہے جس کا منہ لکڑی کے تختوں سے بند ہو اور پانی ہینڈ پمپ وغیرہ کے ذریعہ نکالا جائے۔

لوگ گرمی میں برف ملا کر پانی کو ٹھنڈا کر کے استعمال کرتے ہیں' لیکن زیادہ ٹھنڈا پانی پینا بھی بہتر نہیں ہے۔ خاص طور پر گرم کھانا کھانے کے بعد زیادہ ٹھنڈا پانی پینا دانتوں کے لیے مضر ثابت ہوتا ہے۔ پانی کو صرف اسی حد تک ٹھنڈا کیا جائے کہ وہ خوش گوار محسوس ہو اور پیاس بجھا سکے اگر پانی کو گھڑے یا صراحی میں رکھ کر ٹھنڈا کیا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ وبائی امراض کے زمانے میں پانی ابال کر استعمال کرنا چاہیے۔

کھانے کے دوران پانی کم سے کم پیا جائے تو بہتر ہے اگر کھانا سکون و اطمینان کے ساتھ اور چبا چبا کر کھایا جائے تو پانی کی زیادہ ضرورت نہیں محسوس ہو گی۔ کھانے کے ایک گھنٹہ بعد سیر ہو کر پانی پینا چاہیے۔ تمام پانی ایک سانس میں غٹا غٹ کر لینے کے بجائے اطمینان سے تین سانس میں پیا جائے۔

پینے کے پانی میں گندے ہاتھ نہ ڈالے جائیں' اگر بڑے برتن سے گلاس میں پانی لینا ہو تو احتیاط سے انڈیل کر لیا جائے یا ڈونگے وغیرہ سے حسب ضرورت پانی نکال کر گلاس میں ڈال لیا جائے۔ حدیث و فقہ کی کتابوں میں پانی کی پاکی کا بیان اور اس کے تفصیلی احکام سے آپ یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اسلام نے پانی کے استعمال سے متعلق بھی ہماری مکمل رہنمائی فرمائی ہے اور پانی کے استعمال کے سلسلے میں ہمیں اسلامی احکام و مسائل کو ملحوظ رکھنا چاہیے تاکہ ہماری صحت پر مضر اثرات بھی نہ پڑیں اور سنت رسول پر عمل آوری کا اجر بھی حاصل ہو جائے۔

کھانے پینے کے آداب

بچے کی شخصیت کی تعمیر میں کھانے پینے کی ابتدائی تربیت کا بڑا دخل ہے۔ اس لیے والدین کو چاہیے کہ وہ بچے کو کھانے پینے کے آداب سے روشناس کرانے کے ساتھ اسے دسترخوان پر مل جل کر کھانے کے مواقع فراہم کریں تاکہ بچہ معاشرتی اختلاط کے آداب و اصول سے بھی واقف ہو سکے اور اجتماعی طور پر کھانے پینے کے مہذب طریقے کا عادی بھی۔ کھانا کھانے کے دوران بچہ اگر ناشائستہ طریقہ اختیار کرتا ہے تو اسے نہایت محبت اور پیار سے سمجھا بجھا دیا جائے۔ ایک بار ابن ابو سلمہ رضی اللہ عنہ اپنے بچپن میں پیارے نبی ﷺ کے ساتھ کھانا کھا

رہے تھے۔ ان کا ہاتھ پلیٹ میں اِدھر اُدھر گھوم رہا تھا۔ پیارے نبی ﷺ نے اس ناشائستہ حرکت پر ابن ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کو پیار بھرے انداز میں متنبہ فرمایا۔ آپ ﷺ نے منفی انداز میں گفتگو کرنے کے بجائے مثبت انداز میں نصیحت کی اور ساتھ ہی کھانے کے دوسرے آداب بھی بتائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((یَا غُلَامُ سَمِّ اللّٰہَ وَ کُلْ بِیَمِینِكَ وَ کُلْ مِمَّا یَلِیكَ))

"اے بچے (جب کھانا کھا تو پہلے) اللہ کا نام لے، داہنے ہاتھ سے کھا اور اپنی طرف سے کھا۔"[1]

(1) بچے کو اس بات کا عادی بنایا جائے کہ وہ کھانا کھانے سے پہلے اور کھانا کھانے کے بعد ہاتھ منہ اچھی طرح صاف کرے۔

(2) بچے کو اس بات کا عادی بنایا جائے کہ وہ بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرے اور اگر بسم اللہ بھول جائے تو یاد آنے پر بِسْمِ اللّٰہِ فِی اَوَّلِهٖ وَ آخِرِهٖ پڑھ لے۔[2]

(3) بچے کو ہمیشہ سیدھے ہاتھ سے کھلائیے پلائیے اور اسے بھی سیدھے ہاتھ سے کھانے پینے کا عادی بنائیے البتہ ضرورت کے وقت یا کسی مجبوری کی وجہ سے بائیں ہاتھ سے بھی کام لیا جا سکتا ہے۔

(4) کھانا خوب چبا چبا کر کھایا جائے۔ اس سے کھانا اچھی طرح ہضم ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے دانت اسی لیے دیے ہیں۔ دانتوں کی صحت اور مضبوطی کے لیے اگر ان کو صاف رکھنا ضروری ہے تو ان سے چبانے کا بھرپور کام لینا بھی ضروری ہے ورنہ دانت

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الاطعمۃ۔ باب التسمیۃ علی الطعام والاکل بالیمین، (ح ۵۳۷۶)۔ صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ: باب آداب الطعام و الشراب، (ح ۲۰۲۲)۔

[2] سنن ابوداود، کتاب الاطعمۃ: باب التسمیۃ علی الطعام، (ح ۳۷۶۷)۔ سنن ترمذی، کتاب الاطعمۃ: باب ماجاء فی التسمیۃ علی الطعام، (ح ۱۸۵۸)۔ مسند احمد (۱۴۳/۶، ۲۴۶، ۲۶۵) عمل الیوم واللیۃ (۲۸۱) حاکم (۱۰۸/۴) ابن حبان (۱۳۴۰)

کم زور پڑ جائیں گے۔

﴿۵﴾ کھڑے ہو کر کھانا پینا معیوب ہے۔ بیٹھ کر کھانے پینے کی عادت ڈلوائیے۔

﴿۶﴾ بچے کو درمیانی لقمے کھلائیے نوالہ نہ زیادہ بڑا ہو اور نہ بالکل چھوٹا۔ ایک نوالہ نگلنے کے بعد ہی دوسرا نوالہ منہ میں دیجئے۔

﴿۷﴾ کھانے کو زمین پر نہ گرنے دیا جائے۔ اگر کوئی چیز زمین پر گر جائے تو اسے دھو کر استعمال کر لیا جائے۔

﴿۸﴾ کھانے پینے کی چیزیں بہت احتیاط سے استعمال کرنے کی عادت ڈالیے۔ بعض بچے کھانا کھاتے وقت کپڑے گندے کر لیتے ہیں۔ بعض بچے کھانا کھانے کے بعد منہ اپنے لباس سے صاف کر لیتے ہیں۔ اس طرح کی کوئی بھی عادت بچے میں نہ پڑنے دیجئے۔

﴿۹﴾ بازار میں یا شاہراہوں پر کھانے پینے سے پرہیز کیجئے اور اپنے بچوں کو بھی اس سے پرہیز کی تلقین کیجئے۔

﴿۱۰﴾ بچے کو ہر قسم کا کھانا کھانے کی عادت ڈالیے۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ والدین کو جو چیزیں مرغوب نہیں ہوتیں وہ اپنے بچے کو بھی استعمال نہیں کرنے دیتے۔ کوشش کیجئے کہ آپ کا بچہ ہر حلال اور جائز چیز کو خوش دلی سے کھانے کا عادی بن سکے تاکہ وہ زندگی کے ہر موڑ پر کامیاب زندگی گزار سکے۔

﴿۱۱﴾ اچھی چیزیں کھا کر دوسروں کو للچانا یا دوسروں کو دکھا دکھا کر کھانا بری بات ہے۔ غیر تربیت یافتہ گھرانوں کے بچے عموماً ایسا کرتے ہیں۔ اپنے بچوں کو اس بات کا عادی بنائیے کہ وہ دوسروں کو للچانے یا دوسروں کو دکھا کر کھانے سے پرہیز کریں۔

﴿۱۲﴾ ٹھیلوں، فٹ پاتھوں اور گندے ہوٹلوں کی چیزیں کھانے سے پرہیز کیجئے ان پر مکھیاں اور مچھر بیٹھ کر بیماری کے جراثیم پھیلاتے ہیں۔ زیادہ چٹپٹی اور مسالہ دار چیزیں بھی معدہ کے لیے نقصان دہ ہیں۔ باسی اور سڑی گلی چیزیں تو قریب بھی نہ آنے دیجئے۔

﴿۱۳﴾ بچے کو بتائیں کہ وہ پانی یا کوئی مشروب پیتے ہوئے یہ خیال رکھے کہ کھڑا ہو کر نہ پیئے اور نہ ہی مشروب کو تین سانسوں سے کم میں پیئے اور نہ ہی پی جانے والی چیز میں پھونک مارے۔

﴿۱۴﴾ کھانا کھانے کے بعد بچے کو جامع مفہوم پر مبنی یہ مسنون دعا سکھائی جائے:

((اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَ وَ سَقٰی وَ سَوَّغَهُ وَ جَعَلَ لَهُ مَخْرَجًا))

"تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے کھلایا اور پلایا اور اسے برابر کیا اور اس کے نکلنے کا راستہ بنایا۔"[1]

﴿۱۵﴾ بچے کو ٹیک لگا کر کھانا کھانے سے منع کریں اور بچے کو سب کے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلائیں، اس طرح کھانے سے باہمی الفت و محبت میں اضافہ بھی ہوتا ہے اور برکت بھی۔

﴿۱۶﴾ گرم کھانا نہ کھلائیں اور ہمیشہ بیٹھ کر کھلائیں اور پانی بھی۔ بچے کو بہت ٹھنڈا پانی بھی نہ پلائیں۔

تازہ ہوا صحت کے لیے صاف ستھری اور تازہ ہوا کا ملنا بہت ضروری ہے۔ ہوا ہمیں دکھائی تو نہیں دیتی مگر بدن پر لگتے ہوئے محسوس ہوتی ہے۔ صاف پانی کی طرح صاف ہوا میں نہ تو کوئی رنگ ہوتا ہے نہ مزہ اور نہ بُو۔ ہوا میں کئی گیسیں ہوتی ہیں مگر ان میں دو خاص ہیں:

﴿۱﴾ آکسیجن ۲۱ فیصد ﴿۲﴾ نائٹروجن ۷۸ فیصد۔

باقی ایک فیصد میں کم آرگن، کاربن ڈائی آکسائڈ، پانی کے بخارات اور مٹی کے ذرات وغیرہ۔

آکسیجن گیس چیزوں کے جلنے میں مدد دیتی ہے اور نائٹروجن گیس آکسیجن کو قابل استعمال اور معتدل بناتی ہے۔ آکسیجن کا ملنا زندگی کے لیے بہت ضروری ہے۔ اسی سے

---

[1] سنن ابوداود (ح ۳۸۵۱) عمل الیوم واللیلۃ (۲۸۵) ابن السنی (۴۷۰) موارد الظمآن (۱۳۵۱)۔

خون میں گرمی اور جسم میں حرارت رہتی ہے اور یہ جسم کے اندر کے زہریلے مادے کو گیس بنا کر باہر نکالتی ہے۔

ہوا حلق اور ناک کے ذریعے پھیپھڑوں کے چھوٹے چھوٹے خانوں تک پہنچتی ہے ان خانوں کی نالیوں میں جو میل کچیل زہریلی اور خراب چیزیں جمع ہو جاتی ہیں' تازہ ہوا خراب چیزوں کو ساتھ لے کر واپس آتی ہے اور تازہ آکسیجن پھیپھڑوں کے حوالے کر دیتی ہے۔ یہ آکسیجن خون کو صاف کر دیتی ہے اور یہ صاف خون شرائین کے ذریعے تمام جسم میں گردش کرتا رہتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو ہوا سانس کے ذریعے باہر نکلتی ہے وہ گندی اور زہریلی ہوتی ہے۔ آپ سوچئے کہ اگر انسان گندی ہوا کو سانس کے ذریعے اندر لے جائے تو پھیپھڑوں کو خون صاف کرنے کے لیے نہ تو آکسیجن ملے گی اور نہ یہ اندر کی زہریلی اور گندی چیزوں کو اپنے ساتھ واپس لا سکتی ہے بلکہ خون کو مزید گندا اور زہریلا بنا دے گی۔ گندی ہوا سے اجتناب اور خالص و صاف ہوا حاصل کرنے کے لیے درج ذیل ہدایتوں پر عمل کرنا ضروری ہے:

- سوتے وقت بچے کا منہ نہ ڈھانپیے ورنہ گندی ہوا بار بار سانس کے ذریعے اندر جائے گی اور پھیپھڑوں کو تازہ ہوا نہ مل سکے گی۔
- بچے کو بالکل اندر کمرے میں نہ سلائیے۔ کھڑکیاں وغیرہ ضرور کھلی رکھیے تاکہ بچے کو تازہ ہوا ملتی رہے۔ عام طور پر سردیوں میں کمرے کی کھڑکیاں وغیرہ بالکل بند کر دی جاتی ہیں تاکہ ٹھنڈی ہوا اندر نہ آسکے۔ یہ نہایت خطرناک ہے۔ تازہ ہوا کا کمرے کے اندر آنا ضروری ہے۔ اس لیے روشن دان یا کھڑکی ضرور کھلی رکھیے۔
- یہ آپ جانتے ہی ہیں کہ آگ کے جلنے سے آکسیجن خرچ ہوتی ہے اور کاربن ڈائی آکسائڈ ہوا میں شامل ہو کر ہوا کو خراب کر دیتی ہے۔ لوگ سردیوں میں کمرے بند کر کے انگیٹھی وغیرہ سلگا دیتے ہیں' جس کی وجہ سے کمرے میں موجود آکسیجن ختم ہو جاتی ہے اور تمام ہوا گندی ہو جاتی ہے۔ یہ طریقہ بہت غلط ہے۔ انگیٹھی یا

ہیٹر وغیرہ جلانا ضروری ہو تو کمرے کی کھڑکی وغیرہ ضرور کھلی رکھی جائے۔

- ایسی جگہ سے خود بھی بچئے اور بچے کو بھی بچائیے جہاں بھیڑ ہو اور کثرت سے لوگ موجود ہوں کیونکہ ان کے منہ سے جو گندی ہوا نکلتی ہے وہ وہاں کی موجود صاف ہوا کو گندا کر دیتی ہے۔ باہر سے آنیوالی کم مقدار میں تازہ ہوا سب کے لیے کافی نہیں ہو سکتی۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ ایسے موقعے پر جی گھبرانے لگتا ہے اور سر چکرانے لگتا ہے۔
- چیزوں کے گلنے سڑنے سے بدبودار اور زہریلی گیس ہوا میں شامل ہو کر ہوا کو گندا کر دیتی ہے۔ اس لیے غلاظت کی جگہوں سے پرہیز کیجئے۔ رہنے سہنے اور اٹھنے بیٹھنے کی جگہ کو گندگی کے ڈھیر' جانوروں کے گوبر اور سڑی ہوئی چیزوں سے پاک صاف رکھیے۔
- گرد و غبار سے بھی ہوا گندی ہو جاتی ہے اس لیے بچے کو ایسی جگہ سے بچائے رکھیے جہاں گرد و غبار اڑتا ہو یا کوڑے کرکٹ کا ڈھیر موجود ہو۔
- بیمار آدمی کے آس پاس کی ہوا بھی بہت جلد خراب ہو جاتی ہے۔ خاص طور پر متعدی بیماریوں کے جراثیم ہوا میں شامل ہو کر اسے مضر صحت بنا دیتے ہیں۔ اس لیے بیمار آدمی سے بچے کو دور رکھیے۔
- پاک و ہند کے دیہاتوں اور شہروں میں نالیاں سڑتی رہتی ہیں۔ سڑکوں اور گلیوں میں غلاظت کے ڈھیر تعفن پھیلاتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے ہوا ہر وقت گندی ہوتی رہتی ہے اور صاف ہوا بہت ہی کم مل پاتی ہے۔ اس طرف خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔
- گھر میں صفائی کا خاص اہتمام کیجئے۔ بیت الخلاء وغیرہ رہائش سے فاصلہ پر بنائیے۔ کوڑا اور بچی کھچی چیزیں وغیرہ ڈالنے کے لیے ڈھکنے دار ڈبہ صحن کے ایک کونے میں رکھ لیجئے جس کی صبح و شام صفائی کرتے رہیے۔
- کھلی اور کشادہ جگہ مثلاً پارک' باغیچہ' کھیت کھلیان وغیرہ میں چہل قدمی کا موقع ملنا

چاہیے اور ہلکی پھلکی ورزش بھی ہونی چاہیے کہ پھیپھڑوں کو تازہ ہوا کافی مقدار میں مل سکے۔ بچوں کے لیے دوڑنا' اچھلنا' کودنا' کھلکھلا کر ہنسنا اور گیند وغیرہ اچھالنا بہت مفید ہے۔ اس سے بچوں کے پھیپھڑے گندی ہوا کافی مقدار میں باہر پھینکیں گے اور تازہ ہوا اندر لے جائیں گے۔

- پیڑ پودے بھی گندی ہوا صاف کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھیے کہ جان دار جو گندی ہوا سانس کے ذریعے باہر نکالتے ہیں اسے پیڑ پودے اپنے اندر جذب کر لیتے ہیں۔ یہ ان کی غذا کا بڑا حصہ ہے اور پھر آکسیجن باہر پھینکتے ہیں۔ اپنے گھر کے صحن میں چند پیڑ پودے ضرور لگائے رکھیے تاکہ یہ گھر کی گندی ہوا کو جذب کرتے رہیں اور تازہ ہوا باہر پھینکتے رہیں۔
- سورج کی روشنی اور کرنیں بھی بیماریوں کے جراثیم اور ہوا کی گندگی کو دور کرتے ہیں اس لیے اپنی رہائش کی جگہ میں روشنی اور سورج کی شعاعوں کے گزر کے لیے گنجائش رکھیے۔
- قدرت نے ہوا کی صفائی کا یہ بھی بندوبست کیا ہے کہ خود آکسیجن ہوا کی گندگی کو منتشر اور ختم کر دیتی ہے۔ اسی طرح ہوا کے چلتے رہنے سے بھی گندگی صاف ہوتی رہتی ہے۔ بارش کے ہونے سے بھی مضر صحت گیس اور گرد و غبار ختم ہو جاتی ہے۔

مختصر یہ کہ اچھی صحت کے لیے صاف ستھری ہوا کا ملتے رہنا نہایت ضروری ہے اور اسے حاصل کرنے کے لیے تمام امکانی تدابیر اختیار کرتے رہنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے "ہوا" کو اپنی نعمتوں میں شمار کر کے اور اپنی کتاب میں بار بار اس کا تذکرہ کر کے اس کی افادیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

صفائی ستھرائی

صحت اور صفائی دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ اچھی صحت کے لیے ہر قسم کی صفائی اور ستھرائی ضروری ہے۔ غلاظت اور گندگی سے مختلف بیماریاں پیدا ہوتی اور بڑھتی ہیں۔ اسلام نے بھی طہارت و صفائی کا حکم دیا ہے۔ وضوء اور غسل کے احکام سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام صفائی پر کس قدر زور دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں واضح کر دیا ہے کہ وہ پاک صاف رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے صفائی کو آدھا ایمان قرار دیا ہے۔[1]

صحت کے لیے ضروری ہے کہ انسان جسم، لباس، رہائش گاہ اور گرد و پیش کی صفائی کا اہتمام کرے۔ ان میں سے کسی کی صفائی کی طرف سے غفلت صحت کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔

جسم کی صفائی انسان کے بدن سے طرح طرح کے فضلے اور زہریلے مادے پیشاب پاخانے، بلغم اور پسینے کی شکل میں نکلتے رہتے ہیں اگر یہ فضلہ اور زہریلا مادہ انسان کے جسم سے خارج نہ ہو سکے تو آدمی یقیناً بیمار ہو جائے گا۔ فضلہ اور گندگی کا اخراج اسی وقت ہو سکتا ہے جب ان کے نکلنے کے راستے صاف اور کھلے ہوں اگر گندگی نکلنے کے راستے بند ہو جائیں تو گندگی کس طرح باہر آ سکتی ہے۔ بول و براز کے راستوں کے علاوہ گندگی اور فضلہ پسینہ کی شکل میں جسم کے ان چھوٹے چھوٹے سوراخوں سے باہر نکلتا ہے جنہیں "مسامات" کہا جاتا ہے۔ اندر سے نکلنے والا فضلہ اور کچھ باہر کا گرد و غبار جو اڑ کر جسم پر پہنچتا ہے ان مسامات کو بند کر دیتا ہے اگر ان مسامات کو صاف نہ کیا جائے تو جسم کی آئندہ نکلنے والی غلاظت راستہ نہ پا کر جسم کے اندر ہی سڑتی رہتی ہے جس

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الطھارۃ: باب فضل الوضوء (ح ۲۲۳)

کی وجہ سے متعدد خطرناک امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ جسم پر جمی ہوئی غلاظت کو دور کرنے اور مسامات کو صاف رکھنے کے لیے نہانا ضروری ہے۔

بڑوں اور بچوں سب کو اپنی صحت کے لیے غسل کی ضرورت ہے چونکہ بچے بڑوں کے مقابلے میں گرد و غبار سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں اس لیے بچوں کے لیے نہانا زیادہ ضروری ہے۔ چھوٹے بچوں کو مائیں نہایت احتیاط سے نہلائیں۔ بچوں کو نہلانے کے لیے مناسب گرم پانی استعمال کیا جائے۔ ابلے ہوئے پانی میں ایک چمچے کے بقدر بوراسک ملا لیا جائے۔ روئی کے ٹکڑوں سے بچوں کے نازک اعضا کو اچھی طرح دھویا جائے۔ چھوٹے بچے کو نہلاتے وقت اس کی آنکھ اور منہ کے اندر کے حصے کو صاف نہ کیا جائے۔ آنسو اور رال خود ان حصوں کو دھو دیتے ہیں۔ ہفتے میں ایک دفعہ صابن سے اور باقی دنوں میں صرف گرم پانی سے نہلایا جائے۔ موسم گرما میں روزانہ کم از کم ایک بار بچے کو نہلایا جائے۔ البتہ سردی میں تیسرے' چوتھے دن بھی نہلانا کافی ہے۔ جب چھوٹے بچے کو صابن سے نہلانا ہو تو ماں اپنے دونوں ہاتھوں پر صابن اچھی طرح مل لے پھر نرمی سے بچے کے جسم پر ہاتھ پھیرے۔ ماں بچے کو نہلانے سے قبل اپنے ہاتھوں کو اچھی طرح صاف کر لے۔ بچے کو نہلانے کے بعد فوراً صاف تولیے سے خشک کر دیا جائے اور دھلے ہوئے کپڑے پہنا دیے جائیں اور اس کی رانوں میں صاف رومال باندھ دیا جائے۔ غسل کے بعد اترے ہوئے کپڑوں کا استعمال کبھی نہ کیا جائے کیونکہ ان کپڑوں کا میل پھر جسم کے مسامات کو بند کر دے گا۔ نہانے کے بعد اگر بچہ پاخانہ' پیشاب کر دے تو صرف متعلقہ مقام کو صاف کر دیا جائے۔

جب بچے کچھ بڑے ہو جائیں تو موسم گرما میں دوبار (صبح و شام) اور موسم سرما میں ہر روز ایک بار (دوپہر کے وقت) غسل کا عادی بنائیے۔ غسل میں پانی کی عمدگی اور نفاست کا خیال رکھا جائے۔ دیہاتوں میں نو عمر لڑکے تال تلیوں میں نہاتے ہیں جن کا پانی ٹھہرا ہوا ہوتا ہے اور دوسروں کے جسم کی غلاظت سے گندہ ہو چکا ہوتا ہے۔ اس طرح کے رکے ہوئے اور ٹھنڈے پانی میں نہانے سے طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہو جانے کا اندیشہ رہتا

ہے۔ ہاں بہتی ہوئی نہر یا دریا کے پانی سے نہانے میں کوئی مضائقہ نہیں البتہ نہر یا دریا میں نہاتے وقت شدید احتیاط کی ضرورت ہے۔

بچوں کو عادت ڈالیں کہ وہ اپنا ستر ڈھانپ کر (نیکر وغیرہ پہن کر) نہائیں اور پردہ میں نہائیں۔ یہ عمل بچے کو باحیاء اور مہذب بناتا ہے اور یوں بچے میں شائستگی و پاکیزگی کے رجحانات پروان چڑھتے ہیں سنن ابوداوٗد اور سنن نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ سیدنا یحییٰ بیان کرتے ہیں کہ: ''رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو میدان میں (برہنہ) نہاتے دیکھا۔ چنانچہ آپ منبر پر چڑھ گئے اور اللہ کریم کی حمد وثنا کے بعد فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ حیاء والا ہے اور پردہ پوش ہے۔ اور وہ حیاء اور پردہ پوشی کو پسند کرتا ہے۔ اس لیے جب تم میں سے کوئی نہائے تو اسے پردہ کر لینا چاہیے۔''

موسم سرما میں غسل کرنے میں جلدی کرنی چاہیے اور غسل کے معاً بعد جسم کو خشک کر لینا چاہیے۔ لڑکیوں کے لیے پندرہ دن میں سر کا دھو لینا ضروری ہے تاکہ سر اور سر کے بالوں کی صفائی ہوتی رہے۔ سر دھونے کے لیے معیاری پاؤڈر یا صابن کا استعمال ضروری ہے البتہ سر میں اچھے قسم کا تیل اور کنگھے کا استعمال ضروری ہے۔

دانتوں کی صفائی

دانتوں کی صفائی نہایت ضروری ہے۔ خاص طور پر صبح کو بیدار ہونے کے بعد دانتوں کو اچھی طرح صاف کر لینا چاہیے تاکہ رات گندی سانس کے ذریعے دانتوں پر جو زہریلا مادہ جم گیا ہے' وہ اور منہ کے اندر میل کچیل کی رطوبت صاف ہو جائے۔ گھر کے استعمالی منجن کے ذریعے روزانہ منہ دھلاتے وقت بچے کے دانت بھی صاف کیجئے اور جب وہ خود اس قابل بن جائے تو اپنے عمل سے ترغیب دے کر اس کا عادی بنایا جائے۔ کھانا کھانے سے پہلے بھی دانتوں کو صاف کر لینا چاہیے تاکہ منہ کی رطوبت میں ملوث دانت صاف ہو جائیں۔ اس طرح کھانا کھانے کے بعد بھی دانتوں کی صفائی کا اہتمام ضروری ہے کیونکہ غذا کے اجزا کا دانتوں کی جڑوں میں رک جانا اور اس کے ریشوں کا ان کی جڑوں میں سڑ جانا نہایت خطرناک ہے۔

اس کے لیے اگر مسنون طریقہ پر عمل کرتے ہوئے بچوں کو مسواک کا عادی بنایا

جائے تو یہ ان کی صحت اور دانتوں کی مضبوطی کے لیے بہت بہتر ہو گا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مسواک منہ کی پاکیزگی کا سبب ہے اور پروردگار کی خوشنودگی (رضامندی) کا باعث بھی۔ (بخاری' نسائی' دارمی) اسی طرح سیدنا شریح بن ہانیؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا: ''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر سے گھر تشریف لاتے تو سب سے پہلے کیا کام کرتے'' انہوں نے جواب دیا: ''مسواک۔'' (صحیح مسلم) بعض لوگ مسواک پر برش کو ترجیح دیتے ہیں لیکن یاد رکھیں کہ ایک تو مسواک سنت ہے اور سنت میں برکت ہی برکت ہوتی ہے۔ اور اب جدید سائنس نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ برش کے کچھ عرصہ استعمال کے بعد اس کے ریشوں میں جراثیم پھنس جاتے ہیں اور اس کی تہہ بھی جراثیم سے اٹ جاتی ہے۔ یوں برش مہلک جراثیم سے آلودہ ہو کر بھر جاتا ہے اور کئی دفعہ مہلک بیماریوں کی صورت میں نقصان کا باعث بنتا ہے جبکہ مسواک میں یہ خاصیت ہے کہ اس میں موجود کیمیکلز اور فلورائیڈ جراثیم کو ختم کر دیتے ہیں اور روزانہ جب تازہ مسواک کی جائے تو دانت ہر قسم کی بیماری سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ دوسرا اچھی صحت کا تقاضا بھی مسواک ہے۔

بعض مائیں یہ تصور کرتی ہیں کہ بچپن کے کچھ دانت جنہیں ''دودھ کے دانت'' کہا جاتا ہے چونکہ آٹھ دس سال کی عمر تک ایک ایک کر کے سب ٹوٹ جاتے ہیں اور ان کی جگہ پکے دانت نکل آتے ہیں' اس لیے ان کچے دانتوں کی صفائی ضروری نہیں ہے' جب پکے دانت نکل آئیں گے تو بچوں کے دانتوں کی صفائی کا اہتمام کرایا جائے گا۔ اس فرضی خیال سے دو نقصان ہیں' ایک تو یہ کہ گندگی جمع ہوتے رہنے سے مختلف قسم کی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ مسوڑھے کمزور ہو جاتے ہیں اور پکے دانت بھی ما قبل کی گندگی سے متاثر ہو کر جلدی ہی خراب ہو جاتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ آٹھ دس سال کا ہو جانے کے بعد بہت مشکل سے بچہ دانتوں کی صفائی کا عادی ہو پاتا ہے۔ دانتوں کی صفائی کی عادت بچپن میں پڑ جائے تو یہ عادت بہت پختہ اور پائیدار ہوتی ہے۔

آنکھوں کی صفائی

آنکھوں کو گرد و غبار' کنکری اور چونے وغیرہ سے محفوظ رکھیے۔

دیہاتوں میں عام طور پر بچے مٹی' دھول اور ریت میں کھیلتے رہتے ہیں اور اپنی خاک آلود مٹھیوں سے اپنی آنکھیں ملنے لگتے ہیں' جس سے مٹی ان کی آنکھوں میں پہنچ جاتی ہے اور وہ بلبلا کر رونے لگتے ہیں' جس کے نتیجے میں گرد و غبار کی کافی مقدار آنکھوں میں داخل ہو جاتی ہے۔ ماؤں کا فرض ہے وہ ایسی نوبت نہ آنے دیں۔ بچوں کے کھیل کے لیے صاف ستھرا ماحول فراہم کریں اور اگر اتفاق سے آنکھوں میں کوئی چیز پڑ جائے تو کسی نرم کپڑے کی نوک سے اس کو نکال دیں یا آنکھوں کو اس احتیاط سے دھوئیں کہ گرد و غبار پانی کے ساتھ بہہ کر باہر آ جائے اگر بہت زیادہ گرد و غبار آنکھوں میں پڑ جائے اور آنکھ میں درد ہونے لگے تو پہلے پپوٹوں میں تھوڑا سا کسٹرائیل یا روغن زیتون ڈال دیجئے' پھر گرم پانی سے دھو ڈالیے۔ آنکھ میں چونا پڑ جانے پر بھی یہی عمل کرنا چاہیے لیکن بہت جلد اس کا تدارک ہونا چاہیے اگر آنکھ میں درد ہونے لگے یا ہوتا رہے تو روئی یا کپڑے کی گدی ٹھنڈے پانی میں تر کر کے آنکھ پر رکھ دینا چاہیے۔

آنکھوں کی صفائی کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ دن میں کم از کم پانچ مرتبہ آنکھوں کو تازہ پانی سے ضرور دھویا جائے۔ سردی کی حالت میں نیم گرم پانی بھی استعمال نہ کیا جائے۔

بچے کو آتش بازی وغیرہ سے شغل نہ کرنے دیجئے یہ آنکھوں کے لیے نہایت نقصان دہ ہے۔ سورج یا موٹر کی ہیڈ لائٹ پر مسلسل نظر جمائے رکھنا بھی مضر ہے۔ بہت تیز یا دھیمی روشنی میں پڑھنے سے بھی بینائی متاثر ہوتی ہے۔ مسلسل ہر وقت لکھتے پڑھتے رہنا بھی آنکھوں کے لیے نقصان دہ ہے۔ سوتے وقت آنکھوں میں سرمہ لگائیے۔ اسی طرح کبھی کبھی آنکھوں میں اصل شہد کا استعمال ضرور کیجئے' یہ سنت بھی ہے اور مفید بھی۔ اگر آنکھ میں کوئی بیماری محسوس کریں تو فوراً ڈاکٹر کی طرف رجوع کریں۔ بینائی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اس کے بغیر دنیا میں اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ اس لیے اس نعمت کی بھر پور قدر کیجئے۔

کان اور ناک کی صفائی

بچے کے کان کے گھونگے میں نوکیلی یا کوئی ایسی چیز داخل نہ کیجئے جو کان کے اندر پہنچ سکتی ہو۔ اگر بچے کے کان میں

میل جمع ہو جائے تو اس کو نکال دینا چاہیے- کیل کے ساتھ ہی میل بھی پھریری کے ساتھ نکل آئے گا- وقفہ سے نیم گرم تیل کے قطرے کانوں میں ضرور ڈالتے رہیے- کانوں میں زور سے پھونک مارنا نہایت نقصان دہ ہے' اس عادت سے بچوں کو دور رکھیے اور اس کے نقصان سے بھی آگاہ کر دیجئے- منہ دھلاتے وقت کانوں کے اندر پانی نہ پہنچنے- کان کے اندر بار بار پانی پہنچے یا کان میں میل جم جانے سے درد ہونے لگتا ہے- کان کا یہی درد ضعف سماعت کا سبب بن جاتا ہے' اس لیے کانوں کو میل سے صاف رکھیے اور بار بار پانی نہ پہنچنے دیجئے-

بہت سے بچوں کو کان کھجلانے یا بار بار کان میں انگلی ڈالنے کی عادت ہو جاتی ہے اس عادت سے بچوں کو دور رکھیے- اس سے کان میں خراش اور زخم ہو جانے کا اندیشہ رہتا ہے- اگر کوئی مکھی یا کیڑا کان میں پڑ جائے تو گرم پانی کی پچکاری کے ذریعے اس کو باہر نکالنے کی کوشش کرنی چاہیے- پچکاری دیتے وقت اس بات کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہیے کہ پچکاری کی نوک کان کے اندر زیادہ دور تک نہ ہو کیونکہ کان کے پردے پر ضرب لگ سکتی ہے جو بہت مضر ثابت ہو سکتی ہے- نیم گرم تیل بھی کان کے گھونگے میں ڈال دیا جائے تاکہ اس کی چکنائی کی مدد سے کان میں گری ہوئی چیز آسانی سے نکل سکے-

اگر کان میں کوئی ٹھوس چیز پڑ جائے جو پچکاری سے بھی نہ نکل سکتی ہو تو دوسرے طریقے سے نکالنے کی کوشش نہ کرنا چاہیے- کوئی دوسرا طریقہ مضر ثابت ہو سکتا ہے اور بے احتیاطی کے نتیجے میں بچے کی سماعت متاثر ہو سکتی ہے- ایسی صورت میں ڈاکٹر سے رجوع کرنا ضروری ہے-

بچہ ناک میں کوئی چیز داخل کرے یا خود بخود پہنچ جائے' تو چھینک لانے والی کوئی چیز بچے کو سنگھا دی جائے' تاکہ چھینک کے ساتھ وہ چیز باہر آ جائے اگر احتیاطی تدابیر کے باوجود ناک کی چیز باہر نہ نکل سکے تو فوراً ڈاکٹر کو دکھانا چاہیے- مائیں اس بات کا بھی خیال رکھیں کہ ان کے بچے بلاوجہ ناک میں انگلی ڈال کر ناک نہ کھجاتے رہیں- اس سے دوسروں کو بھی گھن آتی ہے اور ناک میں زخم بھی ہو سکتا ہے- بچے کو ایسی چیز بھی نہ دی

جائے جسے وہ منہ میں رکھ کر نگلنے کی کوشش کرے- اکثر ماں باپ ناسمجھ بچوں کو پیسے وغیرہ دے دیتے ہیں- بچے ان کو منہ میں رکھ کر نگلنے کی کوشش کرتے ہیں- یا خود حلق سے نیچے اتر جاتے ہیں اور پھر بچے کی جان کے لالے پڑ جاتے ہیں-

ناخن کی صفائی

دانتوں کی صفائی کی طرح ناخنوں کی صفائی بھی بہت ضروری ہے- اگر ناخن کاٹے نہ جائیں تو ناخنوں کی جڑ میں میل جمع ہوتا رہتا ہے اور یہ میل زہریلے مادے سے کم نہیں ہوتا- غذا میں شامل ہو کر معدے میں پہنچ جاتا ہے اور مختلف بیماریوں کا سبب بن جاتا ہے- زہر کی اس آمیزش سے حفاظت کے لیے ناخنوں کی صفائی ازحد ضروری ہے- ناخن جیسے ہی کچھ بڑھیں انہیں کاٹ دیا جائے اور ان کی جڑوں کو میل سے بالکل صاف رکھا جائے- بچے کی شیر خوارگی کی عمر ہی سے اس کا اہتمام کیا جائے تاکہ بچہ اس کا عادی بن جائے- شیر خوارگی میں بھی بچے کے ناخن نہ بڑھنے دیے جائیں کیوں کہ بچے ان بڑھے ہوئے ناخن سے جسم کے کسی بھی حصے کو مخدوش کر سکتے ہیں- دانتوں کی طرح ناخن صاف نہ ہونے کی وجہ سے دوسرے بھی بچے سے نفرت کرنے لگتے ہیں-

لباس کی صفائی

جسم کی صفائی کے ساتھ لباس کی صفائی کے بغیر جسم کی صفائی کا تصور ناممکن ہے- اگر انسان نہا دھو کر گندے کپڑے پہن لے تو اس کا نہانا نہ نہانے کے برابر ہے کیونکہ میلے کپڑوں کے جراثیم اس کے جسم کو اسی وقت متاثر کر دیں گے اور کپڑوں کے میل سے اس کے جسم کے وہ مسامات پھر بند ہو جائیں گے' جو نہانے کے بعد کھلے تھے اور جن کا کھلے رہنا ضروری ہے تاکہ جسم کے اندر کی گندگی ان کے ذریعے باہر نکل سکے' اس لیے لباس کی صفائی کا بھرپور اہتمام کرنا چاہیے' چونکہ بچے عموماً اپنے کپڑے جلد گندے کر لیتے ہیں' اس لیے ان کے لباس بدلنے اور ان کو دھونے دھلانے کی طرف خصوصی توجہ دینی چاہیے- بچے جب اسکول جانا شروع کر دیں تو بچوں کو اس بات کا عادی بنایا جائے کہ وہ سکول سے واپسی پر سب سے پہلے سکول کا لباس (یونیفارم) اتار کر ہینگر میں ٹانگ دیں- عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ بچے جب سکول سے

واپس آتے ہیں تو ان کی مائیں یہ سوچ کر کہ میرے لاڈلے کو بھوک لگی ہو گی پہلے کھانا کھلاتی ہیں۔ حالانکہ بچے کو اس بات کا عادی بنایا جائے کہ وہ سب سے پہلے سکول کا لباس اتارے پھر دوسرے کام کرے۔ بعض گھروں کے بچے تو یونیفارم پہنے ہی کھیلتے ہیں اور یونیفارم پہنے ہی سو جاتے ہیں اور پھر اگلے روز اسی میں سکول چلے جاتے ہیں۔ والدین کی ذمے داری قرار پاتی ہے کہ اپنے بچوں کو لباس پہننے کا سلیقہ سکھائیں۔ یونیفارم صرف سکول کے وقت پہنا جائے' کھیل کے کپڑے الگ ہوں اور رات کو سوتے وقت پہننے کے الگ کپڑے ہوں۔ متوسط اور معمولی گھرانوں کے والدین بھی اپنی حیثیت کے مطابق بچوں کے مناسب لباس کا بندوبست کریں۔

رہائش گاہ کی صفائی

اگر انسان کی رہائش گاہ اور قرب و جوار میں صفائی نہ ہو تو صرف جسم کی صفائی انسان کو بیماری سے نہیں بچاسکتی۔ اس کے اردگرد گندگی میں پلنے والے جراثیم اس کو ضرور بیمار کردیں گے۔ اس لیے اپنے جسم اور لباس کی صفائی کے ساتھ رہائش گاہ اور آس پاس کی گلیوں اور نالیوں کی صفائی بھی بہت ضروری ہے۔ کمروں' برامدوں اور صحن میں جھاڑو دینا' وقتاً فوقتاً ان کی دیواروں اور چھتوں کو جھاڑنا' سامان وغیرہ کو گرد و غبار اور دھوئیں سے بچانا' چیزوں کو جھاڑ پونچھ کر ترتیب سے رکھنا' فرش کو دھونا' باتھ روم' کچن اور نالیوں وغیرہ کو صاف کرتے رہنا اور کبھی کبھی فنائل وغیرہ پانی میں ملا کر نالیوں اور گندی جگہوں کو صاف کرتے رہنا ضروری ہے۔

موزوں لباس

اخلاق و صحت پر لباس کا بھی اثر پڑتا ہے اس لیے خود موزوں لباس استعمال کرنے کے ساتھ ساتھ بچے کو بھی موزوں لباس پہنائیے۔ لباس کی نعمت کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ يَٰبَنِيٓ ءَادَمَ قَدۡ أَنزَلۡنَا عَلَيۡكُمۡ لِبَاسٗا يُوَٰرِي سَوۡءَٰتِكُمۡ وَرِيشٗاۖ ﴾ (الأعراف ۷/ ۲۶)

"اے بنی آدم! ہم نے تم پر لباس نازل کیا جو تمہاری شرم گاہوں کو ڈھانکتا ہے

اور تمہارے لیے زیب و زینت اور حفاظت کا ذریعہ ہے۔"

ریش پرندے کے پروں کو کہتے ہیں۔ "پر" پرندے کو سردی و گرمی سے بھی بچاتے ہیں اور اس کے حسن و جمال کا بھی ذریعہ ہیں۔ اسی لیے ریش کا لفظ بول کر ایسا لباس مراد لیا جاتا ہے' جو انسان کی زیب و زینت کے ساتھ اس کی حفاظت بھی کر سکے۔

لباس کے بنیادی طور پر تین مقاصد و فوائد ہیں:

۱ قابل شرم حصوں کو چھپانا

۲ موسمی اثرات سے حفاظت

۳ جسم کی زیبائش و آرائش

بچے کے لیے ایسا لباس تیار کرائیے' جو ان تینوں مقاصد کو پورا کرتا ہو۔ شروع ہی سے بچے کو سلیقہ و تہذیب کا لباس پہننے کا عادی بنائیے۔ بچے کا لباس تنگ نہ ہو کہ اس کے اعضا جکڑے رہیں۔ صحت و آرام کے لحاظ سے بچے کا لباس قدرے ڈھیلا اور آرام دہ ہونا چاہیے' چست لباس صحت کے لیے نقصان دہ ہوتا ہے کیونکہ اس سے دوران خون متاثر ہوتا ہے۔ جسم کو ضروری مقدار میں تازہ ہوا نہیں ملتی اور جسم کے اندر اور باہر کا درجہ حرارت یکساں رہتا ہے۔

بچے کو کپڑے پہنانے سے پہلے انہیں جھاڑ ضرور لیجیے۔ ہو سکتا ہے ان میں کوئی موذی جانور ہو اور اللہ نہ کرے بچے کو کوئی ایذا پہنچا دے۔

آپ جب جھاڑ کر کپڑوں کو استعمال کریں گے' تو آپ کی دیکھا دیکھی بچہ بھی اس کا عادی ہو جائے گا۔ اسی طرح دائیں جانب سے کپڑے پہنئے' پہلے داہنی آستین اور پھر بائیں آستین تاکہ بچہ بھی کپڑوں کو دائیں جانب سے پہننے کا عادی ہو جائے۔ یہ سنت بھی ہے اور سلیقے کی بات بھی۔

ہمارے ملک میں مختلف قسم کے کپڑے تیار ہوتے ہیں۔ سوتی ریشمی' اونی' ٹیری کاٹ' نائیلون وغیرہ۔ ہمارے ملک کی آب و ہوا کے حساب سے سب سے بہتر اور مناسب لباس وہ ہے' جو سوتی کپڑے سے تیار کیا گیا ہو۔ سوتی کپڑا پسینے کو بخوبی جذب کر لیتا ہے اور

وہ ہر موسم کے لحاظ سے موزوں ہے۔ جسم کو سردی اور گرمی سے محفوظ رکھتا ہے چونکہ ہمارے ملک میں روئی کافی مقدار میں پیدا ہوتی ہے' اس لیے یہ کپڑا نسبتاً سستا ہوتا ہے اور تمام لوگوں کی ضروریات کے لیے پورا ہو سکتا ہے۔

گرمیوں میں ہلکے پھلکے اور سردیوں میں موٹے کپڑوں کا استعمال بہتر ہوتا ہے۔ اسی طرح گرمیوں میں سفید یا ہلکے رنگ کے کپڑے پسند کیے جاتے ہیں جب کہ سردیوں میں گہرے رنگ کے کپڑے پسند کیے جاتے ہیں کیونکہ گہرے رنگ کے کپڑے سورج کی روشنی جذب کر کے جلد گرم ہو جاتے ہیں جب کہ سفید یا ہلکے رنگ کے کپڑے نسبتاً دیر سے گرم ہوتے ہیں۔

سردیوں میں اونی کپڑے کا استعمال صحت کے لیے مفید ہے۔ اس سے بدن گرم رہتا ہے اور جسم کو ضروری حرارت ملتی ہے۔ خواتین اگر ریشمی لباس استعمال کریں تو یہ ان کی صحت کے لیے بھی مفید ہے اور ان کی آرائش و زینت میں بھی اضافے کا سبب ہوتا ہے۔

بچے کا لباس ہر وقت صاف رہنا چاہیے۔ بچے میں شروع ہی سے صفائی کا ذوق پروان چڑھانے کی اس قدر کوشش کی جائے کہ اسے گندگی سے نفرت ہونے لگے۔ گندی جگہ کھیلنے اور گندے بچوں کے ساتھ رہنے سے بچوں کو باز رکھنا چاہیے۔ سونے اور کھیلنے کے کپڑے جدا ہوں تو بہتر ہے۔ بھڑکیلے اور بے ڈھنگے قسم کے کپڑے بچے کو نہ پہنائے جائیں۔ اسی طرح دوسروں کی نقالی یا تصنع والے کپڑوں سے بھی اجتناب کیا جائے کیونکہ اس قسم کے لباس سے بہت سی نفسیاتی اور اخلاقی کمزوریاں پیدا ہونے کا اندیشہ رہتا ہے اور یہ کمزوریاں جسمانی صحت کے لیے بھی مضر ثابت ہو سکتی ہیں۔

مسرت و شادمانی

انسان کی صحت پر ذہنی و دماغی کیفیات کا بڑا اثر پڑتا ہے۔ رنج و غم فکر و الم انسان کی صحت کو دیمک کی طرح چاٹ جاتے ہیں۔ جلد بوڑھا ہو جانا' خودکشی کر لینا' پاگل ہو جانا جیسے امراض ذہنی کشمکش' دماغی دباؤ اور تفکرات کی کثرت کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس فرحت و انبساط' خوشی و شادمانی' مسرت و شگفتہ مزاجی انسان کی صحت پر اچھے اثرات ڈالتے ہیں۔

تفکرات اور رنج و غم انسانی صحت ہی پر برا اثر نہیں ڈالتے بلکہ اخلاق و کردار میں بھی متعدد کمزوریوں کا باعث ہوتے ہیں۔ چڑ چڑاپن' مغلوب الغضبی' مایوسی و بددلی جیسے عیوب رنجیدہ و ملول رہنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ جب کہ شاداں و فرحاں رہنے سے اعتدال و توازن' ہمت و شجاعت' جرأت و خود اعتمادی جیسے اوصاف پیدا ہوتے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ نوع بنوع مسائل کے ہجوم میں گھرے رہتے' دعوت اسلامی کے سخت مراحل سے نبرد آزما ہوتے' کبھی اپنوں کی نوازشیں کبھی غیروں کی سازشیں مگر شگفتہ مزاجی اور خوش طبعی آپ سے کبھی جدا نہ ہوتی۔ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو صبر اور توکل دو ایسے اخلاقی اوصاف عطا کیے ہیں کہ مومن سخت سے سخت مراحل میں بھی بد دل اور شکستہ خاطر نہیں ہو سکتا۔ صبر و توکل مومن کے اندر ایسی جرأت و ہمت پیدا کرتے ہیں کہ ناسازگار حالات میں بھی امید کی پتوار ہاتھ سے نہیں چھوٹنے پاتی۔ قرآن نے تو مایوسی کو کفر قرار دیا ہے۔

مسرت و شادمانی' فرحت و انبساط کو اپنی زندگی کا شیوہ بنائیے' خود بھی خوش رہیے اور بچوں کو بھی خوش رکھیے۔ گھر کا ماحول ایسا بنائیے کہ کوئی بھی فروکبیدہ خاطر نہ ہونے پائے۔ لڑائی جھگڑے' کشمکش اور چپقلش سے گھر کے ماحول کو پاک صاف رکھیے۔ پریشانیوں کو خندہ پیشانی سے جھیلیے۔ کھیل کود' سیرو تفریح' ہنسی مذاق سے ماحول کو پر کیف اور مسرت انگیز بنائے رکھیے۔

کافی روشنی

سورج کی روشنی صحت کے لیے بہت ضروری ہے۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ جن پودوں کو روشنی نہیں مل پاتی وہ پیلے پڑ جاتے ہیں اور ان کی نشوونما رک جاتی ہے۔ شہر کی تنگ و تاریک گلیوں میں رہنے اور گھٹی گھٹی فضا میں سانس لینے والے لوگوں کی صحت کے مقابلے میں گاؤں کی کھلی اور روشن فضا میں سانس لینے والے لوگوں کی صحت بہتر ہوتی ہے۔

بچے کی صحیح نشوونما کے لیے اسے کافی روشنی کا ملنا ضروری ہے۔ روشنی حاصل کرنے کے دو ذرائع ہیں:

- فطری ذریعہ : یعنی سورج' چاند اور تاروں وغیرہ سے
- مصنوعی ذریعہ : چراغ' لیمپ' لالٹین اور بجلی وغیرہ سے۔

سورج کی روشنی صحت کے لیے بہت ضروری ہے' اس سے توانائی حاصل ہوتی ہے۔ بیماریوں کے جراثیم مرجاتے ہیں۔ کپڑوں اور سامان وغیرہ کی سیلن ختم ہو جاتی ہے۔ مکان اس انداز سے بنایا جائے کہ اس میں سورج کی روشنی اور دھوپ کافی دیر تک رہ سکے۔ جس مکان میں دھوپ کا گزر نہیں ہو سکتا وہ سیلن زدہ ہو کر جراثیم کی پناہ گاہ بنا رہتا ہے جس سے صحت بری طرح متاثر ہوتی ہے۔

بچے کو ابتداء ہی سے کافی روشنی ملنی چاہیے۔ معتدل اور خوش گوار موسم میں بچے کو مکان سے باہر یا مکان کی چھت پر چٹائی یا غالیچہ بچھا کر کچھ دیر کے لیے ننگا لٹا دیا جائے تاکہ سورج کی صحت بخش کرنیں' اس پر پڑتی رہیں۔ اس کے لیے بہترین وقت صبح کا وقت ہے جب سورج کی بنفشی شعاعیں صحت پرور غذا لیے انسان کے جسم پر پڑتی ہیں۔ رفتہ رفتہ یہ وقت بڑھا دیا جائے البتہ زیادہ ٹھنڈک یا تیز گرمی میں بچے کو اس طرح نہ لٹایا جائے۔ موسم گرما میں جب کہ سورج کی گرمی میں بہت تمازت آ جاتی ہے۔ بچے کو سورج کی شعاعوں سے مستفید کرنے کے لیے کسی سایہ دار درخت کے نیچے لٹا دیا جائے یا پھر مکان کی کسی کھلی کھڑکی کے سامنے تاکہ بچہ دھوپ کی تمازت سے بھی بچا رہے اور سورج کی شعاعیں بھی اس تک پہنچ جائیں لیکن کھڑکی بند نہ رکھی جائے کیونکہ سورج کی مفید شعائیں عام شیشے میں نہیں گزر سکتیں۔ بچے کو سورج کی شعاعوں سے مستفید کرتے وقت اس بات کا خیال ضرور رکھا جائے کہ بچے کی آنکھیں گردن اور سر سورج کی تیز دھوپ سے محفوظ رہیں۔

قرآن پاک میں متعدد مقامات پر آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی خدمت کے لیے سورج اور چاند کو بنایا۔ سورج اور چاند کی روشنی سے انسان کس قدر توانائی حاصل کر سکتا ہے۔ اس کا اندازہ دور جدید کے ان سائنسی اکتشافات سے لگایا جا سکتا ہے جو شمسی توانائی سے تعلق رکھتے ہیں۔ قرآن پاک نے اب سے چودہ سو سال پہلے شمس و قمر کی تسخیر کا

تذکرہ کر کے اس سلسلے میں انسان کی رہنمائی کر دی تھی۔ اس وقت عام لوگ یہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ شمس و قمر کی توانائی سے آئندہ صدیوں میں اس قدر کام لیا جا سکے گا اور شاید آنے والے دور میں شمسی توانائی سے انسان کچھ اور زیادہ مستفید ہو سکے گا۔

کھیل کود

کھیل کود بچوں کے لیے بہت مفید ہے۔ تعلیم یافتہ لوگ کھیل کو بچوں کی غذا اور تعلیم کا ایک جز تسلیم کرتے ہیں۔ لوگوں کا یہ احساس ہے کہ اگر درس گاہ کا ماحول دلچسپ کھیلوں سے خالی ہو تو طلبہ اسے اپنے لیے قید خانہ سمجھنے لگتے ہیں۔ ان کی جبلی صلاحیتیں ٹھٹھر کر رہ جاتی ہیں۔ خشک ماحول میں طلبہ کی تعلیم صحیح طور پر نہیں ہو پاتی۔ اس کے برعکس اگر درس گاہ میں کھیل کود' سیرو تفریح کے دلچسپ مواقع اور ذہنی شگفتگی کا ماحول موجود ہو تو بچے نہایت ذوق شوق سے تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

ماہرین نفسیات کا خیال ہے کہ کھیل بھی ایک جبلت ہے' جس طرح بچہ دودھ مانگتا ہے' اسی طرح بچہ ہاتھ پیر مار کر کھیلنے کا آغاز کرتا ہے۔ آپ اپنے اردگرد کے بچوں پر نظر ڈالیے۔ دیکھیے ان کے نزدیک کھیل سے زیادہ محبوب مشغلہ کوئی دوسرا نہیں۔ جب وہ کھیلتے ہیں تو انہیں تن بدن کا ہوش نہیں رہتا۔ گرمی' سردی' ہوا' کیچڑ کسی بھی چیز کی وہ پروا نہیں کرتے۔ بھوک لگی رہے یا کپڑے خراب ہو رہے ہوں' ہوتے رہیں۔ وہ اپنے کھیل میں مگن رہیں گے۔ صبح کو بستر سے اٹھتے ہی درس گاہ سے واپس آکر بستہ رکھتے ہی کھیل میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ نہ وقت دیکھتے ہیں اور نہ جگہ کو بس کھیلنے سے مطلب رکھتے ہیں۔ والدین ناراض ہوں تو بھی کھیلیں گے۔ وہ کھیل کی خاطر مار بھی جھیل لیتے ہیں۔ اب آپ اندازہ لگائیے کہ کھیل کی جبلت بچوں میں کتنی طاقت ور ہوتی ہے۔ اس جبلت کو دبانے کا جو نتیجہ ہو سکتا ہے اس کا اندازہ کرنا آپ کے لیے مشکل نہیں۔

امام ابوسفیان ثوری رحمہ اللہ فقہ کے بہت بڑے عالم گزرے ہیں۔ ان کا دربار خلافت میں آنا جانا رہتا تھا۔ خلیفہ بھی ان کا بڑا احترام کرتا تھا۔ ایک بار انہوں نے خلیفہ سے کہا: "بھئی اپنے بچے کی تو کسی روز زیارت کرا دیجیے۔" خلیفہ نے چند دن کی مہلت مانگی۔ جب آپ متعینہ وقت پر دربار میں تشریف لے گئے' تو دیکھا کہ بچہ ہاتھ باندھے سر جھکائے

تخت پر ایک طرف بیٹھا ہے۔ خلیفہ نے امام صاحب کو بتایا کہ: ''یہ میرا بچہ ہے۔'' امام صاحب نے فورا فرمایا: ''یہ بچہ ہے یا کوئی بوڑھا؟'' امام صاحب کا مطلب یہ تھا کہ بچے کو تو چلبلا ہونا چاہیے۔ اتنی سنجیدگی اور متانت بڑھاپے میں تو آ سکتی ہے مگر بچپن سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ حالانکہ خلیفہ نے امام صاحب سے صرف اس لیے مہلت مانگی تھی کہ وہ بچے کو اچھی طرح اس بات کے لیے ٹرینڈ کر سکے کہ امام صاحب جب دربار میں آئیں تو بچہ نہایت ادب سے خاموشی کے ساتھ بیٹھا رہے۔

امام صاحب نے ایک جملے ہی میں اس بات کی وضاحت فرما دی کہ خاموش اور سنجیدہ بیٹھے رہنا بڑھاپے کی علامت ہے۔ بچے کی فطرت میں تو شوخی موجود ہے۔ واقعہ بھی یہی ہے کہ شوخی، شرارت، اچھل، کود، بھاگ دوڑ، شور شغب، توڑ پھوڑ اور اٹھک بیٹھک بچپن کے خواص اور ذہانت و زندگی کی علامتیں ہیں۔ ان صفات سے محرومی بچے کی بیماری یا بدھوپن کی دلیل ہے۔ جو بچہ جتنا ذہین و زیرک ہو گا وہ اتنا ہی شوخ ہو گا۔ جو لوگ بچوں کو کھیل سے محروم رکھتے ہیں وہ بچے کی فطرت سے جنگ کرتے ہیں۔ دنیا کے سب سے بڑے نباض و فطرت شناس نے بھی بچوں کو کھیل کی آزادی دی ہے۔

عید کے موقع پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس دو لڑکیاں گیت گا رہی تھیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قریب ہی آرام فرما رہے تھے۔ اسی اثنا میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آ پہنچے۔ یہ منظر دیکھا تو غصے میں ڈانٹ کر کہا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں یہ کیا شیطانی ہنگامہ بپا کر رکھا ہے۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خاموش کرتے ہوئے کہا: ''انہیں گانے دو۔''[1]

ایک بار کچھ بچیاں آپس میں مل کر کھیل رہی تھیں۔ ادھر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر بھاگ کھڑی ہوئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ ان بچوں کو بلوایا اور

---

[1] صحیح بخاری، کتاب العیدین: باب الحراب والدرق یوم العید، (ح ۹۴۹)۔ صحیح مسلم، کتاب العیدین: باب الرخصة فی اللعب الذی لا معصیة فیه فی ایام العید، (ح ۸۹۲)۔

ان سے کہا کہ تم کھیلو اور خوشی مناؤ۔

آپ ﷺ نے نہ صرف بچوں کو کھیل کود کی اجازت اور ترغیب دی بلکہ خود بھی سیرو تفریح اور کھیل کود میں حصہ لے کر یہ بہترین اسوہ چھوڑا' متوازن زندگی کے لیے صحت بخش اور دلچسپ مشاغل کا اختیار کرنا بھی ضروری ہے۔ نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد سیرو تفریح آپ ﷺ کا محبوب مشغلہ تھا۔ کبھی تنہا اور کبھی صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ باغوں کی طرف نکل جاتے اور کافی دیر تک مجلس جمائے رہتے۔ دوڑ اور تیراندازی کے مقابلے کراتے۔ اکھاڑے میں پوری دلچسپی سے شریک رہتے' ایسے موقعوں پر ہنسی مذاق بھی ہوتا' تیرنے (تیراکی) کا بھی آپ ﷺ کو شوق تھا۔ کبھی کبھی تیراکی کے مقابلے کراتے اور خود بھی مقابلے میں شرکت فرماتے۔ وقفے کے بعد بارش پڑتی تو تہبند باندھ کر پھوار میں نہایا کرتے۔ کبھی تفریحاً کسی کنویں میں پیر لٹکا کر اس کے دہانہ پر بیٹھ جاتے۔

رسول اللہ ﷺ کے ان معمولات سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ متوازن زندگی کے لیے سیرو تفریح اور کھیل کود نہ صرف جائز بلکہ ناگزیر ہے۔ مگر افسوس ان لوگوں پر ہے' جنہوں نے اسلام کو ایک ایسا مذہب بنا کر پیش کیا ہے' جس میں کھیل کود اور سیرو تفریح کی کوئی گنجائش نظر نہیں آتی۔ اگر آج کسی دینی رہنما کو کشتی کرتے ہوئے یا نہر میں تیرتے ہوئے دیکھ لیا جائے تو اس کی دینی حیثیت مجروح ہو جائے گی۔ کاش! اسلام کا وسیع اور ہمہ گیر تصور پھر سے اجاگر ہو جائے اور دنیا یہ جان لے کہ اسلام ایک نظام حیات ہے جو انسان کی فطرت سے کسی موڑ پر بھی متصادم نہیں ہے۔

کھیل کے اغراض و محاصل

کھیل کیوں کھیلا جاتا ہے؟ اس سلسلے میں ماہرین نفسیات نے مختلف توجیہات اور نقطہ ہائے نظر پیش کیے ہیں۔ اگرچہ ان سے کلی طور پر اتفاق نہیں کیا جا سکتا' مگر اصولی طور پر ان سے انکار بھی ناممکن ہے۔ ان توجیہات کا خلاصہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے تاکہ بچوں

کی مناسب نشوونما کے لیے کھیل کی افادیت مزید واضح ہو سکے۔

* ہر بچے میں اپنے قد اور ضرورت کے لحاظ سے توانائی کا فاضل ذخیرہ موجود رہتا ہے۔ کھیل کے ذریعے اس فاضل توانائی کا اخراج ہوتا رہتا ہے۔ اگر اس فاضل توانائی کو خارج کرنے کے لیے بچے کو مواقع نہ ملیں تو یہ فاضل توانائی بچے کے جسم کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔ جیسا کہ فالتو بھاپ انجن کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔
* کھیل سے بچہ مستقبل میں بالغ زندگی کی ذمے داریوں کو پورا کرنے کی مشق فراہم کرتا ہے۔ بچیاں گڑیوں کے کھیل سے امور خانہ داری کی انجام دہی کا سلیقہ سیکھتی ہیں اور بچے مختلف کھیلوں سے مختلف ذمے داریوں کو ادا کرنے کی تربیت حاصل کرتے ہیں۔
* بچے کی اپنی کچھ اُلجھنیں اور پریشانیاں ہوتی ہیں۔ اس کے بہت سے جبلی تقاضے پورے نہیں ہو پاتے۔ جس کی بنا پر وہ کلفت و اضطراب محسوس کرتا ہے۔ کھیل کود کے ذریعے بچے کے مجروح جذبات کی تسکین ہوتی ہے اور اس کو ذہنی کلفتوں سے چھٹکارا نصیب ہوتا ہے۔
* نشوونما کے مختلف مراحل پر بچے کا ذہن اور جسم مختلف تقاضے کرتے ہیں۔ کھیل کود سے ان تقاضوں کی تکمیل ہوتی ہے۔
* بچے میں رشک و رقابت اور مقابلہ و مسابقت کے جذبات ودیعت ہیں۔ کھیل سے ان جذبات کی بھرپور تسکین ہو جاتی ہے۔ دیگر صورت میں یہ جذبات غلط رخ اختیار کر کے بری عادتوں کا پیش خیمہ بن سکتے ہیں۔
* انسان ترقی کر کے جس مقام پر پہنچ سکا ہے اس کے لیے اسے مختلف مراحل و تجربات سے گزرنا پڑا ہے۔ مٹی کے برتن بنانا' لکڑی کے تیر کمان بنانا' بھاگنا دوڑنا' پیڑ پر چڑھنا' جنگل میں گھومنا پھرنا' شکار کرنا' گھر گھروندے بنانا وغیرہ نہ صرف ماضی کی یادیں ہیں بلکہ انسان کے ابتدائی تجربات اور ارتقائی مراحل ہیں۔ بچہ کھیل کے ذریعے انہیں تجربات و مراحل سے گزر کر اپنی شخصیت کو سنوارتا ہے۔

* بچے میں بہت سی تخلیقی صلاحیتیں فطری طور پر موجود ہوتی ہیں۔ انہیں تخلیقی صلاحیتوں کے اظہار اور ان کو پروان چڑھانے کے لیے بچہ متنوع قسم کے کھیل کھیلتا ہے۔

مذکورہ توجیہات سے پوری گنجائش کے باوجود یہ ماننا پڑے گا کہ کھیل بچے کے لیے اسی طرح ضروری ہے جس طرح غذا اور پانی۔ کھیل سے کیا کیا فائدے ہیں اس کا اندازہ مندرجہ ذیل وضاحت سے لگا سکتے ہیں۔

جسمانی فائدے جسمانی صحت کے لیے کھیل بہت مفید ہے۔ کھیل سے جسمانی قوت میں اضافہ ہوتا ہے۔ بدن چست اور پھرتیلا رہتا ہے' کودنے پھاندنے' چڑھنے اترنے' گرنے سنبھلنے اور دوڑنے اچھلنے سے اعضا کھلتے ہیں' ان میں توازن و تناسب پیدا ہوتا ہے' دوران خون' عمل انہضام درست رہتا ہے' فضلہ اور زہریلا مادہ پسینے کی شکل میں اچھی طرح خارج ہوتا رہتا ہے' اعصاب و عضلات مضبوط اور کشادہ ہوتے ہیں' بیماریوں کے مقابلے کے لیے قوت مدافعت پیدا ہوتی ہے۔ کھلاڑی بچوں کی جسمانی نشوونما ان بچوں کے مقابلے میں بہت بہتر ہوتی ہے جنہیں کھیل کے مواقع میسر نہیں آتے۔

ذہنی فائدے کھیل سے ذہنی نشوونما میں بھی بڑی مدد ملتی ہے۔ صحت مند دل و دماغ صحت مند جسم ہی میں پروان چڑھ سکتا ہے۔ بیمار اور مریل جسم میں صحت مند دل و دماغ کا تصور کرنا حماقت کے سوا کچھ نہیں۔ اگر کھیل جسمانی صحت پر اچھے اثرات ڈالتا ہے تو ذہنی صلاحیتوں پر بھی اچھے اثرات مرتب کرتا ہے۔ چیزوں کو توڑنے' جوڑنے اور بنانے بگاڑنے سے بچوں کو نئے نئے تجربات حاصل ہوتے ہیں۔ ان کے اندر ایجاد و اختراع کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ مختلف کھیلوں میں بچے کو مختلف حالات اور قسم قسم کے ہم عمروں اور ساتھیوں سے سابقہ پڑتا ہے' ان سب سے نبرد آزما ہونے کے لیے بچوں میں بروقت فیصلہ اور اقدام کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ کھیل کے دوران ان کو مختلف معلومات حاصل ہوتی ہیں اور ان کے علم میں اضافہ ہوتا ہے۔ اپنے ساتھیوں

سے جب وہ تبادلہ خیال کرتے ہیں تو ان کے ذہن کی گرہیں کھلتی ہیں اور گفتگو کا سلیقہ آتا ہے۔ کھیل کے دوران اپنی جیت پر توجہ مرکوز کیے رہنے سے ان میں توجہ و انہماک اور کسی بلند مقصد کے لیے اپنی قوتوں کو مرکوز کر دینے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ بہت سے بچوں کے جبلی تقاضے گھریلو زندگی میں پورے نہیں ہو پاتے۔ جس کی وجہ سے ان کے ذہن پر ایک دباؤ سا رہتا ہے۔ کھیل کے ذریعے ذہنی دباؤ اور اُلجھن دور ہو جاتی ہے اور انہیں فرحت و انبساط محسوس ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ نئے بچوں' نئے طور طریقوں اور نئے نئے خیالات سے فیض یاب ہو کر بچہ ذہنی بلوغ کی شاہراہ پر گامزن ہونے لگتا ہے۔

جذباتی فائدے

جسمانی و ذہنی فوائد کے ساتھ کھیل سے بہت سے جذباتی فائدے بھی حاصل ہوتے ہیں۔ بچوں کے جذبات کو تعمیری رخ نصیب ہوتا ہے' ان کے جبلی تقاضوں کی تکمیل ہوتی ہے' ان کے جذبات غلط سمت اختیار نہیں کرپاتے۔ کھیل سے ان کی جذباتی زندگی میں توازن اور ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔ بگڑا ہوا اکلوتا بچہ جب کھیل کے میدان میں داخل ہوتا ہے تو اسے جلد ہی یہ احساس ہونے لگتا ہے کہ دنیا میں دوسرے بچوں کی خواہشیں اور مطالبے بھی اتنے ہی اہم ہیں جتنے اہم اس کے مطالبات ہیں اور اگر وہ گھر کی طرح غصہ' ضد' بدمزاجی اور چڑچڑے پن سے کام لے گا تو کوئی بھی اسے اپنے ساتھ نہیں کھیلنے دے گا۔ چنانچہ اسے جلد ہی اپنے نرالے انداز کو ترک کر کے باہمی تعاون کی عادت ڈالنی پڑتی ہے۔ بعض گھرانوں کا خشک اور اکتا دینے والا ماحول بچوں کی جذباتی تربیت پر جو غلط اثر ڈال سکتا ہے' اس کی تلافی بھی کھیل کے ذریعے بہ آسانی ہو سکتی ہے۔ کھیل کے خوش آئند پہلو بچوں میں افسردہ دلی و احساس کہتری کو جڑ نہیں پکڑنے دیتے بلکہ خوش مزاجی و خود اعتمادی کا سبب بنتے ہیں۔

معاشرتی فائدے

کھیل بچوں کے اندر معاشرتی سلیقہ پیدا کرتا ہے' کھیل ہی سے بچے معاشرے کے گوناگوں فرائض کو سمجھنے اور ان سے عہدہ برآ ہونے کی تربیت حاصل کرتے ہیں' کھیل کے قواعد و ضوابط کی پابندی ان کی زندگی میں انضباط اور ڈسپلن پیدا کرتی ہے۔ ہم عمر ساتھیوں کے ساتھ کھیل کر زندگی کے اہم فرائض

کو مشترکہ طور پر ادا کرنے کی اسپرٹ پیدا ہوتی ہے' باہم تعاون و رفاقت کا جذبہ پروان چڑھتا ہے' منظم کھیلوں سے وہ اپنی خواہشوں اور دلچسپیوں کو اجتماعی مفاد پر قربان کرنا سیکھتے ہیں۔ ریفری کے فیصلے کو تسلیم کرنے اور اپنے کپتان کا حکم ماننے سے اطاعت و قیادت کی تربیت حاصل ہوتی ہے۔ فتح و شکست کے لیے کشمکش کرنے سے ان میں عزم و استقلال پیدا ہوتا اور حق تلفیوں کے خلاف لڑنے کا حوصلہ ابھرتا ہے۔

اخلاقی فائدے

کھیل سے بچوں میں بہت سے پسندیدہ اوصاف پروان چڑھتے ہیں۔ اپنی ہار کی پروا کیے بغیر سچ بولنے سے بچوں میں صداقت و دیانت کے اوصاف پیدا ہوتے ہیں۔ مطلق العنانی کے بجائے دوسروں کے حقوق کا خیال اجاگر ہوتا ہے۔ صبرو استقامت اور عزم و ہمت جیسے اوصاف پیدا ہوتے ہیں جو مستقبل کی زندگی کے لیے کامیابی کا سنگ میل ثابت ہوتے ہیں۔

تعلیمی فائدے

کھیل کو عموماً تعلیم کے لیے نقصان دہ سمجھا جاتا رہا ہے۔ مگر اب یہ ایک واہمہ ثابت ہو چکا ہے۔ اب کھیل کی تعلیمی اہمیت مسلمہ حقیقت بن چکی ہے۔ کھیل سے بچوں میں جو چستی اور پھرتی پیدا ہوتی ہے' وہ ان کو درس گاہ میں چاق و چوبند رکھتی ہے۔ کھیل سے دماغ و ذہن کو بالیدگی حاصل ہوتی ہے اور یہ ذہنی بالیدگی تعلیمی ارتقا کی راہیں کشادہ کرتی ہے۔ مقابلاتی کھیلوں سے بچوں میں ہمت و استقلال اور محنت و جانفشانی کی جو اسپرٹ پیدا ہوتی ہے' وہ تعلیم کی گتھیوں کو سلجھانے اور تعلیم کے مراحل کو طے کرنے میں بڑی معاون ثابت ہوتی ہے۔ کھیل میں دلچسپی لینے والے طلبہ مقابلہ (Compitation) میں بڑی جرأت سے حصہ لیتے ہیں۔ عموماً ان درس گاہوں کا تعلیمی رزلٹ بہت اچھا ہوتا ہے جہاں طلبہ کو کھیل کود اور سیرو تفریح کے مواقع مہیا ہوتے ہیں۔ اگر کھیل کود کو درس گاہوں میں مناسب مقام دیا جائے تو تعلیم و تربیت کی بہت سی خامیوں پر قابو پایا جا سکتا ہے۔

دینی فائدے

کھیل کود بچوں کو ڈسپلن اور اصول پسندی کا عادی بناتا ہے اور یہی چیز اسلام کو مطلوب ہے۔ جرأت و ہمت' شجاعت و بہادری اور حق گوئی د

بے باکی جیسے اوصاف کھیل سے نشوونما پاتے ہیں۔ اسلام کی دعوت و تبلیغ کے لیے ان اوصاف کا پایا جانا ضروری ہے۔ آدمی جس قدر صحت مند' چست اور چالاک ہو گا اسی قدر دین کی خدمت کے فرائض انجام دے سکے گا۔ (اور اگر یہ کھیلیں جہادی ہوں تو پھر یہ بچہ طالب علم ہونے کے ساتھ ہر دم تیار مجاہد بھی بن سکے گا۔ (إن شاء اللہ)

جو دین دار قسم کے لوگ کھیل کو دین کے منافی سمجھتے ہیں' انہیں رسول اکرم ﷺ کے افعال و اقوال کی روشنی میں اپنی دین داری کا جائزہ لینا چاہیے۔

عمر کے لحاظ سے کھیل

بچوں کے کھیل کھلونوں میں بڑا تنوع پایا جاتا ہے۔ عمر کے لحاظ سے بچوں کے کھیل کے مذاق میں بہت سی تبدیلیاں واقع ہوتی رہتی ہیں۔ جب ہم بچوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان کی تفریحی دلچسپیوں میں شدید اختلافات ملتے ہیں۔ ننھے بچے اکیلے کھیلنا پسند کرتے ہیں تو بڑے بچے ہم عمروں کے ساتھ مل کر کھیلتے ہیں۔ کم زور بچے گھروں میں کھیلتے ہیں تو طاقت ور بچے میدان میں جوہر دکھاتے ہیں۔ لڑکے گیند بلا پسند کرتے ہیں تو لڑکیاں گڑیوں اور ہنڈکلیوں کا کھیل کھیلتی ہیں۔ ذہین لڑکے زیادہ سوچ بچار والے کھیل کھیلتے ہیں تو کند ذہن لڑکے کم سوچ بچار والے کھیل کھیلتے ہیں یا اپنے سے کم عمر بچوں کے ساتھ کھیلتے ہیں۔ شہری بچے کھیلوں میں تنوع پسند کرتے ہیں تو دیہاتی بچے یکسانی و سادگی پسند کرتے ہیں۔ اگرچہ دلچسپیوں کا یہ اختلاف بچوں کی عمر' مزاج' موسم اور وسائل و ذرائع پر موقوف ہے مگر عمر کے لحاظ سے ہم کھیلوں کو تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

- بچپن یعنی ابتدائی عمر کے کھیل۔
- لڑکپن کے کھیل۔
- قبل از بلوغ کے کھیل۔

ابتدائی عمر کے کھیل

پیدائش کے بعد سے تین سال کی عمر تک کے کھیل اس زمرے میں شامل کیے جا سکتے ہیں۔ پیدائش کے بعد کچھ عرصے تک بچے صرف اپنے حواس سے کام لیتے ہیں۔ ہاتھ پاؤں مارنا' چیخنا چلانا ان کی سب سے

پہلی ورزش ہے۔ ان حرکات سے ان کے اعضاء اعصاب نشوونما پاتے ہیں۔ اس کے بعد نئی نئی چیز پر ہاتھ ڈالنے' کسی حرکت کو بار بار کرنے' گرد و پیش کے لوگوں اور چیزوں کو دیر تک تکتے رہنے سے انہیں فرحت محسوس ہوتی ہے۔ ان میں کچھ قوت اور آتی ہے تو وہ بیٹھنے' زمین پر رینگنے' چیزوں کی طرف لپکنے' انہیں اپنی طرف کھینچنے' ادھر سے ادھر کرنے اور ان کو پھینکنے میں دلچسپی لیتے ہیں۔ اس کے بعد بچے کھڑے ہونے اور چلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس دوران بچوں کو خوب ہاتھ پیر مارنے اور نئی نئی حرکتیں کرنے کے مواقع دینا چاہییے تاکہ ان کے اعصاب و عضلات کو بھرپور نشوونما کا موقع مل سکے۔ اس مرحلے میں بچوں کو گود کا عادی بنا دینا اور ہر وقت گود میں لیے پھرنا بچوں کی صحت کے لیے نقصان دہ ہے۔ اس سے بچوں کی نشوونما متاثر ہوتی ہے۔

جب بچہ چلنے لگتا ہے تو وہ اردگرد کی چیزوں میں زیادہ دلچسپی لینا شروع کر دیتا ہے۔ جو چیز بھی ہاتھ لگ جائے' اسے ہاتھ میں لے کر ٹٹولتا ہے۔ کبھی پھینکتا ہے' کبھی منہ میں ڈالتا ہے اور کبھی توڑنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس طرح وہ بہت سی چیزوں کے بارے میں غیر ارادی طور پر معلومات حاصل کرتا ہے۔ سوراخوں میں انگلیاں ڈالنا' ناخن سے کریدنا اور کھودنا اس کا محبوب مشغلہ ہوتا ہے۔ اس عمر میں بچوں کو ایسے کھلونے فراہم کیے جائیں جو آسانی سے نہ ٹوٹنے والے اور پختہ رنگ کے ہوں کہ اگر بچہ انہیں منہ میں لے لے تو اس کا رنگ بچے کے حلق تک نہ پہنچ جائے۔ بہتر ہے کہ کھلونے خوش رنگ' حرکت کرنے والے اور بجنے والے ہوں تاکہ بچہ ان سے اچھی طرح محظوظ ہو سکے۔ اس عمر میں ایسی چیزیں بچوں کی دسترس سے باہر رکھی جائیں جن کے ٹوٹنے پھوٹنے سے نقصان کا اندیشہ ہو مثلاً: آئینہ' کانچ' چینی کے برتن' چشمہ اور قلم دان وغیرہ۔ اگرچہ بچہ کسی کھلونے یا چیز کو توڑ پھوڑ دے تو اس پر ملامت نہیں کرنی چاہییے کیونکہ یہ تعمیر کی طرف ان کا پہلا قدم ہے۔ اگر آپ اس پر پابندی لگا دیں گے تو ان میں تعمیری و تخلیقی صلاحیتیں مرجھا کر رہ جائیں گی۔

اس عمر میں بچوں کو مٹی وغیرہ کھانے کی عادت پڑ جاتی ہے اور بعض بچے پاخانہ

پیشاب سے کھیلنے کی گھناؤنی عادت میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ اس لیے نہایت احتیاط اور نگہداشت کی ضرورت ہے۔ اس عمر میں بچے متوازن کھیل پسند کرتے ہیں یعنی وہ دوسرے بچوں کے قریب تو کھیلتے ہیں مگر ان کے ساتھ مل کر نہیں کھیلتے بلکہ تنہا ہی کھیلتے ہیں۔ اس عمر میں بچے اور بچیوں کے کھیلوں میں بھی فرق نہیں ہوتا۔

لڑکپن کے کھیل

چار پانچ سال کی عمر سے آٹھ نو سال کی عمر تک کے بچے اس زمرے میں آتے ہیں۔ اس عمر میں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کھیلنے کی رغبت پیدا ہوتی ہے۔ شروع میں ٹولی میں اضافہ ہونے لگتا ہے۔ اس عمر میں بچے فضول اور بے معنی آوازیں نکالنے میں کافی دلچسپی لیتے ہیں۔ اکٹھا ہو کر غل مچانا' سُر میں سُر ملا کر مہمل فقرے دہرانا ان کا پسندیدہ مشغلہ ہوتا ہے۔ دوڑنا بھاگنا' ایک دوسرے کا پیچھا کرنا نگاہوں سے چھپنا اور ڈھونڈنا' ٹولی بنا کر ادھر ادھر گھومنا' جنگلوں کی طرف نکل جانا' درختوں پر چڑھنا' جانوروں کے پیچھے بھاگنا اور ان کی سواری گانٹھنا' کاغذ موڑنا' صابن کے غبارے اڑانا' شادی بیاہ رچانا' مختلف تقریبات منانا' ایک دوسرے کی نقل اتارنا' ان کے لذت بخش کھیل ہوتے ہیں۔ اس عمر میں بچے عموماً مقابلوں کے کھیل میں دلچسپی نہیں لیتے۔ اگر انہیں مقابلے کے کھیل میں حصہ لینا پڑ جائے اور ہار ان کے حصے میں آجائے تو وہ رونا چلانا شروع کر دیتے ہیں یا ہٹ دھرمی اور غلط بیانی سے کام لے کر جیتنے کا سہرا اپنے سر باندھنا چاہتے ہیں۔ اس مرحلے پر ان کی تربیت کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ ہار جیت پر دیانت داری کو ترجیح دینے کے عادی بن جائیں۔ اِس عمر میں بچوں کو آنکھ مچولی' رومال جھپٹ' کرسی دوڑ' جلیبی دوڑ' کبڈی' رسہ کشی اور مختلف قسم کی دوڑ میں حصہ لینے کے مواقع فراہم کیے جائیں۔ سیرو تفریح اور پکنک کے لیے کسی پُر فضا یا تاریخی مقام پر لے جائیں۔ ان کے کھیلوں میں زیادہ مداخلت نہ کی جائے۔

قبل از بلوغ کے کھیل

نو دس سال کی عمر سے بالغ ہونے تک کے کھیل اس زمرے میں آتے ہیں۔ اس دور کے کھیلوں میں بچے شور و شغب کم اور حرکت زیادہ کرتے ہیں۔ اب وہ کھیلوں میں تنوع کو پسند کرتے ہیں۔ اس دور

میں دوسروں سے بازی لینے اور امتیازی درجہ حاصل کرنے کا جذبہ بڑا قوی ہوتا ہے۔ اب بچے سادہ کھیلوں کے بجائے مسابقت اور مقابلے کے کھیلوں کو ترجیح دیتے ہیں۔ مستقل ٹیمیں اور کلب بنانے کی دلچسپی ہوتی ہے۔ دوسروں کو چیلنج کرنے اور ان سے ٹکرانے میں مزہ آتا ہے۔ ٹولیوں کی شکل میں گھر سے دور نکل جانے کا شوق ابھرتا ہے۔ عمر کے اس دور میں بچوں کو بیڈمنٹن' رنگ بال' گھوڑسواری' تیراکی' فٹ بال' والی بال' باسکٹ بال' کرکٹ' ہاکی' رسہ کشی' کبڈی سائیکل سواری اور مختلف میچوں اور کھیل کے مقابلوں میں شرکت کے مواقع ملنا چاہئیں۔ اس دور میں بچے مشینوں کو کھولنے باندھنے چھوٹا موٹا فرنیچر بنانے اور بجلی کے سامان میں توڑ جوڑ کرنے میں دلچسپی لیتے ہیں۔ البتہ لڑکیاں ہنڈکلیاں کھیلنے' سینے پرونے اور کشیدہ کاری میں زیادہ دلچسپی لیتی ہیں۔ اسی عمر میں جنسی میلان کا آغاز بھی ہوتا ہے' اس لیے متوازن رہنمائی کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ فحش لٹریچر' فیچر فلموں اور ریڈیو و ٹی وی کے بے مقصد پروگراموں کے سلسلے میں اگر ان کی ضروری رہنمائی نہ کی جائے تو ان کے بگڑنے کے امکانات زیادہ ہو جاتے ہیں۔

کھیل کھلونوں سے متعلق چند ضروری ہدایات

بچوں کے کھیل اور کھلونوں سے متعلق کوئی لگا بندھا اصول متعین نہیں کیا جا سکتا ہے کیونکہ بچوں کے کھیلوں میں بڑا تنوع پایا جاتا ہے۔

کھیل کھلونوں سے متعلق اپنے بچوں کی راہنمائی کے لیے صحیح اور سائنسی طریقہ یہ ہے کہ آپ ان کا مطالعہ کریں' ان کے مزاج اور ذوق کو سمجھنے کی کوشش کریں' عمر کی روشنی میں ان کے جسمانی اور ذہنی تقاضوں کا تجزیہ کریں اور پھر فیصلہ کریں کہ ان کے لیے کس قسم کے کھلونے اور کھیل موزوں ہو سکتے ہیں۔

سرپرستوں کو اپنے بچوں کے لیے کھیل کھلونوں کا انتخاب کرتے ہوئے اپنی پسندیدگی و ناپسندیدگی کو سامنے نہیں رکھنا چاہیے بلکہ بچوں کی پسند و ناپسند کا خیال رکھنا چاہیے۔ دیکھا گیا ہے کہ بعض والدین بچے کو اپنے ہمراہ بازار لے گئے۔ کھلونوں کی دکان پر پہنچ کر بچہ تو ایک کھلونا پسند کر رہا ہے مگر والدین اس کے برعکس دوسرا کھلونا اس کو خرید کر دے

رہے ہیں اور بچے کے سامنے اس کی پسند کو غلط اور اپنی پسند کو صحیح قرار دے رہے ہیں۔ ذرا سوچیے! اگر بچوں میں والدین جیسی سمجھ بوجھ ہوتی تو وہ کھلونا کیوں طلب کرتے۔ ایسے موقعوں پر والدین کو بچے کے انتخاب ہی کو ترجیح دینی چاہیے۔

کھلونے خریدتے وقت بچے کی ذہنی و جسمانی صلاحیت کا ضرور خیال رکھنا چاہیے۔ چھ ماہ کے بچے کے لیے اگر آپ چابی سے چلنے والا جہاز یا سوئچ آن کر کے گولی پھینکنے والی بندوق خرید لیں تو یہ غیر موزوں ہے' اس کے لیے تو جھنجھنا یا کوئی چھوٹا سا کھلونا ہی موزوں اور مناسب ہے۔ اسی طرح اگر آپ پانچ چھ سال کے بچے کے لیے جھنجھنا یا کوئی چھوٹا سا کھلونا خرید لیں تو یہ بھی صحیح انتخاب نہ ہو گا۔

ایسے کھلونے خریدیے جو خوش نما اور پایہ دار ہوں' بد نما اور جلدی خراب ہو جانے والے کھلونوں سے بچوں میں بدمزاجی اور چڑچڑا پن پیدا ہوتا ہے۔ اچھے اور خوش نما کھلونے کم تعداد میں خریدنا بد نما کھلونوں کو بڑی تعداد میں خریدنے سے بہت بہتر ہے۔

کھیلوں اور کھلونوں میں تنوع کا ضرور خیال رکھیے کیونکہ بچہ ایک ہی کھیل سے اکتا سکتا ہے۔ اکیلے کھیلنے' دوسروں کے ساتھ مل کر کھیلنے' باہر کھیلنے' بیٹھ کر کھیلنے' کھڑے ہو کر کھیلنے اور چل پھر کر کھیلنے' ہر طرح سے کھیلنے کے لیے کچھ نہ کچھ سامان ضرور مہیا کیجئے۔ ایسے کھلونے خریدنے کو ترجیح دیجئے جنہیں بچہ کئی ذریعوں سے کھیل سکے مثلاً: لکڑی کے بلاک' بچہ ان کی قطار بنا سکتا ہے۔ ان سے گھر' مدرسہ' دکان' دفتر' چبوترا اور کھیت وغیرہ بنا سکتا ہے۔

کبھی کبھار ایسا کھلونا بھی خرید لیجئے جس کے لیے بچہ ضد کر رہا ہے' اگرچہ وہ کھلونا کسی کام کا نہ ہو تاکہ بچے کو یہ احساس دامن گیر نہ ہو سکے کہ اس کی خواہشوں کو پامال کیا جا رہا ہے۔

اگر مالی وسائل کھلونے خریدنے میں مانع ہوں تو گھر پر بہت سے کھلونے بنائے جا سکتے ہیں مثلاً: لکڑی یا دفتی کے بلاک' مٹی کے کھلونے' کاغذ کی ناؤ وغیرہ۔ ان کھلونوں کے بنانے میں آپ بچوں کو بھی شریک کر سکتے ہیں تاکہ ان کی مسرت دوبالا ہو جائے۔ مہنگائی

کے باوجود بچوں کو کھلونے ضرور ملنے چاہئیں- یہ ان کا پیدائشی حق ہے- خواہ وہ کھلونے آپ خرید کردیں یا بنا کر-

کوشش کیجئے کہ بچے گندی جگہ نہ کھیلیں اور اپنے کھلونوں کو بھی صاف ستھرا رکھیں- کھلونے خریدتے وقت بھی اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ ایسے کھلونے خریدے جائیں جو آسانی سے صاف ہو سکیں- جب بچہ بڑا ہو جائے تو اسے مل جل کر کھیلنے کی ترغیب دیجئے اور منظم کھیلوں کے مواقع فراہم کیجئے تاکہ اس کی سالم و متوازن شخصیت پروان چڑھ سکے-

اپنے بچوں میں بلند اخلاق کی تعمیر کے لئے کھلونوں کا انتخاب بھی بڑا اہم مسئلہ ہے- بہن اخت ارسلان مجلہ طیبات اپریل تا جون ۲۰۰۱ء میں اس مسئلہ کا قرآن و حدیث کی روشنی میں جائزہ لیتے ہوئے لکھتی ہیں:

گڑیاں

"ایک طرف تو چھوٹی عمر میں بچے کو کھلونوں کی ضرورت ہوتی ہے جب کہ دوسری طرف ہمیں اس بات کا خیال رکھنا ہے کہ ہمیں اپنے بچوں کو مثالی ماحول فراہم کرکے مثالی مسلمان اور بہترین انسان کیسے بنانا ہے- اس سلسلے میں سب سے پہلے ذکر آجاتا ہے گڑیوں کا کیونکہ بچیوں کی اکثریت کا پسندیدہ ترین کھلونا یہی ہے- اسلام کیونکہ دین فطرت ہے لہٰذا وہ بچیوں کو اس کھیل سے منع نہیں کرتا- سبحان اللہ! لیکن اگر وہ بچیوں کے دل بہلانے، کھیلنے اور سلیقہ سکھانے کے لیے ہوں تو جائز ہے لیکن اگر سجاوٹ کے لیے رکھی ہوں تو ناجائز ہے- اسی طرح بچوں کے دوسرے کھلونے مثلاً: بھالو، گھوڑا وغیرہ بھی جائز ہے، ملاحظہ ہو سنن ابوداؤد کی یہ حدیث:

"رسول اللہ ﷺ غزوہ تبوک سے واپس آئے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی الماری پر پردہ پڑا ہوا تھا- ہوا کے چلنے پر عائشہ رضی اللہ عنہا کی گڑیوں پر سے پردہ کا ایک کونا ہٹ گیا- آپ نے فرمایا: "اے عائشہ! یہ کیا ہے؟" انہوں نے کہا: "میری گڑیاں ہیں" آپ نے فرمایا: "میں ان کے درمیان یہ کیا دیکھتا ہوں؟" انہوں نے کہا: "یہ گھوڑا ہے-" آپ نے فرمایا: "دو پروں والا گھوڑا!؟" انہوں نے کہا: "کیا آپ نے سنا نہیں سلیمان علیہ السلام کے گھوڑے کے پر

تھے (اس جواب پر) نبی کریم ﷺ ہنس پڑے حتی کہ میں نے آپ کی داڑھیں دیکھیں“ (سنن ابو داؤد)

اس کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا ابوالحسن مبشر احمد ربانی لکھتے ہیں:

”ان احادیث سے معلوم ہوا کہ بچوں کی گڑیاں و کھلونے شرعاً مباح ہیں کیونکہ بچے ان کے ساتھ کھیلتے ہیں اور انہیں پامال کرتے ہیں جس سے ان کی توہین ہوتی ہے تعظیم نہیں۔ بلکہ اکثر بچوں کو دیکھا ہے کہ جب وہ اس طرح کی گڑیوں سے کھیلتے ہیں ان کے بال کھینچ دیتے ہیں کبھی بازو یا ٹانگ توڑ دیتے ہیں حتیٰ کہ کبھی ان پر پیشاب بھی کر دیتے ہیں۔ بہرکیف انہیں جب بچے کھیل کے لیے استعمال کر لیں تو پھر پردے کے اندر ہی رکھ دینا چاہئے جیسے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں پردے کے پیچھے رکھا ہوا تھا تاکہ ان کا اظہار نہ ہو اور نہ ہی انہیں سجا کر اپنے شوکیسوں میں لگائیں کیونکہ اس صورت میں ان کی تعظیم ہوتی ہے۔“

رہ جاتی ہے بات ایسی گڑیوں کی جو سازش کے طور پر بازار میں لائی جا رہی ہیں۔ یہ گڑیاں عورت کی طرح مکمل خدوخال رکھتی ہیں اور اس قدر بے ہودہ لباس زیب تن کیئے ہوئے ہوتی ہیں کہ ایک کے بعد دوسری نگاہ نہ ڈالی جائے' مثال کے طور پر باربی ڈال Barbie Doll باربرا ڈال Barbra Doll وغیرہ۔ اب کیونکہ انہیں دیکھ کر لڑکوں اور لڑکیوں کے جنسی جذبات ابھرتے ہیں لہٰذا یہ قطعی طور پر ناجائز ہیں۔ ان کفار کے بارے میں اللہ تعالی فرما رہے ہیں:

﴿ إِنَّ ٱلَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ ٱلْفَٰحِشَةُ فِى ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِى ٱلدُّنْيَا وَٱلْءَاخِرَةِ ۚ وَٱللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٩﴾ ﴾

(النور٢٤/ ١٩)

”اسی طرح مختلف شیطانی کرداروں کی شبیہیں یعنی سپائڈر مین (Spider Man)' سپر مین (Super Man)' بیٹ مین (Bat man) وغیرہ کے کھلونے بھی ملتے ہیں اور اسی طرح کی عورتوں کے بھی' جب کہ انسان کا کارٹون بنانا اسلام میں ناجائز ہے۔

بچوں کے کھلونوں میں ایک بات کا قطعی خیال رکھا جائے کہ اگر کوئی جانور ہے تو وہ مکمل طور پر جانور ہی ہونا چاہئے' اگر گھوڑا ہے تو یہ نہ ہو کہ انسان کا بدن اور گھوڑے کا چہرہ ہو' مثال کے طور پر مکی ماؤس (Mickie Mouse) پنک پینتھر (Pink Pantehr) وغیرہ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے ہندوؤں کا "گنیش" دیوتا ہے جس کا منہ ہاتھی کا اور باقی جسم انسان کا ہے' یا کسی اور دیوتا کا منہ بندر جیسا اور جسم انسان جیسا ہے۔ ایسے کھلونے صریحاً بت پرستی (کی ترغیب کے زمرے) میں آئیں گے۔

شطرنج تاش اور لڈو بچوں کے نہایت اہم کھیل شطرنج تاش اور لڈو وغیرہ ہیں۔ شطرنج کے لیے ایک حدیث شریف پیش ہے:

عَنْ اَبِی بُرَیْدَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ مَنْ لَعِبَ بِالنَّرْدِ شَیْرِ فَکَاَنَّمَا صَبَغَ یَدَہٗ فِی لَحْمِ خِنْزِیْرٍ وَدَمِہٖ

"سیدنا بریدۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس شخص نے چوسر (شطرنج کا کھیل) کھیلا گویا اس نے اپنے ہاتھ سور کے گوشت اور سور کے خون سے رنگے۔"" [1]

اس سے ہمیں معلوم ہوگیا کہ شطرنج یعنی Chess کو اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ نے سرے سے حرام قرار دیا ہے لہٰذا اسے کھیلنا قطعی طور پر منع اور کار گناہ ہے۔

"تاش" ایک مشہور کھیل ہے جو گھروں میں' دکانوں میں' سکولوں میں کھیلا جاتا ہے۔ اس کی لاتعداد گیمز (Games) ہیں' جن میں چالاکی سے جیتا جاتا ہے۔ اس کا سب سے اہم کھیل جوا ہے جو تاش کی گیم میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ جوئے کو ہمارے مذہب میں سرے سے حرام قرار دے دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِنَّمَا ٱلْخَمْرُ وَٱلْمَيْسِرُ وَٱلْأَنصَابُ وَٱلْأَزْلَٰمُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ ٱلشَّيْطَٰنِ فَٱجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٩٠﴾ ﴾ (المائدۃ۵/ ۹۰)

---

[1] مختصر صحیح مسلم تحقیق الشیخ محمد ناصر الدین البانی۔ کتاب الشعر وغیرہ باب اللعب بالنرد شیر (ح ۱۵۱۱ ص ۳۹۸)

مِنۡ عَمَلِ الشَّيۡطَانِ فَاجۡتَنِبُوۡهُ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ

”اے ایمان والو! بے شک شراب اور جوئے اور بت اور پانسے ناپاک شیطانی کام ہیں پس ان سے بچتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔“

علاوہ ازیں تاش کھیلنے والے عموماً ہارنے کے بعد جیتنے والے کو زدوکوب کرتے ہیں اور جانی نقصان بھی کر دیتے ہیں۔ یقیناً ہمارے رب نے ہمیں انہیں چیزوں سے بچنے کا حکم دیا ہے جن میں ہمارے لئے نقصان ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ اپنے بچوں کو اس گھناؤنے کھیل سے الگ رکھیں۔

ایک اور کھیل ایسا ہے جس میں بچوں کے لئے کوئی ذہنی یا جسمانی فائدہ نہیں اس کا نام ہے ”لڈو“ یہ کہنے کو تو ایک معصوم سا بے ضرر کھیل ہے مگر اس میں جو دانہ استعمال ہوتا ہے اس کا مقصد کسی حد تک پانسے سے ملتا ہے۔ قدیم عرب پانسے سے مراد کچھ تیر لیتے تھے۔ ان کو اسی طرح استعمال کیا جاتا تھا جیسے آج لڈو کے دانے کو یعنی بے ربطی سے ان میں سے کوئی تیر خوش بختی کا ہوتا اور کوئی بدبختی کا۔ اس لڈو میں ایسے تو نہیں مگر بالواسطہ یہ تمام کھیل قسمت پر انحصار کرتا ہے۔ علاوہ ازیں اس دانے میں جو پانسے سے مشابہت آتی ہے وہ اس کو ناجائز ثابت کرتی ہے۔ ان لڈوؤں کے پیچھے بچوں کے لئے چوسر (شطرنج) بھی بنی ہوتی ہے جس کی حرمت کی وضاحت پہلے ہو چکی ہے (اور یہ کھیل حقیقت میں بچوں کے لیے زہر قاتل ہے کیونکہ وقت کے ضیاع کا ذریعہ ہے کہ جو بچے کو کاہل کام چور ناکارہ بنا کر جوئے کی طرف رغبت دلاتا ہے) لہٰذا لڈو کا نہ کھیلنا ہی اہل ایمان کے لئے بہتر ہے۔

کمپیوٹر کا استعمال

نہایت تیزی سے مشہور ہوتا ہوا ایک کھلونا ”کمپیوٹر“ ہے کیونکہ نمود و نمائش کا دور ہے اس لئے لوگ ایک دوسرے کی ریس میں کمپیوٹر خرید رہے ہیں اور بچوں کے حوالے کر رہے ہیں‘ جو اس سے کوئی تعمیری و تبلیغی کام لینے کی بجائے فضول کاموں میں استعمال کر رہے ہیں۔ جیسے چیٹنگ یعنی کمپیوٹر پر دوستی۔ اس طریقے سے بآسانی ساری دنیا میں کسی بھی کمپیوٹر ہولڈر لڑکے یا لڑکی سے

دوستی کی جاسکتی ہے' اس کا فائدہ کفار اٹھا رہے ہیں۔ وہ دوسیتاں کر کے نہ صرف فحاشی کی ترویج کر رہے ہیں بلکہ عیسائیت کی تبلیغ بھی نہایت سرگرمی و تندہی سے جاری و ساری رکھے ہوئے ہیں۔ نہایت شرمندگی سے کہنا پڑتا ہے کہ وہ اپنی اس گھناؤنی سازش میں کسی حد تک کامیاب بھی ہو چکے ہیں۔ علاوہ ازیں اسرائیل نے ایک ایسی ویب سائٹ جاری کی ہے جو قرآن کے بارے میں غلط سلط معلومات فراہم کرتی ہے جس کا بچوں پر برا اثر پڑ سکتا ہے۔ (اللہ رب الرحیم ہمیں ان سازشوں سے بچنے میں کامیاب کرے) کمپیوٹر پر سی ڈی بھی چلتی ہے جو اپنے اندر بے حیائی اور فحاشی کا ایک سیلاب سموئے ہوئے ہوتی ہے۔ اس میں لاتعداد ویڈیو گیمز ہوتی ہیں جو وقت ضائع کرنے کا سب سے "مؤثر" ذریعہ ہیں۔ اس کے علاوہ ان سی ڈیز پر آوارہ ولچر فلمیں اور بیہودہ گانے (سب سے زیادہ تعداد میں) دستیاب ہیں جبکہ ہمارا رب ہمیں ان بے حیائی کے کاموں کو شیطان کی پیروی قرار دیتا ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ كُلُوا۟ مِمَّا فِى ٱلْأَرْضِ حَلَٰلًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا۟ خُطُوَٰتِ ٱلشَّيْطَٰنِ ۚ إِنَّهُۥ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿١٦٨﴾ إِنَّمَا يَأْمُرُكُم بِٱلسُّوٓءِ وَٱلْفَحْشَآءِ وَأَن تَقُولُوا۟ عَلَى ٱللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٦٩﴾﴾ (البقرۃ۲/ ۱۶۸۔۱۶۹)

"اے لوگو! جو چیزیں زمین میں حلال ہیں وہ کھاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو' وہ تمہارا کھلا دشمن ہے' وہ تم کو برائی اور بے حیائی کے کام کرنے کو کہتا ہے اور نہ اللہ کریم کی نسبت ایسی باتیں کرو جس کا تمہیں (کچھ بھی) علم نہیں۔"

میوزیکل آلات و کھلونے

بچوں کے کھلونوں میں ایک حصہ میوزیکل آلات (Mucical Instruments) کا بھی ہے جن میں پیانو' ستار' ڈھول' گٹار' بانسری' کی بورڈ ماؤتھ آرگن وغیرہ شامل ہیں۔ یہ سب ہی موسیقی پھیلانے کے نہایت بااثر ذرائع ہیں جبکہ موسیقی کی مذمت میں حدیث رسول کریم ﷺ ہے:

((لَيَكُونَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّونَ الْخَمْرَ وَالْحَرِيرَ وَالْمَعَازِفَ))

"میری امت میں ایسے لوگ ضرور آئیں گے جو زنا کو' ریشم کو' شراب کو اور آلات موسیقی کو حلال کر لیں گے۔" (صحیح البخاری)

کاش! ہم ان آیات اور احادیث پر تھوڑا سا غور کر لیں اور اپنی آخرت کا تھوڑا سا تصور'..... ہماری آخرت کے ساتھ ساتھ دنیا بھی سنور جائے گی۔ اگر دیکھا جائے تو بچوں کے ذہن خراب ہونے کے ساتھ ساتھ ان کھلونوں کے اور بھی کتنے ہی نقصانات ہیں جیسے یہ تمام کھلونے خاص طور پر نہایت مہنگے داموں درآمد کئے جاتے ہیں جس سے کفار کی معیشت مضبوط ہوتی ہے ساتھ ہی ان کی ثقافت بھی پھلتی پھولتی ہے۔ اس لئے آج ان کی تہذیب ہماری زندگی میں آکاس بیل کی طرح پنجے گاڑے اپنے آپ کو مضبوط اور ہماری تہذیب کو دن بدن کمزور کرتی چلی جا رہی ہے۔ ہماری نئی نسل کے ذہنوں میں مسلمان فاتحین کا جوش و ولولہ نہیں بلکہ کفار دانشوروں کی زندگیاں سوار ہیں۔ ننھی ننھی عمروں ہی میں دنیا سے ان کی محبت اور لگاؤ اور آخرت سے عدم دلچسپی واضح ہے۔

اقوام متحدہ کے ناپسندیدہ کھلونے

بچوں کے ایسے کھلونوں میں کوئی مذائقہ نہیں جن کی تردید یا اللہ کے نبی ﷺ نے نہ کی ہو جیسے ڈنکیاں (چھوٹی کاریں)' جہاز' ٹینک' کھلونے کے گھر' سادہ گڑیاں' سادہ جانور' گنیں' کلاشن کوفیں' تلواریں' نیزے وغیرہ مگر ان اسلحہ نما کھلونوں پر اقوام متحدہ کو سخت تکلیف ہے کیونکہ وہ خوفزدہ ہے جہاد کے دن بدن آگے بڑھتے علم جہاد سے۔ اسی لئے وہ مسلمانوں کی جڑوں پر وار کرتا ہے۔ اس نے یہ پراپیگنڈہ کر رکھا ہے کہ جہاز' ٹینک وغیرہ جیسے حربی کھلونوں پر پابندی لگائی جائے اور دنیا میں امن پھیلایا جائے۔ جب کہ ہمیں تو اپنے رب کے اس فرمان کو دل و جان سے قبول کرنا ہے۔

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ حَرِّضِ ٱلْمُؤْمِنِينَ عَلَى ٱلْقِتَالِ﴾ (الأنفال/٨ ٦٥)

"اے نبی! مومنوں کو (کافروں کے ساتھ لڑنے) قتال کرنے کے لیے ترغیب دے (یعنی انہیں قتال پر ابھار اور برانگیختہ کر)۔"

ہر مسلمان جانتا ہے کہ کافر امن کیوں چاہتا ہے؟ کیونکہ وہ جہاد کی برکات اور مجاہدین کی پیش قدمیوں سے نالاں ہے۔ دن رات اونچے اونچے ایوانوں میں بڑی بڑی کانفرنسیں کر کے مجاہدین کے خلاف ایجنڈے تیار کرتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ کی رضا سے مجاہدین ایک ہی وار میں ناکام بنا دیتے ہیں' اس لئے اس اقوام متحدہ کو مجاہدین اسلام کے قدم اپنے سینے کو کچلتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں۔ وہ حیران و پریشان ہیں ان مجاہدین کی ہیبت سے جو سولہ سترہ برس کی عمروں میں ہی اسلحے سے لیس پختہ عمر کرنیلوں جرنیلوں کو اس طرح مار گراتے ہیں گویا کہ وہ گاجر مولیاں ہوں۔

بچوں کے کھیلوں میں سے ان کے لئے ایسے کھیل موزوں ترین ہیں جو ان کی صحت کے لئے مفید ہوں جیسے زیادہ بھاگ دوڑ اور اچھل کود والے کھیل مثلاً: گھڑسواری' تیراکی کرنا' تیر اندازی اور جوڈو کراٹے وغیرہ جو ان کی تندرستی کی ضمانت بھی ہیں ان کے مذہب و عقائد پر وار بھی نہیں کرتے اور وقت گزاری کا بہترین مشغلہ بھی ہیں۔

ایک اور لغو چیز کا ذکر بھی ضروری ہے۔ آج سے لاکھوں برس پہلے نیست و نابود ہونے والے عجیب الخلقت حیوانات (جنہیں انگریزوں نے ڈائنو سارس کا نام دیا ہے) کے کارٹون فلمیں اور کھلونے بنا کر انہیں زبردستی بچوں کے ذہنوں پر سوار کر دیا اور بچوں کے ذہنوں کو اوٹ پٹانگ خرافات سے بھر دیا۔ دراصل انہوں نے اپنا دھندا کھرا کیا۔ (اور اس نام پر خوب دولت اکٹھی کی) ایسی چیزوں کا اب دنیا میں کوئی تصور نہیں۔"

نیند اور آرام

نیند کی ضرورت

رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ عبادت میں اتنے مشغول رہتے ہیں کہ دوسروں کے حقوق کی بھی کوئی فکر نہیں ہو پاتی ہے تو آپ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا: "کیا یہ صحیح ہے کہ تم دن میں روزے رکھتے ہو اور رات میں نماز پڑھتے ہو۔" سیدنا عبداللہ نے عرض کیا: "ہاں یا رسول اللہ۔"

یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایسا نہ کرو' روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کرو' سوؤ بھی اور جاگو بھی۔ اس لیے کہ تمہارے جسم کا تم پر حق ہے' تمہاری آنکھوں کا تم پر حق ہے۔'' [1]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان کے لیے سونا اور آرام کرنا بھی ایک دینی امر ہے۔ انسان کے جسم اور آنکھ کا یہ حق ہے کہ اس کو آرام پہنچایا جائے' قرآن میں بھی سونے اور آرام کرنے کے لیے واضح اشارات موجود ہیں۔

بچہ نیند کا زیادہ ضرورت مند ہوتا ہے۔ خاص طور پر صحت مند بچہ خوب سوتا ہے۔ ابتدائی چند مہینوں میں بچہ اکثر سوتا رہتا ہے۔ یہ سوچ کر بچے کو ہرگز بیدار نہ کیا جائے کہ وہ بہت دیر سے پڑا سو رہا ہے۔ بچے کو صرف دودھ پلانے اور نہلانے دھلانے کے لیے بیدار کیا جائے۔ اگر بچے کے دودھ پلانے کے اوقات مقرر کر لیے جائیں تو بہتر ہے تاکہ متعینہ وقت پر بچہ دودھ پی کر گہری نیند سو سکے' نیند کے سلسلے میں بچوں کی طبیعتیں عموماً مختلف ہوتی ہیں۔ بعض بچے گہری نیند سوتے ہیں۔ بہت سے بچے معمولی آہٹ سے بھی بیدار ہو جاتے ہیں۔ بعض بچے بہت دیر تک سوتے رہتے ہیں۔ جب کہ بعض بچے بار بار جاگ جاتے ہیں۔ بچے کا دیر تک گہری نیند سونا اس کی جسمانی و ذہنی نشوونما کے لیے بہت مفید ہے۔

کوشش کیجیے کہ آپ کا بچہ زیادہ سے زیادہ گہری نیند سو سکے۔ گھر کے ماحول کو ایسا بنائے رکھیے کہ بچے کی نیند میں خلل نہ پڑے۔ اگر بچہ کسی وجہ سے حسب ضرورت نہیں سو پا رہا ہے تو نہ سونے کے اسباب کا سراغ لگائیے اور ان کے ازالے کی فکر کیجیے۔ اس سلسلے میں بچوں کے ماہر ڈاکٹروں سے بھی مشورہ لیا جانا چاہیے۔

آرام کا صحیح طریقہ

اس بات کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہیے کہ بچے کو آرام دہ بستر پر سلایا جائے تاکہ وہ سکون و اطمینان سے اپنی نیند پوری کر

---

[1] صحیح بخاری' کتاب الصوم: باب حق الاھل فی الصوم' (ح ۱۹۷۷)۔ صحیح مسلم' کتاب الصیام: باب النھی عن صوم الدھر لمن تضرر بہ' (ح ۱۱۵۹)۔

سکے۔ اگر سونے کے درمیان بچے کا بستر خراب یا گیلا ہو جائے تو اسے فوراً بدل دیا جائے۔ اس سلسلے میں ماں ذرا سا بھی تساہل اور لاپروائی نہ برتے اور ہر وقت اس قسم کی تکلیف برداشت کرنے کے لیے اپنے کو تیار رکھے۔ بچہ اس قدر نازک بدن ہے کہ کسی گندی اور گیلی چیز کے اثر سے اس کی صحت فوراً متاثر ہو سکتی ہے۔

کبھی کبھی بچے کو معمولی بستر پر بھی سلایا جائے۔ شور شرابہ اور ہنگامہ کی جگہ پر بچے کو ہرگز نہ سلایا جائے' بچے کو اس طرح ہرگز نہ سلانا چاہیے کہ ماں کی چھاتی یا بوتل کی گھنڈی اس کے منہ میں ہو' بچے کو وقت ضرورت لوری سنا کر یا تھپتھپا کر بھی سلایا جا سکتا ہے مگر مستقل اس کی عادت نہ ڈالی جائے۔ لاڈ پیار میں بچے کو ہر وقت گود میں لیے رہنا اور اپنے سے جدا نہ کرنا بچے کے فطری تقاضوں پر ظلم کرنے کے مترادف ہے۔ بچے کو آرام کے لیے چارپائی یا فرش پر موٹا کمبل یا گدا بچھا کر لٹانا چاہیے۔ بچے کو اس بات کا بھی موقع دینا چاہیے کہ وہ کچھ دیر کے لیے آزادانہ طور پر ہاتھ پیر مار سکے تاکہ اس کے اعضاء کھل جائیں اور اسے جسمانی ورزش کے فوائد حاصل ہوں۔

شروع ہی سے یہ کوشش کی جائے کہ بچہ ماں سے الگ دوسری چارپائی پر سوئے۔ اگر ابتدا سے اس پر عمل نہ کیا جا سکے تو چھ ماہ کے بعد بچے کو ماں اپنے سے الگ ضرور سلائے تاکہ بچے کو تنہا سونے کی عادت پڑ جائے اور بچہ ماں کے منہ سے نکلنے والی گندی ہوا سے بھی محفوظ رہ سکے۔ اگر بچپن ہی سے بچے کو الگ سلانے کی عادت نہ ڈالی گئی تو بچہ بڑا ہو کر بھی علیحدہ سونا پسند نہ کرے گا اور تنہا سوتے ہوئے گھبرائے گا۔ جس سے بزدلی کے اثرات پیدا ہونے کے امکانات سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

بچے کو الگ چارپائی پر سلانے کا اہتمام کرنے کے ساتھ ماں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ بچے کی دیکھ بھال ضرور کرتی رہے۔ بہتر یہی ہے کہ بچے کی چھوٹی چارپائی کے پاس ہی اپنی چارپائی بچھا لے تاکہ بچے کی نگرانی کے فرائض بحسن و خوبی انجام دے سکے۔ جب بچہ بیدار ہو تو اسے یہ اطمینان ہو جائے کہ میری ماں میرے پاس ہی موجود ہے۔

بچے کو کبھی بھی منہ کے بل نہ سونے دیا جائے۔ یہ بہت بری عادت ہے اور اس سے

سانس رک جانے کا بھی امکان رہتا ہے۔ اگر ماں دیکھے کہ اس کا بچہ منہ کے بل سو رہا ہے تو فوراً ہی اسے سیدھا کر دے بہتر ہے کہ بچے کو دائیں کروٹ سونے کا عادی بنایا جائے۔

جب بچہ سو رہا ہو تو اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا جائے کہ اس کا منہ بستر کے کسی کپڑے سے نہ ڈھکا ہو' اگر ماں بچے کے منہ کو کپڑے سے ڈھکا ہوا دیکھے تو منہ پر سے فورا کپڑا ہٹا دے کیونکہ کپڑے سے منہ بند ہو جانے کی وجہ سے تنفس کے رک جانے کا خطرہ رہتا ہے۔

رات کو سوتے وقت گھر کا دروازہ بند کر دیجئے تاکہ کتا یا کوئی دوسرا جانور داخل نہ ہو سکے۔ سونے سے پہلے بچے کا بستر جھاڑ دیجئے اگر وہ اندھیرے میں نہ سو سکتا ہو تو ہلکی روشنی کر دیجئے' سوتے وقت بستر کے پاس کوئی نقصان دہ چیز نہ رکھیے خاص طور پر چراغ اور لیمپ کو بستر سے کافی فاصلے پر رکھیے۔

آرام کے اوقات

کھانے پینے اور دوسری عادتوں کی طرح سونے کے آداب و اطوار اور نیند میں باقاعدگی اور سلیقہ مندی کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔ پانچ چھ مہینے تک بچہ عموماً بیس گھنٹے سوتا ہے۔ چھ ماہ اور ایک سال کی عمر کے درمیان عموماً سولہ گھنٹے سوتا ہے۔ بتدریج سونے کی مدت کم ہوتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ بچہ پانچ سال کا ہونے پر بارہ گھنٹے سوتا ہے۔

بچے کو پہلے مہینے میں تین گھنٹے کے بعد بیدار کر کے دودھ پلانا چاہیے۔

مذکور بالا مدت سے پہلے بچے کو دودھ پلانے کے لیے بیدار کرنا بہتر نہیں۔ البتہ بچہ خود بیدار ہو جائے اور دودھ کی خواہش کا اظہار کرے تو اسے ضرور دودھ پلا دیا جائے۔

ایک سال کا ہونے سے پہلے بچے کو رات میں ایک بار یا دو بار دودھ پلایا جائے۔

جب بچہ ایک سال کا ہو جائے تو اسے رات میں دودھ نہ دیا جائے بلکہ سونے دیا جائے تاکہ اس کا جسم بھرپور طور پر پھل پھول سکے اور معدے کو بھی آرام ملے۔ البتہ ایک سال کے بچے کو دن میں دو ایک بار سونے کی ضرورت ہو گی۔ ماں اپنی اور بچے کی سہولت کے پیش نظر صبح' دوپہر اور سہ پہر میں سے کسی بھی ایک یا دو وقت کا انتخاب کر کے بچے کو

ضرور سلائے۔ بچے کو اس بات کا عادی بنایا جائے کہ وہ رات شروع ہوتے ہی دودھ پی کر سو جائے۔

ایک سال کی عمر کے بچے کو صبح اور دوپہر کے کھانے کے ایک گھنٹے بعد تک نہ سونے دیا جائے اور انہیں ہاتھ پیر ہلانے کا موقع دیا جائے تاکہ ان کا کھانا ہضم ہو جائے۔ رات کی غذا دن کے مقابلے میں ہلکی اور خفیف ہونی چاہیے تاکہ بچے کی رات کی نیند میں خلل نہ پڑے۔

بچے کے آرام کے اوقات میں اس کے بول و براز کے اوقات کا ضرور خیال رکھنا چاہیے۔ شیر خوار بچہ عمر کے لحاظ سے عموماً آٹھ بار سے سولہ بار تک پیشاب کرتا ہے اور دوبار سے چھ بار تک پاخانہ کرتا ہے۔ اگر بچے کو ہر ڈیڑھ گھنٹے کے بعد پیشاب کے لیے اور ہر تین یا چار گھنٹے کے بعد پاخانے کے لیے بیدار کیا جائے تو بستر بھی نہ خراب کر سکے گا اور بچے کو بھرپور آرام اور سونے کا موقع بھی مل جائے گا۔ اگر ماں یا دایہ اوقات کی پابندی کرے تو خود بھی تکلیف سے بچ سکتی ہے اور بچہ بھی سکون سے سو سکتا ہے۔

رات ہوتے ہی چھوٹے بچوں کو گھر سے باہر نہ جانے دیجئے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جب شام ہو جائے تو چھوٹے بچوں کو گھر میں روکے رکھو اس لیے کہ اس وقت شیاطین زمین پر پھیل جاتے ہیں۔"[1]

سونے سے متعلق بچوں کو اسلامی آداب اور مسنون دعائیں بھی یاد کرائیے۔

سوتے وقت کی دعا ((أَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَ اَحیَ)) "اے اللہ! میں تیرے نام سے مرتا ہوں اور تیرے نام سے زندہ ہوتا ہوں۔"[2]

سو کر اٹھنے کی دعا ((اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ)) "اس اللہ کریم کی تعریف جس نے ہمیں موت کے بعد زندگی دی اور اسی کی

---

[1] صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق : باب صفۃ ابلیس و جنودہ، (ح ۳۲۸۰)۔ صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ : باب استحباب تخمیر الاناء ..... ' (ح ۲۰۱۲)۔

[2] صحیح بخاری، کتاب الدعوات : باب وضع الید تحت الخد الیمنی، (ح ۶۳۱۴)۔

طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے۔"[1]

مناسب آرام نہ ملنے کے مضر اثرات

اگر بچہ ضرورت بھر گہری نیند نہ سو سکے' تو اس کی جسمانی نشوونما متاثر ہوتی ہے۔ معدہ اور دماغ کم زور ہونے لگتا ہے' اعضا و اعصاب میں تناؤ کی کیفیت پیدا ہونے لگتی ہے' اس لیے ضروری ہے کہ بچے کو بھرپور آرام اور نیند حاصل ہو اگرچہ کسی وجہ سے بھرپور نیند نہیں سو پا رہا ہے یا نیند کے درمیان بار بار جاگ پڑتا ہے تو اس کیفیت کے اسباب و محرکات کا سراغ لگا کر انہیں دور کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔

اگر ماں بچے کو روتا یا کلبلاتا دیکھے تو سب سے پہلے بچے کے بستر کو چیک کرے' کہیں وہ خراب یا گیلا تو نہیں ہے۔ اگر ایسا ہے تو فوراً صاف اور خشک بچھونا بچھا دینا چاہیے۔ بستر پر پڑی ہوئی کوئی چیز چبھ رہی ہے تو اس کو فوراً ہٹا دے۔

بچے کی بے چینی' بار بار جاگنے یا رونے چلانے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ بچے کو مطلوب غذا نہ مل پا رہی ہو جو بچہ اوپر کا دودھ پی رہا ہے وہ یقیناً گہری اور اطمینان بخش نیند نہیں سو سکتا ایسی حالت میں بچے کی مناسب غذا کا اہتمام کرنا چاہیے۔ بچہ پیاس کی وجہ سے بھی جاگ سکتا ہے۔ ایسی صورت میں دودھ پلانے سے پہلے بچے کو تھوڑا سا تازہ پانی بھی پلایا جائے۔

سوتے بچے کو دن میں مکھیاں اور رات میں مچھر بھی پریشان کرتے ہیں اور بچہ بار بار بیدار ہوتا رہتا ہے' اس لیے بچے کو مچھر دانی میں سلانا چاہیے تاکہ بچہ مچھروں اور مکھیوں سے محفوظ رہ سکے اور تازہ ہوا بھی ملتی رہے۔ بعض مائیں ایسی صورت میں بچے کا پورا بدن کپڑے سے ڈھانپ دیتی ہیں جس کی وجہ سے بچے کو زیادہ ہوا نہیں مل پاتی اور بچے کو سانس لینے میں بھی دقت محسوس ہوتی ہے۔

ایسا بھی ہوتا ہے کہ بچہ جس کمرے میں سو رہا ہے وہ کمرہ دھوپ کی شدت سے بہت

---

[1] حوالہ سابق۔

گرم ہو جاتا ہے اور بچہ گرمی سے پریشان ہو کر اٹھ جاتا ہے۔ ایسی صورت میں بچے کو آرام پہنچانے کی ضرورت ہے۔ بچہ بلند آواز' شور و ہنگامہ کی وجہ سے بھی جاگ اٹھتا ہے' اس لیے بچے کو پُرسکون اور خاموشی والی جگہ پر سلانا چاہیے۔

بچہ جب کچھ بڑا ہو جائے تو اسے سونے اور بیدار ہونے کی دعائیں یاد کرائیں اور انہیں سونے جاگنے کے عادات واطوار کا عادی بنائیے۔ بچے کو بتائیں کہ وہ سونے سے پہلے اپنا بستر جھاڑ لے۔ سوتے وقت اپنے جوتے اور کپڑے پاس ہی رکھے تاکہ جب سو کر اٹھے تو تلاش کرنے میں دقت نہ ہو' بیدار ہو کر فوراً جوتے میں پیر نہ ڈالے جائیں بلکہ پہلے جوتے اندر سے صاف کر لیے جائیں مبادا کوئی موذی چیز گھس گئی ہو اسی طرح کپڑے بھی جھٹک کر پہنے جائیں۔

بچے کو ایسے کمرے میں سلائیے جس میں تازہ ہوا کا گزر ہو' کمرہ بالکل تاریک یا سیلن زدہ نہ ہو' ایسی کھلی چھت پر بھی بچے کو نہ سلائیے جس پہ منڈیر یا جنگلہ نہ ہو۔ بچے کو زینے سے اندھیرے میں نہ اتاریئے اور نہ اترنے دیجیے۔ سونے سے قبل بچوں کے ہاتھ دھلوا دیجیے تاکہ اگر ان پر چکنائی وغیرہ لگی ہو تو دھل جائے کیونکہ چکنائی کی وجہ سے سوتے میں بچے کو کوئی کیڑا یا موذی کاٹ سکتا ہے۔

بچوں کو رات گئے دیر تک جاگنے نہ دیں اور جلد بیدار ہونے کی عادت ڈالیں۔ بچوں کو ضرورت سے زیادہ نہ سونے دیں اس طرح طبیعت بوجھل بوجھل رہتی ہے۔ بچے کو تاکید کریں کہ وہ رات سوتے وقت کے مسنون اذکار کر کے سوئے۔ بچے کو سلاتے وقت دائیں کروٹ لٹائیں اور منہ لپیٹ کر سونے کی عادت نہ ڈالیں۔ بچے اگر نیند میں ڈر جائیں تو ان کو آیت الکرسی اور معوذتین پڑھ کر اپنے آپ کو دم کرنے کی تلقین اور عادت ڈالیں۔ یا والدین ڈرنے اور خوف کھانے سے متعلقہ اذکار مسنونہ پڑھ کر بچے کو دم کریں اور ان کی پریشانی دور کریں' جب بچہ سو کر اٹھے تو بیداری کی دعا کے بعد سب سے پہلے اس کے ہاتھ دھلائے جائیں' تین دفعہ ناک میں پانی ڈال کر (ناک کے بائیں حصے کو) خوب جھاڑا جائے۔ یعنی صفائی کی جائے۔ پھر مسواک کا استعمال کروائیں یوں سنت پر عمل

بھی ہو گا اور دانتوں کو کیڑا وغیرہ بھی نہ لگے گا۔ پھر بچے کو گھر پر نماز پڑھائیں یا مسجد میں لے جائیں اور پھر تلاوت کروائیں۔

پاکیزہ ماحول اچھی صحت و تندرستی کے لیے بچے کے اردگرد کا ماحول اخلاقی لحاظ سے پاکیزہ ہونا نہایت ضروری ہے۔ اگر صحیح عقائد و خیالات' نیک چال چلن' صالح سیرت و کردار کے افراد سے بچے کو واسطہ پڑتا ہے تو بچے میں ایجابی صفات پروان چڑھتی ہیں جن کا ذہنی و نفسیاتی اثر بچے کی صحت پر پڑتا ہے۔ اس کا دل و دماغ خوش رہتا ہے۔ اس کے ذہن میں پاکیزہ خیالات آتے ہیں۔ نیک عادات و اطوار اور حسن سلوک کے جذبات پروان چڑھتے ہیں۔ بچہ کو طمانیت قلب حاصل ہوتی ہے۔ وہ معمولی کپڑے پہن کر' موٹا جھوٹا کھا کر بھی اپنی خودی کی تعمیر کرتا ہے۔ اس کی صحت سنورتی اور عمر بڑھتی ہے۔ اس کے برعکس اگر بچے کے گرد و پیش فاسد افکار و عقائد رکھنے والے بری عادات و اطوار میں ملوث جرائم پیشہ لوگ رہتے ہیں تو ماحول کی اخلاقی گندگی متاثر کرتی ہے۔ اس کے اندر بری عادتیں پنپنے لگتی ہیں۔ بدچلنی میں اسے مزہ آنے لگتا ہے اور پھر یہ برے عادات و اطوار نہ صرف اس کے دل و دماغ پر برے اثرات ڈالتے ہیں بلکہ اسے مہلک امراض میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

آئے دن کا مشاہدہ گواہی دیتا ہے کہ جب بچہ غلط ماحول میں پڑ کر بہت سی ذہنی و نفسیاتی بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے اور بسا اوقات مہلک جسمانی بیماریاں اس کی صحت کو تباہ کر دیتی ہیں۔ اخلاقی لحاظ سے صاف ستھرا اور پاکیزہ ماحول دل و دماغ کو شگفتگی عطا کرتا ہے جس کے دور رس اثرات اس کی صحت پر پڑتے ہیں۔ جب کہ گندہ اور فاسد ماحول بچے کی طمانیت قلب کو دیمک کی طرح چاٹ جاتا ہے اور اس کی صحت خراب کر دیتا ہے۔

پاکیزہ سیرت و اخلاق بچے کی جسمانی صحت پر نہایت مفید اثرات ڈالتا ہے۔ بچے میں سیرت کی پاکیزگی اپنے ماحول سے پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے بچے کی صحت کی ذمہ داریوں کو ادا کرتے وقت اس پہلو کو بھی ضرور سامنے رکھنا چاہیے۔

باب پنجم

تربیت

تربیت کے چند بنیادی نکات

بچوں کی تعلیم و تربیت کے سلسلے میں حکمت و دانائی سے کام لینا چاہیے- اس سلسلے میں ادنی سی غفلت بہت سے پریشان کن نتائج کا پیش خیمہ ہو سکتی ہے- اس لیے کہ اصلاح و تربیت کے سلسلے میں بے حکمتی فائدے کے بجائے نقصان کا سبب بن جاتی ہے- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اَلْحِکْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ)) "حکمت مومن کا گم شدہ سرمایہ ہے-"[1]

قرآن پاک میں بھی حکمت و دانائی پر بڑا زور دیا گیا ہے- نبی اکرم ﷺ اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کی اصلاح و تربیت کے سلسلے میں حکمت و دانائی کو ہمہ وقت پیش نظر رکھتے تھے' کوئی ایسا لفظ زبان سے نہیں نکالتے تھے جس کا حاضرین پر کوئی غلط اثر پڑے- ہر قول اور ہر عمل حکمت و دانائی سے لبریز ہوتا تھا تاکہ افراد کے کردار کی بہتر طور پر تشکیل ہو سکے-

ذیل میں بچوں کی تربیت سے متعلق کچھ اہم نکات کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے- ان نکات کے پیش نظر توقع ہے کہ بچوں کی بہتر نشوونما ہو سکے گی-

بچوں کی بہتر تربیت کے لیے یہ ضروری ہے کہ گھر کے ماحول کو خوش گوار بنایا جائے- بعض گھرانوں میں گھریلو جھگڑوں یا مالی بدحالی کی وجہ سے فضا غم آلود اور ماحول بے

---

[1] سنن ترمذی' کتاب العلم: باب ماجاء فی فضل الفقه علی العبادة (ح ۲۶۸۷)- سنن ابن ماجه' کتاب الزهد: باب الحکمة (ح ۴۱۶۹) بلفظ "الکلمة الحکمة ......"

کیف رہتا ہے' ایسے ماحول میں پلنے والے بچوں میں بہت سی خرابیاں جڑ پکڑ جاتی ہیں۔

اگر بچے سے کوئی غلطی ہو جائے یا آپ کوئی بات اسے سمجھائیں اور اس کی سمجھ میں نہ آئے' تو مشتعل نہ ہوں اور نہ اس کو سزا دیں اس صورت میں اس میں نفرت کے جذبات کے جڑ پکڑنے کا اندیشہ ہے۔ آپ اسے مستقل مزاجی سے سمجھانے کی کوشش کریں۔

اگر بچے سے کوئی غلطی ہو جائے تو عفو و درگزر سے کام لیا جائے' محبت اور پیار سے سمجھا دیا جائے۔ ایک بار جو غلطی ہو گئی ہے' وہ بار بار یاد نہ دلائی جائے۔ ایسا کرنے سے بچے میں چڑ اور ضد پیدا ہو جاتی ہے اور اسی غلطی کو دوبارہ کرنے کا جذبہ بھی پروان چڑھنے لگتا ہے۔ بچے کی غلطی پر اسے دوسروں کے سامنے نہ ٹوکیے بلکہ تنہائی میں دل نشیں انداز میں سمجھائیے۔ غلطی پر ٹوکتے ہوئے اس کی خوبیوں کا ضرور تذکرہ کیجئے۔ فرض کیجئے آپ کے بچے نے جھوٹ بولا تو تنہائی میں بچے کو اس طرح سمجھائیے: "بیٹا! تم بہت اچھے ہو' کوئی شرارت نہیں کرتے' وقت پر اٹھتے ہو' وقت پر کھاتے ہو' بڑوں کا ادب کرتے ہو' سب لوگ تمہاری تعریف کرتے ہیں' سب تمہیں اچھا اور سچا کہتے ہیں' تم نے جو یہ غلطی کی ہے اس وقت تمہیں یہ دھیان نہیں رہا کہ تم کوئی غلطی کر رہے ہو" وغیرہ وغیرہ آپ دیکھیں گے کہ آپ کا بچہ ان شاء اللہ آئندہ جھوٹ نہ بولے گا۔

اگر گھر پر مہمان یا رشتے دار آئیں تو ان سے اپنے بچے کی شکایت نہ کیجئے بلکہ بچے کی خوبیاں بیان کیجئے' اس کو سراہیے' اگر بچے کی کوئی کمی ہے تو اسے نظرانداز کر دیجئے اور حسن ظن اور چشم پوشی سے کام لیجئے۔ فرض کیجیے آپ کے بچے نے کبھی کوئی چیز چرا لی' آپ سے ملاقات کے لیے آپ کے کچھ دوست یا رشتے دار گھر آئے تو موقع تلاش کر کے اپنے بچے کی خوبیاں ان کے سامنے بیان کرتے ہوئے یہ بھی بتائیے کہ ہمارا بچہ کبھی کوئی چیز بغیر اجازت نہیں لیتا۔ بچہ جب آپ کی زبان سے اپنے بارے میں یہ بات سنے گا تو اسے اپنے فعل پر ندامت ہو گی اور اس کا عین امکان ہے کہ وہ یہ طے کر لے کہ آئندہ وہ کوئی چیز نہیں چرائے گا۔

بچے کی تربیت سے کبھی مایوس نہ ہو- یہ توقع رکھنا کہ بچے کی بری عادتیں فوراً دور ہو جائیں گی' دانش مندی کی بات نہیں ہے- بچہ اپنے لاشعوری قصور سے لاعلم ہوتا ہے' بچہ بہرحال بچہ ہے' اس سے طفلانہ حرکتوں کا صدور لازمی ہے- اس سے بہت بلند توقعات باندھ لینا عقل مندی کی بات نہیں ہے-

بچوں کو اپنے معیار پر نہ جانچیے- یہ نہ بھولیے کہ جب آپ بچے تھے تو آپ میں بھی خیر و شر کی اتنی تمیز نہ تھی جتنی اب ہے- آپ سالہا سال کے تجربوں اور آزمائشوں کے بعد جس مقام پر پہنچے ہیں بچے کو ابھی سے اس مقام پر دیکھنا اگر اس کے ساتھ ظلم و زیادتی نہیں ہے تو پھر کیا ہے؟ آپ نفع و نقصان کا جو پیمانہ رکھتے ہیں' اخلاقی و غیر اخلاقی باتوں میں جو فرق کرتے ہیں' وہ بچے میں ابھی سے کس طرح پیدا ہو سکتا ہے !!

بچوں کو کچھ ایسے کام آزادانہ طور پر ضرور کرنے دیجئے جس سے ان میں خود اعتمادی اور جرأت پیدا ہو- بات بات پر بچے کو ٹوکنا اور اس کی تمام حرکتوں پر گہری نظر رکھنا مناسب نہیں ہے- اس کی قوت ارادی کو پروان چڑھانے کے لیے تھوڑا بہت مالی نقصان بھی برداشت کیجئے- مثال کے طور پر آپ نے بچے کو کچھ کھلونے لا کر دیئے' بچہ ان کھلونوں کو مختلف زاویوں سے دیکھتا ہے' ان کے پیچ پرزے کھولتا ہے تو بچے کو ایسا کرنے دیجئے- دراصل بچہ مختلف تجربے کر رہا ہے' اس سے اس کے اندر خود اعتمادی بھی پیدا ہو گی اور تجرباتی صلاحیت بھی پروان چڑھے گی- اگر آپ نے اسکو ڈانٹ دیا' تو وہ وقتی طور پر اپنے مشغلے سے باز تو آ جائے گا مگر اس کی خود اعتمادی مجروح ہو جائے گی-

بچوں کی فطری خواہشوں کی تکمیل کی حتی الامکان کوشش کیجئے اور آہستہ آہستہ ان پر قابو پانے کی تربیت دیجئے- مثال کے طور پر آپ بچے کو لے کر بازار جاتے ہیں' بچہ بہت سی مٹھائیاں اور پھل دیکھ کر اسے لینے کی خواہش ظاہر کرتا ہے' آپ بچے کو کچھ مٹھائی وغیرہ خرید کر دے دیتے ہیں' ہاتھ میں پہنچتے ہی بچہ ان کو کھانا چاہتا ہے' آپ تھوڑے سے صبر کی تلقین کیجئے اور بتایئے کہ کھڑے ہو کر اور عام بازار میں کھانا اچھے بچوں کا شیوہ نہیں ہے- مگر جلد ہی اس کو اطمینان سے بیٹھ کر کھانے کی جگہ فراہم کر دیجیے کیونکہ وہ

زیادہ دیر تک صبر نہ کر سکے گا۔ کچھ بڑا ہونے پر اتنا صبر کرائیے کہ گھر پہنچ کر کھائے' پھر چیزوں کو خریدنے میں ناغے کا وقفہ بڑھاتے رہیے۔ بہن بھائیوں کو شریک کرنے اور مل بانٹ کر کھانے پر آمادہ کیجئے اور خریدتے وقت اسے یہ بتائیے کہ اس میں اس کے بہن بھائیوں کا بھی حصہ ہے۔ اس طرح بچہ اپنی خواہشوں پر قابو پانے کی تربیت حاصل کر سکے گا۔

بھوک مٹانے' جان بچانے' اپنی بڑائی جتانے' ملکیت و اختیار اور جنس وغیرہ کی خواہشیں بڑی شدید ہوتی ہیں' ان خواہشوں کو تعمیری رخ دینے کی سخت ضرورت ہے ورنہ بے راہ روی کے امکانات قوی ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ان خواہشوں کی تکمیل کے لیے انسان سب کچھ کر گزرنے کے لیے تیار رہتا ہے۔ بہت سے اخلاقی رزائل انہیں کے ضمن میں بھکنے سے جڑ پکڑ سکتے ہیں اور یہی خواہشات تعمیری رخ پا کر کارہائے نمایاں کے لیے جدوجہد کا سبب بنتی ہیں۔ اس لیے ان خواہشوں کو کچلنے کے بجائے ان پر قابو پانے اور انہیں صحیح رخ دینے پر خصوصی توجہ دینی چاہیے۔

فحش فلم بینی' ریڈیو' ٹی وی کے مخرب اخلاق پروگراموں سے بچے کو دور رکھنا چاہیے۔ ورنہ بچے کے بھٹکنے کا اندیشہ رہتا ہے۔ اسی طرح فحش لٹریچر کے بجائے اصلاحی و تعمیری مگر دلچسپ مطالعے کا عادی بنایا جائے' اصلاحی و معاشرتی افسانے' تاریخی ناول' پاکیزہ کہانیاں اسلامی تاریخ کے دلچسپ اور جہادی واقعات اور سیرت و تاریخ کی کتابیں مطالعے کے لیے فراہم کی جائیں۔

گھر کا ایک حصہ یا ایک الماری وغیرہ بچے کے لیے مخصوص کر دیا جائے جس پر صرف اسی کو تصرف کا حق حاصل ہو تاکہ وہ اپنی پسندیدہ اشیاء ترتیب اور سلیقے سے رکھ سکے اور اس طرح اسے سلیقہ مندی کی تربیت حاصل ہو سکے۔

بے جا لاڈ پیار بھی بچوں میں بری عادتوں کے جنم کا باعث ہوتا ہے۔ بچے کی تربیت کے سلسلے میں محبت کے فطری جذبے سے مغلوب نہیں ہونا چاہیے' بچہ کسی چیز کی خواہش کا اظہار کرتا ہے اور آپ سمجھتے ہیں کہ وہ خواہش جائز ہے تو فوراً اس کو پورا کر

دیجیے' اگر آپ خواہش کو پورا نہ کر سکے اور بچے نے رونا شروع کر دیا تو اب اس کی خواہش پوری نہ کیجیے' ورنہ وہ سمجھ بیٹھے گا کہ اپنی خواہش کی تکمیل کے لیے سب سے کارگر حربہ رونا اور ضد کرنا ہے۔

بچے کی سرگرمیاں اس کی زندگی کے خوش گوار یا تلخ تجربات سے مربوط ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر بچے گھروں میں پالے جانے والے جانوروں اور پرندوں کو بہت پسند کرتے ہیں' ان کے ساتھ کھیلنا چاہتے ہیں۔' لیکن ایک وہ بچہ جس کی انگلی کو طوطے نے کاٹ لیا ہو یا بھوں بھوں کرتے کتے سے ڈر گیا ہو' یا بلی کی خوف ناک غراہٹ اور اس کی کالی پیلی آنکھوں سے جسے واسطہ پڑا ہو' وہ ان کے نام سے ڈرنے لگتا ہے۔ فیل ہونے والا بچہ! امتحان سے گھبراتا ہے' جب کہ اچھے نمبروں سے پاس ہونے والے بچے امتحان آنے پر خوشی محسوس کرتے ہیں۔ ایک بچہ ریاضی کے پیریڈ میں ڈانٹ پھٹکار اور مار پیٹ سے دو چار ہوتا ہے تو وہ ریاضی کے پیریڈ سے کترانے لگتا ہے' ایک دوسرے بچے کے ساتھ معلم بڑی شفقت و محبت سے پیش آتا ہے' اس کو استاد سے شاباشی اور حوصلہ افزائی ملتی ہے تو وہ ریاضی کے پیریڈ میں خوش ہو جاتا ہے۔ ایک شیر خوار بچے کے لیے ماں کی چھاتی سے زیادہ کیا چیز مرغوب ہو سکتی ہے مگر جب ماں اس پر ایلوا (ایک کڑوی دوا) لگا دیتی ہے تو وہ چھاتی کے قریب نہیں جاتا۔ مختصر یہ کہ بچہ اپنے تجربات کی روشنی میں خود اپنے لیے راہ متعین کرتا ہے۔ والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ بچے کی سرگرمیوں کو مثبت اور خوش گوار تجربات سے مربوط کرنے کی کوشش کریں۔

بچے کی قوت و صلاحیت اگر غلط رخ پر صرف ہو رہی ہو تو صرف رخ تبدیل کر دیجیے' ختم کرنے کی کوشش نہ کیجیے مثلاً: ایک بچہ بہت نڈر اور طاقت ور ہے' وہ جا و بے جا اور جائز و ناجائز جھگڑتا ہے' دوسروں پر ظلم کرتا ہے' اپنے ہم جولیوں کو ستاتا ہے' تو اسے بتائیے کہ وہ غلط باتوں کے خلاف اپنی طاقت استعمال کرے۔ ظالم کو ظلم کرنے سے روکے۔ اسی طرح ایک اتالیق (استاد) نے دو بچوں کو لڑتے ہوئے دیکھا' وہ دونوں گتھم گتھا ہو کر ایک دوسرے کو زیر کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ اتالیق نے دونوں بچوں کو الگ

الگ کیا اور کہا کہ ''تم دونوں کشتی لڑو' جو جیت جائے اس کی جیت اور جو ہار جائے اس کی ہار۔'' دونوں کشتی کرتے ہیں ایک دوسرے کو پچھاڑنے کے لیے اپنی پوری طاقت لگا دیتے ہیں۔ انجام کار دونوں کی حسرتیں پوری ہو جاتی ہیں۔ ایک دوسرے کے خلاف غصہ و عناد ختم ہو جاتا ہے اور کھیل کا کھیل بھی ہو جاتا ہے۔ اس طرح حکمت و دانش مندی سے بچے کی طاقت کو صحیح رخ دیا جا سکتا ہے' اور ان کو بہت سی برائیوں سے دور رکھا جا سکتا ہے۔

بچوں کی تعلیم و تربیت میں ان کی عمر اور استعداد کا ضرور پاس و لحاظ رکھنا چاہیے۔ ان کی صلاحیت سے زیادہ ان سے کام لینا' یا ان پر مضامین کا بوجھ لاد دینا' یا ایک درجہ چھوڑ کر اگلے درجے میں ترقی دلا دینا' بچوں کے لیے نہایت نقصان دہ ہے۔ اور اس سے ان کی صلاحیتوں کو خاطر خواہ نشوونما نہیں مل پاتی۔

بچوں کی نفسیات اور جذبات و احساسات کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ اگر آپ کی کسی روش سے بچوں کے احساسات و جذبات کو ٹھیس پہنچ جائے تو اس کی تلافی ناممکن ہے۔ بچے بگڑتے ہی اس وقت ہیں جب ان کے جذبات و احساسات کی تحقیر کی جائے اور ان کی نفسیات کا مطالعہ نہ کیا جائے۔

اپنی باتیں ذہن نشین کرانے کے لیے محض خشک وعظ سے کام نہ لیجئے۔ اپنی بات کو شیریں اور موثر انداز میں پیش کیجئے' کبھی کبھار لطافت و مزاح بھی گفتگو میں شامل کر لیجئے۔ مثالوں' اشاروں اور کہاوتوں سے اپنی بات کو واضح کیجئے۔ میٹھے الفاظ' درد بھرا لب و لہجہ اثر کیے بغیر نہیں رہتے۔ اکھڑ رویہ' کھردری زبان' کڑوے کسیلے جملے' روکھی سوکھی باتیں کبھی اپنا اچھا اثر نہیں چھوڑتیں۔

بچے قصے کہانیوں میں بہت دلچسپی لیتے ہیں۔ انہیں نصیحت آموز کہانیاں سنائیے۔ خصوصاً رات کو گھر کے بچوں کو جمع کر لیجئے اور انہیں اپنے طور پر پاکیزہ اور اچھے قصے سنائیے۔ سناتے وقت بچوں سے سوال بھی کرتے رہیے تاکہ وہ غور سے سنتے رہیں اور آپ کا مقصد بھی پورا ہو۔

بار بار ہر وقت نصیحت کرتے رہنے سے پرہیز کیجئے۔ زیادہ ٹوکنے سے بچے میں ضد پیدا

ہوتی ہے اور نافرمانی کا جذبہ جڑ پکڑتا ہے۔ مناسب موقعے سے نصیحت کیجئے۔ جب آپ دیکھیں کہ بچے پر کوئی خاص تاثر قائم ہو رہا ہے تو اسی مناسبت سے نصیحت کیجئے۔ جب بچہ کسی پریشانی' الجھن یا مصروفیت میں ہو تو اس کو بالکل نصیحت نہ کیجئے۔

بچے کو عادی بنائیے کہ اگر کوئی چیز اس کی سمجھ میں نہ آئے تو وہ بلا جھجک پوچھ لیا کرے' سوال کرنے پر بچے کو ڈانٹیے نہیں بلکہ اسے اطمینان بخش جواب دیجئے۔ سوال کرنے پر اس کی حوصلہ افزائی کیجئے۔ کبھی کبھار خود بھی اس سے سوال کیجئے۔ باہم سوال و جواب کا سلسلہ بھی کبھی کبھار ضروری ہے۔

پابندی کے ساتھ بچے کو اپنے اوقات میں سے کچھ وقت ضرور دیجئے۔ آپ محض کمائی کی مشین نہیں ہیں بلکہ بچے کے ماں باپ بھی ہیں۔ آپ کے وقت پر بھی ان کا حق ہے۔ وہ بچے عموماً آوارہ یا پھسڈی ہو جاتے ہیں جن کے والدین ان کو وقت نہیں دے پاتے۔

بچہ جب بولنے اور سمجھنے لگے تو اسے مختصر احادیث' قرآنی آیات اور عمدہ اشعار یاد کرائیے۔ اس سے بچے کا لب و لہجہ درست ہو گا' اس کی زبان بری باتوں سے محفوظ رہے گی اور اس کا دل و دماغ شروع ہی سے اچھی باتوں کو قبول کرنے اور یاد رکھنے کا عادی بنے گا۔

بہتر اخلاق کی نشوونما اور ناپسندیدہ حرکات سے باز رکھنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ بچے کی عمر اور صلاحیت کے اعتبار سے مناسب کھیلوں' دلچسپیوں اور درسیات کے علاوہ' دلچسپ مشاغل و مصروفیات اور اجتماعی سرگرمیوں کے زیادہ سے زیادہ مواقع فراہم کیے جائیں۔

والدین اور اساتذہ خود مثالی کردار پیش کریں تو بچہ فطری طور پر ان کی تقلید کرتا ہے۔ اگر آپ اپنی زندگی میں اخلاق اور اصولوں کو کچل رہے ہیں تو پھر بچے کے بگڑ جانے پر آپ کو کوئی حیرت نہیں ہونی چاہیے۔ وہی بچہ جھگڑالو ہو سکتا ہے جس کے والدین بات بات پر دوسروں سے جھگڑتے ہوں۔ صلح پسند اور خوش مزاج والدین کا بچہ بھلا کیوں کر

جھگڑالو ہو سکتا ہے۔

اخلاقی تربیت اخلاق و کردار نسل انسانی کا سب سے قیمتی اثاثہ ہے۔ اگر کوئی قوم اخلاق سے محروم ہو جائے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے تعمیر و ترقی سے ہم کنار نہیں کر سکتی۔ اس کے برخلاف با اصول و باکردار قوم کو کوئی طاقت زیر نہیں کر سکتی۔ جنگ عظیم دوم میں جب فرانس کو شکست ہوئی' تو اس کے صدر نے کہا: ''ہم اس لیے ہارے ہیں کہ ہمارا نوجوان کردار کھو چکا ہے۔''

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سب سے بہتر وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔''[1]

اخلاق و کردار سے مزین کرنے کا سب سے سنہرا دور بچپن کا دور ہے' اس عمر میں جسمانی نشوونما کے ساتھ کردار بھی نشوونما پاتا ہے۔ مشہور مقولہ ہے کہ بچے کا ذہن سادے کاغذ کی مانند ہے' اس پر جو کچھ بھی لکھ دیا جائے نقش ہو جاتا ہے۔ بچے کی نشوونما کے مختلف پہلوؤں کے ساتھ ساتھ اس کی اخلاقی تربیت پر بھی توجہ دینا چاہیے۔ بعض والدین اخلاقی تربیت سے اس لیے صرف نظر کر جاتے ہیں کہ عمر کے ساتھ ساتھ بچہ خود بخود اچھے برے میں تمیز کرنے لگے گا اور نیکی و بدی کی پہچان ہوتی جائے گی۔ حالانکہ اخلاقی تربیت سے پہلو تہی کرنے کے جو مہلک نتائج ہو سکتے ہیں ان کا اندازہ ایسے بچوں کے عادات و اطوار اور اخلاق و کردار سے لگایا جا سکتا ہے' جو اخلاقی تربیت سے محرومی کے باعث آوارہ اور لفنگے بن کر سماج اور ملک و ملت کی پیشانی پر بدنما داغ ہیں۔ آپ نے سنا ہو گا کہ ایک ڈاکو کو ڈاکہ زنی کے جرم میں سزائے موت کا حکم سنایا گیا' مقتل کی طرف روانگی سے پہلے اس نے درخواست کی کہ مجھے میری والدہ سے ملنے کا موقع دیا جائے' چنانچہ اس کی درخواست پر ماں سے ملاقات کا بندوبست کیا گیا۔ جم غفیر کے درمیان سے

---

[1] صحیح بخاری' کتاب المناقب: باب صفة النبی ﷺ' (ح ۳۵۵۹)۔ صحیح مسلم' کتاب الفضائل: باب کثرة حیائه ﷺ (ح ۲۳۲۱)۔

ماں روتی ہوئی اپنے بیٹے کے آخری دیدار کے لیے آگے بڑھی' بیٹا بھی بڑے تپاک سے ماں سے لپٹ گیا اور اپنا منہ ماں کے کان کے قریب لے گیا' گویا وہ ماں سے کوئی رازدارانہ بات کہنا چاہتا ہو۔ اس نے دانتوں سے اپنی ماں کا کان اتنے زور سے کاٹا کہ ماں چیخ پڑی۔ لوگ اسے لعنت و ملامت کرنے لگے کہ آخری وقت میں تُو نے ماں کے ساتھ یہ کیا سلوک کیا ہے؟ اس نے کہا: "اسی ماں کی بدولت آج مجھے پھانسی پر چڑھایا جا رہا ہے۔ جب میں بچہ تھا تو پڑوسی کے گھر سے ایک سیب چرا کر لے آیا تھا اور اس نے وہ سیب خوشی خوشی رکھ لیا تھا' یہیں سے مجھ میں چوری کی عادت پڑی۔ اس وقت اگر یہ مجھے ایسا کرنے سے روک دیتی تو میرے لیے پھانسی کا حکم نہ ہوتا۔ دوسری طرف عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے بچپن کا واقعہ ہے' جنھوں نے ڈاکوؤں کو اپنی صدری کے استر میں چھپی ہوئی اشرفیاں بتا دیں۔ ڈاکوؤں نے جب پوچھا کہ: "یہ اشرفیاں تو اسی لیے چھپائی گئی تھیں کہ کوئی چور یا ڈاکو انہیں نہ پا سکے' آخر تم نے ہمیں صاف صاف کیوں بتا دیا؟ تم چاہتے تو جھوٹ بول کر اپنی اشرفیاں بچا سکتے تھے۔" عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: "سفر پر چلتے وقت میری ماں نے مجھے نصیحت کی تھی کہ بیٹا چاہے کچھ بھی ہو جائے' تم جھوٹ مت بولنا۔ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی اس بات کا ڈاکوؤں پر اتنا اثر ہوا کہ انہوں نے اپنے جرم سے توبہ کی' لوٹا ہوا سارا سامان واپس کیا اور نیکی کی راہ اختیار کر لی۔

ان دو واقعات سے بچپن میں اخلاقی تربیت کی اہمیت پر روشنی پڑتی ہے اور یہ واضح ہو جاتا ہے کہ بچپن ہی میں بچے کے اطوار و عادات تشکیل پاتے ہیں۔ بچے کو بہترین انسان' اچھا شہری اور باعمل مسلمان بنانے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے کردار کی تعمیر پر بچپن ہی سے توجہ دی جائے۔ بچے کی اخلاقی تعلیم و تربیت کے سلسلے میں درج ذیل باتوں کو خصوصی طور پر ملحوظ رکھا جائے:

کچھ تربیتی اور اخلاقی اصول متعین کر کے زبردستی بچے پر نہ ٹھونسئے۔ اس سے بچے میں نفرت کا جذبہ پیدا ہو گا۔ بچے کے ذہن پر خشک اصولوں کا بوجھ ڈالنے کے بجائے روز مرہ کی زندگی سے نبرد آزما ہونے کا سلیقہ سکھایا جائے۔ بچہ بے شمار آزمائشوں اور حالات و

واقعات سے دو چار ہوتا ہے۔ آپ ان حالات اور آزمائشوں کو سمجھنے اور ان سے نمٹنے کے لیے اس کی مناسب اور بروقت راہنمائی کرتے جائیں۔ اپنے عمل کے اچھے اور برے نتائج سے اور آپ کی مشفقانہ راہنمائی سے نیکی و بدی میں تمیز کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے گی اور وہ اخلاقی اصولوں کو آسانی سے سمجھ سکے گا۔

خشک اور خطیبانہ نصیحتوں سے بھی پرہیز کیجئے۔ دلچسپ انداز میں قصے کہانیوں اور اچھی اچھی مثالوں کے ذریعے اخلاقی نصیحتوں کا مفہوم سمجھایئے۔ فرض کیجئے' آپ کے بچے نے کسی کو گالی دے دی تو صرف یہ خشک نصیحت کر کے نہ رہ جایئے کہ "گالی مت دیا کرو' گالی دینا بری بات ہے" بلکہ آپ اسے گود میں لے کر پیار اور محبت سے یوں سمجھایئے "دیکھو بیٹا! یہ میرے پاس روپیہ ہے' یہ روپیہ میں تم کو دیتا ہوں مگر تم اس لیے انکار کر دو کہ یہ پھٹا ہوا ہے تو پھر یہ روپیہ کس کے پاس رہے گا؟" بچہ فوراً کہے گا "آپ کے پاس" اب آپ اسے سمجھایئے کہ بیٹا تم نے اپنے ساتھی کو گالی دینا چاہی' اس نے گالی لینے سے انکار کر دیا اور تمہاری گالی قبول نہیں کی تو تمہاری گالی کس کے پاس رہے گی؟ بچہ کچھ سوچے گا اور سوچ کر کہے گا: "میرے ہی پاس۔" وہ اگر جواب نہ دے سکے تو آپ اس پر واضح کر دیجئے کہ تمہاری گالی تمہارے ہی پاس رہے گی۔ اس طرح بچے کے ذہن میں یہ بات بیٹھ جائے گی کہ گالی نہیں دینا چاہیے۔ آپ اس موقع پر کوئی ایسا واقعہ بھی سنا دیجئے جس سے گالی دینے والے کا انجام بھی واضح ہو جائے۔

بچے کی تربیت کے لیے یہ بہت ضروری ہے کہ آپ بچے کے مزاج اور اس کی صلاحیتوں کا گہرائی سے مطالعہ کریں۔ اس کی خوبیوں اور خامیوں کو ذہن میں رکھیں۔ حکمت و دانائی سے ایک ایک خوبی کو پروان چڑھائیں اور خامیوں کو ایک ایک کر کے دور کرنے کی کوشش کریں۔ تمام خوبیاں نہ بیک وقت پروان چڑھ سکتی ہیں اور نہ ہی تمام نقائص بیک وقت ختم ہو سکتے ہیں۔

بچوں کو نیکی و بدی کا شعور دلانے کے بعد انہیں نیکی کے کاموں کی تفصیل بتایئے' جیسے: سچ بولنا' ایمان داری اور بھلائی کے کام کرنا' دوسروں کے دکھ میں ان کے کام آنا۔

عملاً بچوں سے ایسے کام بھی کرائیے مثلاً: کوئی ضرورت مند ہو تو بچے کے ذریعے اس کی مدد کرا دیجئے۔ دو بچوں کے درمیان جھگڑا ہو تو اپنے بچے سے کہیے کہ وہ ان کے درمیان صلح و صفائی کرائے' اسی طرح بچوں کو برے کاموں کے تفصیلی نقصانات سے بھی آگاہ کیجئے۔

بچوں کو ایسے ہم عمروں سے دور رکھیے' جن کے عادات و اطوار ٹھیک نہ ہوں یا وہ کسی بری عادت کا شکار ہوں' صاف ستھرے اور مہذب بچوں کے ساتھ رہنے کے مواقع فراہم کیجئے۔

بچوں کو تمباکو نوشی کے قریب نہ جانے دیجئے۔ اگر آپ کے گھر میں یا دوستوں میں کوئی تمباکو نوشی کرتا ہے' تو اس سے درخواست کیجئے کہ وہ آپ کے بچوں کے سامنے تمباکو نوشی نہ کرے۔ اگر اللہ نہ کرے آپ خود اس لت کا شکار ہیں تو اپنے بچوں کی خاطر آج ہی سے اسے ترک کر دیجئے۔ والدین تو بچوں کے لیے جان تک کی قربانی دے دیتے ہیں تو کیا آپ صرف تمباکو نوشی کی قربانی نہیں دے سکتے۔

بچوں کو ریڈیو' ٹی وی کے فحش پروگرام سننے یا دیکھنے سے باز رکھیے۔ گندی اور فحش فلمیں تو کبھی بھی نہ دیکھنے دیجئے۔ آج ہمارے معاشرے میں جو برائیاں اور اخلاقی بے راہ روی پھیلی ہوئی ہے اس کی زیادہ تر ذمے داری ہمارے ذرائع ابلاغ کے کھاتے میں جاتی ہے۔ ذرائع ابلاغ کو پاکیزہ بنانے کی منظم جدوجہد میں بھی بھرپور حصہ لیجئے۔

معاشرتی تربیت

جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو فطرتاً انفرادیت کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اسے گرد و پیش کا نہ کچھ پتا ہوتا ہے اور نہ ہی اسے کوئی دلچسپی ہوتی ہے۔ وہ دوسروں سے بے نیاز ہو کر اپنی ذات میں گم رہتا ہے۔ جوں جوں اس کی عمر بڑھتی ہے' وہ گرد و پیش میں دلچسپی لینا شروع کر دیتا ہے۔ دو ماہ کا ہونے پر بچہ ماں باپ اور اپنی دیکھ بھال کرنے والوں میں کافی دلچسپی لیتا ہے۔ تیسرے ماہ وہ اپنے کھانے پینے کی چیزوں کی طرف تھوڑی بہت توجہ دینے لگتا ہے۔ چوتھے مہینے میں وہ اپنے والدین کی ناراضی اور خوشی کو کچھ نہ کچھ سمجھنے لگتا ہے۔ پانچویں ماہ میں بچہ ڈانٹ پھٹکار کے جواب میں رونا

اور مسکرانے کے جواب میں مسکرانا سیکھ لیتا ہے۔ پھر دو تین ماہ بعد وہ ہلکے پھلکے کھیلوں کی طرف متوجہ ہونے لگتا ہے۔ نویں اور دسویں مہینے میں بچہ بڑوں کے بولنے کی نقل کرنے کی کوشش کرنے لگتا ہے اور دوسرے بچوں میں بھی دلچسپی لینا شروع کر دیتا ہے۔ اس کے بعد بچے میں ان جبلتوں کا اظہار شروع ہو جاتا ہے جن کا تعلق معاشرتی زندگی سے ہے۔ ایک سال سے بلوغ تک کی عمر وہ قیمتی دور ہے' جس میں بچے کی معاشرتی تربیت کی ضرورت ہے' تاکہ بچہ سماجی سرگرمیوں میں صحیح طور پر حصہ لے سکے۔ عموماً دو سال کے بعد بچے میں گروہ بندی کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ اس عمر میں بچے اکٹھا ہو کر کام کر سکتے ہیں۔ باہم مل کر کھیل سکتے ہیں۔ اس عمر میں معاشرتی خوبیاں یا معاشرتی نقائص نشوونما پاتے ہیں۔ اس لیے کوشش کرنا چاہیے کہ بچہ ذاتی دلچسپیوں کے ساتھ دوسروں کی دلچسپیوں کو بھی ملحوظ رکھنے کا عادی بن جائے۔ اسی دوران بچے میں آزادی کا جذبہ نشوونما پاتا ہے' اس میں انانیت اور خود پسندی پیدا ہونے لگتی ہے۔ وہ دوسروں پر اپنی طاقت کے اظہار کے لیے ان کی چیزیں بھی ہڑپ کر لیتا ہے۔ کبھی کبھی تو وہ والدین پر بھی اس حربے کو آزمانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ اپنے کارناموں کو خوب بڑھا چڑھا کر بیان کرتا ہے۔ ماہرین نفسیات کا خیال ہے کہ دو سال سے پانچ سال تک بچے میں ارتقائی عمل جاری رہتا ہے اس عمر میں بچوں کی معاشرتی تربیت کے سلسلے میں درج ذیل باتوں کو خاص طور پر ملحوظ رکھنا چاہیے۔

اس عمر میں بچہ اپنے آپ کو بہت اہم سمجھنے لگتا ہے۔ اس میں خود غرضی اور محو بالذات کا رجحان پیدا ہوتا ہے۔ انانیت و خود پسندی کا جذبہ شدت پر ہوتا ہے' اس لیے بچوں کو دوسروں کے ساتھ رہنے سہنے کھانے پینے اور کھیلنے کودنے کے وافر مواقع فراہم کیجئے۔ دوسروں کے حقوق کی اہمیت بھی بتائیے' اسے انصاف و مساوات کی تعلیم بھی دیجئے۔ تاکہ اس میں غرور اور نرگسیت کا رجحان جڑ نہ پکڑ سکے۔ ورنہ اس کی فرعونی ذہنیت نہ صرف آپ کے لیے باعث زحمت ہو گی بلکہ اس کی زندگی میں بھی تلخیاں پیدا کر دے گی۔

والدین اور گھر کے افراد اپنے بچوں کی معاشرتی تربیت پر اپنے کردار سے دور رس اثرات ڈال سکتے ہیں۔ بچہ فطرتاً ہر چیز میں دوسروں کی تقلید کرتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ اگر آپ کا بھائی آپ کو بھائی جان کہہ کر پکارتا ہے تو آپ کا بچہ جب بولنا شروع کرے گا تو وہ بھی آپ کو بھائی جان کہنے لگے گا۔ بچہ تمام معاشرتی عادات و اخلاق اپنے گھر والوں ہی سے سیکھتا ہے۔ آپ اگر جھوٹ بولتے ہیں تو آپ کا بچہ سچ بولنے کا عادی نہیں ہو سکتا۔ بچہ والدین کے اخلاق و عادات کو بہترین نمونہ سمجھتا ہے۔ اس کے ذہن میں یہ بات رچی بسی ہوتی ہے کہ میرے والدین دنیا کے ہر انسان سے بہتر ہیں۔ اب آپ سوچیے کہ آپ کے کسی ملنے والے نے دروازے پر دستک دی' آپ ملاقات کے موڈ میں نہیں ہیں' آپ نے بچے کو اپنے پاس بلایا اور چپکے سے کہا کہ: "جاؤ جا کر کہہ دو کہ ابو گھر پر نہیں ہیں۔" بچے نے یہ بات دستک دینے والے سے کہہ دی اور آپ نے بھی اسے کوئی اہمیت نہ دی مگر آپ کے بچے کا ذہن جھنجھنا اٹھا وہ سمجھ نہیں پایا کہ ابو گھر میں ہیں مگر پھر بھی انہوں نے کیوں کہلوایا کہ ابو گھر پر نہیں ہیں؟ یہیں سے بچے میں جھوٹ بولنے کا آغاز ہوتا ہے۔ وہ سمجھ جاتا ہے کہ جھوٹ بول کر ہر آدمی اپنے آپ کو بچا سکتا ہے۔ یہیں سے جرم کرنے کی ابتدا ہوتی ہے اور بغاوت کا بیج بویا جاتا ہے۔ اس لیے والدین کی ذمے داری ہے کہ وہ اپنے معاشرتی فرائض کو بہتر طور پر انجام دیں تاکہ بچہ بھی معاشرتی فرائض کی ادائیگی سے واقف ہو سکے۔ احباب اور مہمانوں کی خاطر مدارات' رشتے دار اور پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک' گفتگو و مجلس کے آداب' کھانے پینے کے اسلامی طور طریقے آپ کی دیکھا دیکھی بچے از خود اختیار کر لیتے ہیں۔

گھر کے ماحول کو نہایت صاف ستھرا اور خوش گوار رکھیے۔ میاں بیوی کی باہمی رنجش' ساس بہو کے جھگڑے سے بچے کی اجتماعی زندگی پر نہایت غلط اثر پڑ سکتا ہے۔ اور اس کی معاشرتی نااہلی میں اضافے کا شدید خطرہ ہو سکتا ہے۔

بچے کی جذباتی ضرورتوں کو سمجھیے اور انہیں مناسب طور پر پورا کرنے کی کوشش کیجیے۔ بچے کی عمر کے ادوار کے لحاظ سے اس کے فطری تقاضوں کو سمجھیے اور مختلف ادوار

میں اسے ایسے کام سونپئے جو اس کی جسمانی اور ذہنی سطح کے مطابق ہوں تاکہ بچے میں اپنے معاشرتی فرض اور مقام کو پہچاننے کی صلاحیت پیدا ہو سکے اور متوازن بالغ زندگی گزارنے کے لیے اپنے آپ کو تیار کر سکے۔

بچوں کی معاشرتی تربیت میں جہاں "سنجیدہ کوشش" کا ایک بڑا مقام ہے' وہیں بڑی آسانی سے بعض خامیوں کو ہنسی مذاق' مزاح و شگفتہ کلامی اور بعض طفلانہ طریقوں سے دور کیا جا سکتا ہے۔ تربیت کے امکان کو حتی الامکان دلچسپ اور انوکھا بنانا چاہیے۔ بڑوں اور بچوں کے طریقے میں نمایاں فرق کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ محض خشک مواعظ بچے پر زیادہ اچھا اثر نہیں ڈالتے اور نہ بچے پر اپنے نظریات اور ذاتی الجھنوں کو زبردستی ٹھونسنا چاہیے۔

بچوں کی معاشرتی تربیت میں اچھے کھیلوں کا اہم رول ہے۔ بچے کو گندی گلیاں اور غلط بچوں کے ساتھ کھیلنے کے بجائے سیرو تفریح اور کھیل کود کے لیے پرفضا جگہوں اور اچھے ساتھیوں کی فراہمی ضروری ہے۔ بچوں کے تفریحی کیمپوں' صاف ستھری کلبوں' کھیلوں کے مقابلوں میں گائیڈنگ' اسکاؤٹنگ اور کھیلوں کے انتظامی اداروں سے وابستہ ہو کر بچے دوسروں کو سمجھنے اور معاشرتی ذمے داریوں کو نبھانے کی تربیت حاصل کرتے ہیں۔

بچوں کو دوسروں کے حقوق بتایئے مثلاً: والدین کے حقوق' پڑوسیوں کے حقوق' رشتے داروں کے حقوق' بڑوں کے حقوق' استاذ کے حقوق وغیرہ اور ان حقوق کی ادائیگی کی طرف انہیں رغبت دلایئے اور ان کی نگرانی کرتے رہیے کہ وہ کسی کی حق تلفی تو نہیں کر رہے ہیں۔

بچوں کو کامیاب زندگی گزارنے کے گر بتایئے۔ ملاقات کے آداب' چلنے پھرنے کے آداب' مجلس کے آداب وغیرہ سکھلایئے تاکہ بچے معاشرتی طور پر مہذب زندگی بسر کر سکیں۔

زندگی میں پیش آنے والے معاملات سے نمٹنے' مختلف ذمے داریوں کو ادا کرنے'

نشیب و فراز کو سمجھنے اوران سے کامیابی کے ساتھ گزرنے کے اصول بتائیے اورانہیں عملی تجربات سے گزاریئے۔ ان کے سامنے کامیاب سماجی عملی زندگی کا نمونہ پیش کیجئے۔ خوش اخلاقی، وضع داری، کسروانکساری، عفو و درگزر کے جذبات پروان چڑھا کر کامیاب اجتماعی زندگی گزارنے کا عادی بنائیے۔

ذہنی تربیت

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جس وجہ سے تمام مخلوقات پر فضیلت بخشی ہے وہ ذہن و دماغ اور خیرو شر میں تمیز کرنے کی قوت ہے۔ بچے کی ذہنی صلاحیتوں کو پروان چڑھانا بھی والدین اور اساتذہ کی ذمے داری ہے۔ اگرچہ ہر آدمی کے دماغ کی ساخت الگ الگ ہوتی ہے اور اس میں زیادہ تغیرو تبدل کی گنجائش نہیں ہوتی، مگر غورو فکر اور مختلف ذرائع سے ذہنی صلاحیتوں کو جلا ضرور بخشی جاسکتی ہے۔

ذہن و دماغ کی تربیت کے بغیر انسانی زندگی کی گاڑی ایک لمحے کے لیے بھی آگے نہیں بڑھ سکتی۔ سوچیے اگر سابقہ تجربات یاد نہ رہیں، اپنے متعلقین اور رشتے داروں کی شکلیں ذہن سے محو ہو جائیں، آنے جانے کے راستے، مدرسہ و مسجد اور مکانات کے نقشے ذہن میں باقی نہ رہیں اور جو چیز بھی یاد کریں، بھول جائیں تو ہماری زندگی دوبھر ہو جائے گی۔ بچے کی ذہنی صلاحیتوں کی تربیت کے سلسلے میں اختصار سے چند باتیں سپرد قلم کی جاتی ہیں:

بچہ جب اپنے ذہن کو کام میں لا رہا ہو یا اپنے ذہن سے کچھ تجربات کر رہا ہو تو اس کو نہ چھیڑیے۔ مثال کے طور پر بچے نے دیکھا کہ اس کی امی نے دو تین رنگ ملا کر اپنا دوپٹہ رنگا ہے۔ اب بچہ رنگوں کی پڑیاں کھول کرپانی میں دو تین رنگ ملاتا ہے، تو آپ اس پر برس نہ پڑیں، اس لیے کہ وہ جان بوجھ کر اپنا نقصان نہیں کر رہا ہے بلکہ اس کا ذہن بھی وہی تجربہ کرنا چاہتا ہے، جو اس کی ماں نے ابھی ابھی عملی طور پر کیا تھا۔ اس طرح کے موقعوں پر تھوڑے بہت مالی نقصان کو نظر انداز کردیجئے اور بچے کی ذہنی صلاحیتوں کو پروان چڑھنے دیجئے۔

مختلف انداز کے سوالات پوچھ کر غور و فکر کا موقع دیجئے مثلاً: بچے سے سوال کیجئے

کہ ایک بچہ ایک آنکھ سے ایک میل دیکھتا ہے تو دو آنکھوں سے کتنے میل دیکھے گا؟ بچہ فوراً کہے گا: "دو میل" اب آپ بچے سے اگلا سوال کیجئے کہ ایک آنکھ سے ایک قلم دیکھتا ہے تو دو آنکھوں سے کتنے قلم دیکھے گا؟" تو ایک قلم ہاتھ میں لے لیجئے اور بچے کی ایک آنکھ بند کر کے پوچھئے "بتاؤ کتنے قلم ہیں؟" بچہ کہے گا: "ایک قلم۔" اب اس کی دوسری آنکھ کھول دیجئے اور پوچھئے کہ بتاؤ اب کتنے قلم نظر آ رہے ہیں؟" بچہ کہے گا: "ایک" اب بچہ خود سمجھ جائے گا کہ ایک آنکھ یا دو آنکھ سے فاصلہ یا عدد پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس طرح کے سوالات میں عمر کا ضرور خیال رکھا جائے۔ بچے سے مختلف سوال پوچھ کر اسے سوچنے کا موقع دیجئے۔

اسی طرح پہیلیاں سنایئے اور انہیں حل کرنے کا موقع دیجئے۔ پہیلیاں بوجھنے میں آپ اس کی تھوڑی بہت راہنمائی ضرور کریں۔ کچھ اتا پتا بتا دیں۔ اشاروں اور مختلف طریقوں سے اسے جواب کے قریب لے جائیں۔ اگر وہ پہیلی کا جواب نہ دے سکے' تو سوچنے کے لیے تھوڑا سا وقفہ اور دیں' پھر بھی نہ بتا سکے' تو آپ جواب بتا دیں۔ جواب سن کر اسے اپنے ذہن کا ایک نیا گوشہ کھلتا ہوا محسوس ہو گا۔ ایسا کبھی نہ کیجئے کہ آپ پہیلی سنائیں اور اگر وہ بوجھ نہ پائے تو آپ اس کا جواب ہی نہ بتائیں۔ اس سے بچے میں ناکامی کا احساس جڑ پکڑتا ہے۔ اسی طرح ایسا بھی نہ کیجئے کہ پہیلی سناتے ہی فوراً جواب بھی بتا دیں۔ اس سے بچے کو اپنے ذہن کو کام میں لانے کا موقع نہیں ملتا اور بچے کا ذہن سست اور ناکارہ ہو جاتا ہے۔

شادی بیاہ' تہواروں اور دوسری تقریبات کے موقعوں پر ان کی عمر کے لحاظ سے بعض انتظامی امور ان کے سپرد کیجئے' بعض معاملات میں ان سے مشورہ لیجئے' ان کے مسائل میں آپ خود ان کو مفید مشورہ دیجئے۔

نئی چیز کو ذہن نشین کرانے کے لیے یاد کی ہوئی چیز سے مشابہت دے کر یا اس سے مربوط کر کے یاد کرا دیجئے تاکہ بچے کو وہ چیز بھی یاد رہے اور خود اس میں ربط و مماثلت پیدا کرنے کی صلاحیت بھی پروان چڑھے' مثلاً: زرافہ کے بارے میں بچے کو معلومات دینی

ہو تو ان کو اونٹ سے مشابہت کے ذریعے بچے کو زرافہ کے بارے میں بتائیے۔ اب جب کبھی زرافہ کا تذکرہ آئے گا تو بچے کو ذہن میں وہ یاد تازہ ہو جائے گی۔

بچے کا شعوری دائرہ بہت تنگ ہوتا ہے۔ اس لیے زیادہ باتیں یا چیزیں بیک وقت بچے کو نہ بتائی جائیں کیونکہ اس سے بچہ آزمائش میں پڑ جائے گا۔ یا ذہنی انتشار کا شکار ہو جائے گا۔ تکان، پریشانی، جھنجلاہٹ یا بیماری کی حالت میں بچے کے ذہن پر کسی قسم کا دباؤ نہ ڈالیے۔ نہ اسے کچھ سیکھنے سکھانے ہی پر مجبور کیجئے۔ مسلسل ذہن کو کام میں لگانا بھی مناسب نہیں ہے۔ ذہن کو آرام دینا اور مختلف ذہنی ورزشوں کے درمیان مناسب وقفے کا اہتمام کرنا بھی ضروری ہے۔

کبھی بچے سے یہ نہ کہیے کہ تجھ میں تو عقل ہی نہیں، تُو بڑا گدھا ہے، بالکل بے وقوف ہے۔ اس طرح کے جملوں سے اسے اپنی کم عقلی کا احساس ہو گا اور وہ غور و فکر کرنا چھوڑ دے گا۔ مختلف دعائیں، نظمیں، ادبی شہ پارے یاد کرائیے بغیر دیکھے انہیں سنیے ان کا اعادہ بھی ہوتا رہے۔

ذہن سازی کے لیے ایک مناسب طریقہ یہ ہے کہ آپ تدریج و ترتیب کو ملحوظ رکھیں۔ مثال کے طور پر آپ روزانہ ایک لفظ کے معنی یاد کرائیں ایک ہفتے تک یہی معمول رکھیں پھر روزانہ دو الفاظ کے معانی پندرہ دن تک یاد کرائیں پھر تین الفاظ کے معانی۔

بچوں کے ذہنی ارتقا کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ انہیں نشہ آور چیزوں سے دور رکھا جائے کیونکہ نشہ آور چیزیں بچوں کے ذہن و فکر اور عقل و دماغ پر برا اثر ڈالتی ہیں۔ بچوں کو ایسا پاکیزہ ماحول فراہم کیجئے جس میں صحت مندانہ فکر و ذہن نشوونما پا سکے۔ گندے یا پراگندہ ماحول میں بچوں کے اذہان تعمیری رخ اختیار نہیں کر سکتے۔

بچوں کی عمر و استعداد کا لحاظ کرتے ہوئے پاکیزہ رسائل اور تعمیری لٹریچر فراہم کیجئے۔ درسی کتب کے علاوہ غیر درسی کتابوں کا بھی مطالعہ کرائیے تاکہ بچوں کو وافر معلومات بھی حاصل ہوں اور ان کا ذہن اخذ و استفادے کا عادی بھی بنے۔ اس سے بچوں کی نہ صرف

علمی صلاحیت بڑھے گی بلکہ ان کے ذہن کو جلا بھی ملے گی۔

حسی تربیت ہر انسان میں محسوس کرنے کی درج ذیل پانچ قوتیں ودیعت کی گئی ہیں' انہیں "حواس خمسہ" کہا جاتا ہے:

1. دیکھنے کی حس.......... (قوتِ باصرہ)
2. سننے کی حس.......... (قوتِ سامعہ)
3. سونگھنے کی حس.......... (قوتِ شامہ)
4. چکھنے کی حس.......... (قوتِ ذائقہ)
5. چھونے کی حس.......... (قوتِ لامسہ)

بچے میں یہ سب حواس پائے جاتے ہیں۔ وہ لال' پیلے' نیلے رنگ دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ بعض اوقات رنگ برنگ کے بے مقصد کنکر اور پتھر اپنی جیب میں بھر لیتا ہے اور انہیں بار بار دیکھ کر اپنی قوت باصرہ کو تسکین پہنچاتا ہے۔ اگر آپ اپنے بچے کو سرساحل ٹہلانے لے جائیں تو وہ اپنی جیبیں لال پیلے نیلے شیشوں اور سیپوں کے عجیب و غریب ٹکڑوں سے بھر کر بڑا فخر محسوس کرتا ہے اور انہیں اپنے لیے بہت بڑا خزانہ سمجھتا ہے۔

دیکھنے کی طرح بچہ سنتا بھی ہے۔ وہ آپ کی موٹر کی آواز سن کر بول اٹھتا ہے: "ابو جی آ گئے" اگر آپ کے دوست دروازے پر آپ کو آواز دیں تو بچہ آواز سن کر پکار اٹھتا ہے "چچا جان آ گئے۔"

بچے کی قوت ذائقہ اس کو ہر چیز کے چکھنے پر آمادہ کرتی ہے۔ جو چیز بھی اس کے ہاتھ لگتی ہے وہ اسے منہ میں رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر وہ چیز کڑوی ہو تو بچہ اسے فوراً پھینک دیتا ہے اور اگر وہ چیز میٹھی ہے یا خوش ذائقہ ہوتی ہے تو بچہ اسے چوس کر محظوظ ہوتا رہتا ہے۔

بچے کے یہ احساسات ناقص اور ادھورے ہوتے ہیں۔ آپ اپنی توجہ اور نگہداشت سے بچوں کے احساسات کو پاکیزہ اور معیاری بنانے کی کوشش کیجئے۔ بچوں کو اپنے احساسات پر بھروسہ اور اعتماد کرنا سکھائیے۔ بچوں کو اپنے احساسات کے اظہار کا موقع

دیجئے۔ دیکھا گیا ہے کہ بچے نے کوئی چیز ہاتھ میں لے کر سونگھنا چاہا تو امی دیکھتے ہی دہاڑ پڑیں۔ بڑا گندا ہے! غلیظ کہیں کا! کوئی تمیز نہیں! بچے نے ڈر کے مارے وہ چیز سونگھے بغیر پھینک دی اور پھر کسی بھی چیز کو سونگھنے کی ہمت نہ کی۔ اس طرح بچہ اپنے احساسات پر بھروسہ کرنا چھوڑ دیتا ہے۔ پھر وہ اس تلاش میں رہتا ہے کہ اسے کوئی یہ بتائے کہ اس چیز کا مزا کیسا ہے۔ اس کی بُو اچھی ہے یا خراب؟ آپ نے بہت سے ایسے بچوں کو دیکھا ہو گا کہ دس گیارہ سال کی عمر تک انہیں غلاظت اور نفاست کے درمیان تمیز نہیں ہو پاتی کیونکہ انہیں یا تو اپنے احساسات کے اظہار کا موقع نہیں ملا ہوتا ہے یا پھر ان کے احساسات پر دوسروں کی حکمرانی چلتی رہی ہے۔

اگر آپ کا بچہ کوئی گندی چیز ہاتھ میں لے کر اسے سونگھتا ہے تو آپ محبت سے وہ چیز اس کے ہاتھ سے لے لیں اور اس کی جگہ پھول' عطر کا پھایہ یا کوئی خوشبودار چیز بچے کو سونگھنے کے لیے دے دیں۔ اس سے بچے کی قوت شامہ بھی پروان چڑھے گی اور اس کو تعمیری رخ بھی ملے گا۔

اگر بچہ رنگ برنگ کی جا و بے جا چیزیں جمع کر رہا ہے تو آپ انہیں چھین کر پھینک نہ دیں بلکہ وجہ انتخاب بچے سے معلوم کریں۔ اگر بچہ یہ بتائے کہ اسے کانچ کا یہ سرخ ٹکڑا اس لیے پسند ہے کہ اس میں دیکھنے سے اسے ہر چیز سرخ دکھائی دیتی ہے تو آپ سلیقے سے تراشا ہوا سرخ شیشہ فراہم کر دیں۔ اگر بچہ کوئی بھونڈا قسم کا کھلونا پسند کر کے لے آیا ہے تو آپ اسی انداز کا بہترین قسم کا کھلونا فراہم کر دیں۔ اس طرح آپ کے بچے کے احساسات کی نشوونما تعمیری رخ پر انجام پا سکے گی۔

آپ کا بچہ کسی چیز کو دیکھ کر اگر اسے ہاتھ میں لے کر ٹٹولتا ہے۔ اسے سونگھتا ہے اور اس کے بارے میں ازخود معلومات حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ چیز جھڑک کر بچے کے ہاتھ سے چھین نہ لیجئے کیونکہ وہ چیز کتنی بھی قیمتی ہو بچہ یا بچے کے احساسات سے زیادہ قیمتی نہیں ہے۔ بچے کو اطمینان حاصل کر لینے دیجئے یا خود اس کی تشنگی دور کر کے اس کے احساسات کی تکمیل کیجئے۔

احساسات اگر پاکیزہ ہوں گے تو بچے کے جذبات بھی پاکیزہ ہوں گے اور اگر احساسات میں تلخی ہو گی تو بچہ جذباتی طور پر چڑ چڑا ہو جائے گا۔ احساسات بہت قیمتی ہوتے ہیں۔ تعلیمی و فنی' ذہنی و اخلاقی ہر موقع پر کام آنے والی صلاحیت دراصل احساسات ہی سے تشکیل پاتی ہے' اس لیے احساسات کی پاکیزہ تربیت کا بھرپور اہتمام کیجئے۔

جذباتی و جبلی تربیت

بچپن کی جذباتی تربیت انسان کے کردار پر بڑے مفید اور دور رس اثرات ڈالتی ہے۔ بچپن میں جذبات کی اگر صحیح تربیت ہو جائے اور بچے کی جبلتوں کو صحیح راہنمائی مل جائے تو بچے میں بہترین کردار پروان چڑھتا ہے۔ ہر بچہ جب جوان ہوتا ہے تو بہترین شہری اور عمدہ اخلاق و اوصاف کا حامل ہوتا ہے۔ اس کی زندگی میں بے راہ روی کے بجائے اعتدال ہوتا ہے۔ تلون مزاجی کے بجائے صبرو استقلال پایا جاتا ہے۔

اگر بچے کی جبلتوں کو نہ سمجھا جائے' اس کے جذبات کا پاس و لحاظ نہ کیا جائے' تو بچے کی سیرت میں طرح طرح کی خامیاں اور خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور ایسا بچہ بڑا ہو کر بگڑا ہوا انسان ہوتا ہے جو گھر کے لیے ایک بوجھ' معاشرے کے لیے ایک مصیبت اور ملک و ملت کے لیے بدنما داغ ہوتا ہے۔ اس لیے بچوں کی جذبات و جبلی تربیت پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

جذبہ و جبلت جذباتی و جبلی تربیت کے لیے جذبہ و جبلت کے بارے میں وافر علم کا ہونا ضروری ہے۔ دراصل جبلت اور جذبے کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔

بچے کو بھوک لگتی ہے' وہ اپنی بھوک مٹانے کے لیے اِدھر اُدھر ہاتھ پیر مارتا ہے۔ ماں کے پستان تلاش کرتا ہے' اگر اسے دودھ نہ ملے تو رونے لگتا ہے تاکہ ماں رونے کی آواز سن کر اسے دودھ پلا دے۔ بھوک ایک جذبہ ہے اور اسے مٹانے کے لیے غذا تلاش کرنا انسان کی جبلت ہے۔ دراصل جبلت وہ فطری خواہش اور داعیہ ہے جو انسان میں پیدائشی

طور پر پایا جاتا ہے اور جذبہ اس شدید تاثر کو کہتے ہیں جو انسان کے ذہن و دماغ پر اثر ڈالتا ہے۔

آپ نے دیکھا ہو گا کہ کسی خوب صورت چیز کو دیکھ کر بچہ خوش ہوتا ہے۔ اس کی طرف لپکتا ہے اور اگر کوئی دھماکا ہوتا ہے' تو وہ چونک پڑتا ہے اگر آپ اس کی پسند کی چیز اس کے ہاتھ سے چھین لیں تو وہ رونے لگتا ہے اور اس طرح وہ اپنے رنج کا اظہار کرتا ہے۔ یہ سب بچے کے جذبات ہیں' خوشی' خوف اور رنج وغیرہ کا دوسرا نام ہی جذبہ ہے۔ جذبات ہر انسان کے اندر پائے جاتے ہیں۔ ان میں کمی و بیشی ہو سکتی ہے' لیکن کوئی انسان بھی دنیا میں ایسا نہیں ہے جو جذبات سے بالکل خالی ہو۔

جبلت کی خاصیتیں

رینگنا بچے کی جبلت ہے۔ جب وہ اپنے اندر رینگنے کی صلاحیت پاتا ہے تو رینگنا شروع کر دیتا ہے اور جیسے جیسے اس کی طاقت بڑھتی جاتی ہے تو اس کے رینگنے سے کام نہیں چل سکتا بلکہ اسے قدموں کے بل چلنا چاہیے۔ چنانچہ آہستہ آہستہ چلنا شروع کر دیتا ہے' آپ نے دیکھا ہو گا کہ بڑی عمر والے انسان کو اگر کسی دشوار گزار راستے سے گزرنا ہو یا کسی اونچائی پر چڑھنا ہو تو وہ پنجوں کے بل چل کر یا رینگ کر اس مرحلے کو طے کرتا ہے' گویا یہ جبلی بازگشت ہوتی ہے جو طویل وقفے کے بعد ظہور پذیر ہوتی ہے۔

جبلت ہر انسان میں پائی جاتی ہے۔ البتہ کمی و بیشی یا شدت و خفت کے لحاظ سے فرق ہوتا ہے۔ کوئی جبلت کسی انسان میں شدید ہوتی ہے جب کہ وہی جبلت دوسرے انسان میں اتنی طاقت ور نہیں ہوتی۔

ضروری نہیں کہ جبلتوں کے ظہور کی شکلیں اور صورتیں بھی یکساں ہوں۔ جبلتوں کے بروئے کار آنے کی صورتوں میں کافی اختلاف ہو سکتا ہے۔ اسی طرح جبلتیں بلا ضرورت بروئے کار نہیں آتیں۔ جب کوئی محرک ہو گا تو جبلت روبہ عمل آئے گی۔ کوئی خوف ناک چیز سامنے آئے گی تبھی بچہ ڈرے گا۔ آگ کو کھلونا سمجھ کر بچہ اسے ہاتھ میں لے گا' تو ہاتھ جل جائے گا اور پھر بچہ کبھی آگ کو ہاتھ نہ لگائے گا۔ بچہ اسی وقت حیرت

میں پڑے گا جب کوئی عجوبہ اس کے سامنے آئے گا۔ مطلب یہ ہے کہ بچے کی جانب سے ڈر' فرار اور حیرت کا اظہار اسی وقت ہو گا جب کوئی محرک پایا جائے گا۔

عمر اور ماحول کے اثر سے جبلتوں کی قوت میں کمی و بیشی ہوتی رہتی ہے۔ اسی طرح تمام جبلتیں بیک وقت نمودار نہیں ہوتیں' بلکہ ضرورتوں کے تحت جبلتوں کا اظہار ہوتا ہے۔ پہلے وہ جبلتیں بروئے کار آتی ہیں' جن کا تعلق بچے کی اپنی ذات سے ہوتا ہے' جس میں سب سے مقدم غذا کی تلاش ہے' حصول غذا کے بعد پکڑنے' رینگنے' بیٹھنے' چلنے پھرنے کی جبلتیں روبہ عمل آتی ہیں۔ ذاتی جبلتوں کے بعد وہ جبلتیں ظہور پذیر ہوتی ہیں' جن کا اجتماعیت اور سماج سے تعلق ہوتا ہے۔ اگر کسی جبلت کے ظاہر ہونے اور قوی ہونے کے وقت اس کو نظرانداز کر دیا جائے اور اس جبلت سے کوئی کام نہ لیا جائے تو وہ جبلت کمزور یا معدوم ہو جاتی ہے اور بچہ کج روی کا شکار ہو جاتا ہے۔

اگر آپ بچوں کے جبلی تقاضے پورے کریں گے تو انہیں مسرت و خوشی حاصل ہو گی اور اگر بچوں کی جبلی ضرورتوں کو نظرانداز کر دیا جائے تو ان میں مایوسی' بے چینی اور چڑچڑاہٹ جیسی بری عادتیں جنم لے لیں گی۔

جذبے کی خاصیتیں

جبلتوں کی طرح سب کے جذبات بھی یکساں نہیں ہوتے' بلکہ مختلف افراد کے جذبات میں نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔ ایک شخص کی موت پر کوئی دہاڑیں مار کر روتا ہے' کوئی صرف آنسو بہا کر رہ جاتا ہے' کوئی لاش کو دیکھ کر آگے بڑھ جاتا ہے اور دشمن خوشی و اطمینان حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح جذبات کے اظہار کی شکلیں بھی مختلف ہوتی ہیں۔ مثلاً: غصے میں کوئی بچہ پھول کر لیٹ جاتا ہے' کوئی بچہ کسی کو نوچنے لگتا ہے' کوئی بچہ اپنا سر پٹخنے لگتا ہے اور کوئی بچہ رونے لگتا ہے۔

جذبات کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ متعدی ہوتے ہیں۔ کسی کو غم زدہ دیکھ کر دوسرا بھی غم زدہ ہو جاتا ہے۔ ایک کے قہقہے سے دوسرے بھی ہنسنے لگتے ہیں' ایک فرد کے مشتعل ہو جانے پر دوسرا بھی مشتعل ہو جاتا ہے۔

جذبات کی نوعیت بڑی مختلف ہوتی ہے۔ یہ معمولی سی بات پر بھی بھڑک سکتے ہیں

اور کسی اہم بات پر خاموش بھی رہ سکتے ہیں۔ ایک روپے پر جھگڑا ہو جانا' ہزاروں کے نقصان کو برداشت کر لینا' معمولی سی بات پر قتل و غارت گری کی نوبت آ جانا' غیر معمولی بات کو ہنسی خوشی کے ساتھ برداشت کر لینا' مذاق مذاق میں زندگی بھر کے لیے تعلقات منقطع ہو جانا' لڑائی بھڑائی کے بعد بھی تعلقات قائم رہنا وغیرہ' ایسی مثالوں سے جذبات کی نوعیت کا اختلاف واضح ہو جاتا ہے۔

اگر جذبات دیر تک قائم رہیں یا بار بار طاری ہوں تو یہ عادت کے موجب ہو جاتے ہیں۔ مثلاً: ایک شخص پر بہت دیر تک غصے کے جذبات طاری رہیں یا اس کے غصے کو بار بار بھڑکنے کا موقع ملے' تو ایسا شخص غصیلا ہو جاتا ہے۔ کسی فرد کو مسلسل چھیڑا جائے بار بار چھیڑا جائے تو وہ چڑ چڑا ہو جاتا ہے۔ مسلسل بار بار کی ناکامی کے نتیجے میں انسان مایوس اور مسلسل بار بار کی کامیابی کے نتیجے میں انسان رجائیت پسند ہو جاتا ہے۔

جبلتوں اور جذبات کی تربیت

انسان کی جبلتوں اور جذبات میں بڑی لچک رکھی گئی ہے۔ تجربہ و مشاہدہ' تعلیم و تربیت اور غور و فکر کے نتیجے میں ان میں کمی و بیشی اور تغیر و تبدل کا بھرپور امکان رہتا ہے۔ اس لیے بچوں کی تربیت و نگہداشت کے ذریعے بچوں کے جذبات کو تعمیری رخ آسانی سے دیا جا سکتا ہے۔

بچوں کی جذباتی و جبلی تربیت میں لگے بندھے طریقے متعینہ اصول اور سکہ بند ہدایات سے کام نہیں چلتا بلکہ ہر بچے کے مزاج کا تجزیہ کر کے اس کے لیے مناسب طریقہ تجویز کرنا ضروری ہے۔ لگے بندھے طریقوں سے کبھی بھی بہتر تربیت کا کام انجام نہیں پا سکتا۔ والدین اور اساتذہ کی یہ ذمے داری قرار پاتی ہے کہ وہ ہر بچے کا بغور انفرادی مطالعہ کریں' اس کی جذباتی بے اعتدالیوں کو سمجھیں' ان کے حقیقی اسباب کا پتہ لگائیں اور پھر حکمت سے انہیں دور کرنے کی کوشش کریں۔

بچوں کی بے اعتدالی پر ناراض ہو کر اس کو نہ جسمانی سزا دیں اور نہ جھڑکیں' بلکہ نہایت شفقت بھرے لہجے میں اسے سمجھائیں۔ بچے کو کسی دوسرے کی موجودگی میں ہرگز نہ ڈانٹیں' اس سے بچے میں جرم کرنے کا جذبہ مزید پروان چڑھتا ہے۔

بچے کی جائز خواہشیں حتی الامکان پوری کرنے کی کوشش کیجئے۔ البتہ جب آپ دیکھیں کہ خواہشیں ناجائز رخ اختیار کر رہی ہیں تو نہایت حکمت و تدبیر سے ان پر بند لگانے کی کوشش کیجئے اگر آپ محسوس کریں کہ سزا دینا ناگزیر ہو گیا ہے تو بہت سوچ سمجھ کر سزا دیجئے مگر بعد میں حسن سلوک وغیرہ سے اس کی تلافی بھی کر دیجئے۔

جذباتی و جبلی تربیت کے لیے یہ خوش گوار ماحول فراہم کیجئے' اچھے ہم جولی' بہترین تعلیم گاہ' کھیل اور تفریح کا ضروری سامان' متعلقین کا شفقت بھرا برتاؤ' بچوں کی بہتر نشوونما کے لیے ضروری ہے۔ اپنے بچے کے لیے اچھے دوستوں کا انتخاب کیجئے۔ اس کے دوستوں کی آمد پر ان کی تکریم کا اہتمام کیجئے۔ کبھی کبھی انہیں کھانے پر مدعو کیجئے۔ بہن بھائیوں کو آپس میں میل محبت سے رہنے' کھانے پینے اور کھیلنے کودنے کے مواقع فراہم کیجئے۔ کبھی کبھی بچے کو اپنے دوستوں اور رشتے داروں کے یہاں اپنے ہمراہ لے جائیے۔

گھر' مدرسہ اور قرب و جوار کے ماحول کو صاف ستھرا رکھیے۔ سامان نہایت سلیقے سے ترتیب دیجئے۔ بات چیت میں شائستگی' باہمی تعلقات میں خوش گواری کا اہتمام کیجئے۔ آپس کی بدمزگی اور تعلقات کی ناخوش گواری بچے میں دشمنی و بغاوت اور نفرت و کدورت کے جذبات پروان چڑھاتی ہے۔ جذبات میں پاکیزگی و بلندی پیدا کرنے کے لیے انہیں معیاری شخصیتوں کے نصیحت آموز اور دلچسپ واقعات سنائیے' اچھے اشعار اور اصلاحی کہانیوں سے ان کے ذوق لطیف کو نکھاریئے' غلط باتوں سے نفرت اور حق سے محبت کرنے کی خو پیدا کیجئے۔

اگر آپ یہ محسوس کریں کہ بچے کی بے اعتدالی کا سبب اس کی جسمانی کمزوری یا صحت کی خرابی ہے تو فوراً اس کے معالجے کی طرف توجہ فرمائیے اور اس کی جسمانی نشوونما پر توجہ دیجئے۔ خراب صحت کی موجودگی میں آپ بچے کے اندر صحت مند و پاکیزہ جذبات کو پروان نہیں چڑھا سکتے۔

جنسی تربیت

جنسی خواہش ہر انسان میں ودیعت کی گئی ہے اور یہ بہت طاقت ور جبلت ہے۔ اگر انسان یا معاشرہ اس بے پناہ قوت کو قابو میں نہ رکھ سکے'

تو وہ بہیمیت بلکہ دیوانگی کے درجے تک پہنچ جاتا ہے۔ اگر انسان کو صحیح جنسی شعور حاصل ہو جائے تو معاشرہ جنت نشان بن جاتا ہے۔ اگر آپ خانگی جھگڑوں ' اجڑے ہوئے گھروں ' بے شمار ذہنی و جسمانی بیماریوں ' زندگی کی تباہ کن افسردگیوں کے اسباب کا گہرائی سے سراغ لگائیں تو ان کی تہہ میں جنسی بے شعوری یا جنسی بے راہ روی کار فرما پائیں گے۔

ہر بچے میں تجسّس کا فطری جذبہ موجود رہتا ہے۔ وہ ہر چیز کی حقیقت معلوم کرنے کی کوشش میں رہتا ہے۔ یہ کیوں ہے؟ کیسے ہے؟ کس کے لیے ہے؟ تلاش و جستجو کا یہی جذبہ جنسی امور میں بھی کار فرما ہوتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ ''منی'' (گڑیا) کے بڑے بڑے بال رکھے جاتے ہیں مگر اس کے اپنے بال نائی سے کتروا دیے جاتے ہیں۔ ''منی'' کو پہننے کے لیے شلوار دی جاتی ہے اور اسے پاجامہ پہنایا جاتا ہے ' اگر لڑکا بھی منی کی طرح آٹا لے کر اسے بیلتا ہے ' تو اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ تم کیا کر رہے ہو؟ یہ لڑکیوں کے کام ہیں۔ اس قسم کی باتیں دیکھ کر اور سن کر بچہ عجیب الجھن میں پڑ جاتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ یہ معاملہ کیا ہے؟ وہ لڑکا کیوں ہے؟ اور ''منی'' لڑکی کیوں ہے؟ پھر ختنے کا مرحلہ آتا ہے وہ سوچتا ہے ''منی'' کو بھی اس مصیبت سے دوچار ہونا پڑے گا مگر جب اس کی نظر اس بات کو واضح کر دیتی ہے کہ منی کو ختنے کرانے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی ' تو اس کا تجسّس بڑھ جاتا ہے اور وہ ایک نئی الجھن کا شکار ہو جاتا ہے۔ وہ جب ماں اور باپ کی چھاتیوں کے درمیان نمایاں فرق دیکھتا ہے تو اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا اور وہ سوالوں کی بوچھاڑ کر دیتا ہے۔ وہ مرغی کو انڈے سیتا ہوا اور بچے نکالتا ہوا دیکھتا ہے مگر جب وہ بلی کے ساتھ اس کے بچے دیکھتا ہے تو اسے حیرت ہوتی ہے کہ یہ بچے بغیر انڈوں کے کہاں سے آ گئے؟ جوں جوں بچے کی عمر بڑھتی رہتی ہے ' اس کے جنسی محسوسات میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور اس کا جنسی تجسّس بڑھتا رہتا ہے۔ بچے کے بالغ ہونے پر جنسی محسوسات اپنے شباب پر ہوتے ہیں۔ اگر بچے کو پہلے سے صحیح جنسی شعور ہے اور اس کی مناسب جنسی راہنمائی کی گئی ہے تو اس ہیجانی دور میں وہ اعتدال کی روش پر قائم رہ سکتا ہے ورنہ صحیح جنسی شعور اور مناسب جنسی راہنمائی نہ ملنے سے جنسی رجحانات غلط راہ اختیار کر کے بہت

زیادہ ہیجان اور ابتری کا باعث بن جاتے ہیں۔

بچوں کے جنسی تجسّس کو کچلنا' یا اس سلسلے میں غلط راہنمائی دینا نہایت غیر حکیمانہ عمل ہے' جس کے برے نتائج کسی نہ کسی شکل میں ضرور سامنے آتے ہیں۔ اگر بچہ آپ سے کسی قسم کا سوال کرتا ہے اور پوچھتا ہے تو آپ اسے پوری طرح مطمئن کرنے کی کوشش کرتے ہیں' دنیا بھر کا علم اسے دینا چاہتے ہیں' مگر جب بچہ جنس کے بارے میں کوئی سوال کرتا ہے اور وہ پوچھتا ہے کہ "منی" کہاں سے ہمارے گھر آئی؟ اگر وہ دریافت کرتا ہے کہ ابو مجھے دودھ کیوں نہیں پلاتے ہیں؟ تو آپ جز بز ہو جاتے ہیں۔ بچے پر آپ کو بہت غصہ آتا ہے اور اسے جھڑک دیتے ہیں۔ "بہت بدتمیز ہو گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بڑے لڑکوں کے ساتھ رہنے لگا ہے۔"

آپ ذرا سنجیدگی سے سوچیے! اس نے ایک بات محسوس کی' اپنی الجھن دور کرنے کے لیے آپ سے سوال کیا' آپ اگر اس کی الجھن دور نہیں کریں گے تو اس کی الجھن میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ اگر وہ آپ کے خوف سے زبان بند کر لے تو وہ محو بالذات اور ذہنی الجھنوں میں گم رہنے کا عادی ہو جائے گا۔ پھر عزلت نشینی و نرگسیت پسندی اس کے اندر تباہ کن رجحانات کو پیدا کرنے کا باعث ہو گی۔ یا پھر وہ اپنی ذہنی الجھنوں کو محلے یا گلی کے ہم عمر ساتھیوں یا اپنے سے بڑے بچوں کے سامنے رکھے گا اور پھر اسے غلط راہنمائی ملے گی جس کے نتیجے میں جنسی بے راہ روی کا سخت اندیشہ رہتا ہے۔ اس لیے بچے کو اپنے ذہن میں جنس سے متعلق پیدا ہونے والے سوالات کا اطمینان بخش جواب چاہیے۔

بچے جب جنسی مسائل سے متعلق کچھ پوچھتے ہیں تو ہمارے گھرانوں اور اسکولوں میں عموماً چار طریقے اختیار کیے جاتے ہیں:

1. بچے کو ڈانٹ ڈپٹ کر یا سزا دے کر بالکل خاموش کر دیا جاتا ہے۔ یہ ایک جاہلانہ رویہ ہے' جس کے بڑے خطرناک نتائج نکل سکتے ہیں۔ آپ خود سوچیے کہ جس چیز کے بارے میں آپ کو معلومات حاصل کرنے کا اشتیاق ہو اور آپ کو جھڑک دیا جائے تو آپ کا اشتیاق ختم نہیں ہو گا بلکہ اور بڑھ جائے گا۔ مثال کے طور پر

آپ آفس میں داخل ہوئے۔ آپ کے چیف آفیسر ایک خاتون سے گفتگو کر رہے تھے۔ خاتون اٹھ کر چلی گئیں تو آپ نے آفیسر سے پوچھا: "جناب یہ کون تھیں؟" آفیسر نے آپ کو جھڑک کر کہا: "تمہیں کیا مطلب؟" آپ اس جواب پر کافی جز بز ہوں گے۔ ایک معمولی سا سوال بہت سے سوالات اور شکوک و شبہات کی شکل میں آپ کو پریشان کر دے گا۔ آپ حقیقت حال جاننے کے لیے بے تاب ہو جائیں گے۔ حیلے بہانے کر کے چپڑاسی اور دوسرے لوگوں سے معلومات اکٹھا کریں گے۔ کبھی جاسوسی اور تانک جھانک کریں گے' کچھ سچ اور جھوٹ بول کر حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کریں گے۔ حالانکہ کوئی معاملہ نہیں ہے' وہ آفیسر کی اہلیہ تھیں جو ایک ضروری مشورہ کرنے کے لیے دفتر میں چلی آئی تھیں۔ اگر آفیسر شروع ہی میں یہ بات بتا دیتا تو آپ کو اتنے جرم نہ کرنے پڑتے۔ یہی حال اس بچے کا ہو جاتا ہے جس کو آپ اس کے سوال پر جھڑک دیتے ہیں۔ وہ سوچتا ہے آخر راز کیا ہے؟ جو مجھ سے چھپایا جا رہا ہے۔ اس کا ذہنی الجھاؤ اور زیادہ بڑھتا چلا جاتا ہے۔

چنانچہ وہ حقیقت تک پہنچنے کے لیے تمام وہ حرکتیں کرتا ہے جو آپ نے اپنے آفیسر کے سلسلے میں کی تھیں' اور اگر وہ غلط لڑکوں سے اس سلسلے میں پوچھ بیٹھتا ہے تو وہ اسے نہایت نازیبا حرکتوں پر اکسا کر اس میں جنسی ہیجان پیدا کر کے اس کے خوش گوار مستقبل کو جنسی ہولناکیوں کے حوالے کر دیتے ہیں۔

۲ جنسی سوالات کیے جانے پر دوسرا طریقہ یہ اختیار کیا جاتا ہے کہ بچے کو غلط سا جواب دے کر خاموش کر دیا جاتا ہے۔ اس انداز سے سوچنے والے حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ فی الوقت تو بچے کو کسی نہ کسی طرح خاموش کر دیا جائے' بڑا ہو کر وہ سب کچھ خود ہی جان جائے گا مگر یہ طریقہ بھی پہلے طریقے سے کم خطرناک نہیں ہے۔ آپ نے اگر آج غلط ملط جواب دے کر بظاہر بچے کو مطمئن کر دیا مگر کل آپ کا جھوٹ بچے پر ظاہر ہو گیا تو آپ سے بچے کا اعتماد ہمیشہ کے لیے اٹھ جائے گا اور

پھر وہ محلے اور پاس پڑوس کے دوسرے لڑکوں سے وہ معلومات حاصل کرے گا اور یہ جنسی ذخیرہ علم اس کی آئندہ زندگی میں بہت مہلک ثابت ہو سکتا ہے۔

③ جنسی سوالات کے سلسلے میں تیسرا طریقہ یہ اپنایا جاتا ہے کہ بلا تکلف تمام باتیں من و عن پوری تفصیل کے ساتھ بچے کو صاف صاف بتا دی جائیں' یہ مغربی انداز فکر ہے اور مغرب زدہ لوگ اس نقطہ نظر کے بڑے حامی و وکیل ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ جب بچے کو سب کچھ بتا دیا جائے گا تو اس کا تجسّس ختم ہو جائے گا اور مزید جاننے کا اشتیاق باقی نہیں رہے گا۔ مگر یہ دلیل حقیقت کے منافی ہے۔ جب آپ بچے کو سب کچھ بتا دیں گے تو اس کا اشتیاق و تجسّس ختم نہیں ہو گا' بلکہ وہ مزید بھڑک اٹھے گا اور وہ آپ کی باتوں کو پرکھنے کے لیے عملی تجربے کی طرف بڑھے گا' جس کی خطرناکی کا آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں۔ چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ مغرب زدہ گھرانوں کے بچوں میں فحاشی و آوارگی زیادہ پائی جاتی ہے۔ اولاً تو وہاں حیاء و عصمت کا کوئی تصور نہیں ہے۔ پھر ٹی وی' سینما اور رقص و سرود کے مخرب اخلاق پروگرام ان کی آوارگی میں مزید اضافہ کرتے ہیں۔ والدین کی آزاد خیالی اور جنسی بے حجابی جلتی آگ پر تیل کا کام کرتی ہے۔ میری گفتگو کا حاصل صرف یہ ہے کہ جنسی امور سے متعلق تسلی و اطمینان کے نام پر بچے کو تمام تفصیلات بتا کر ہم اس کی جنسی دلچسپی کو حد اعتدال سے بڑھا دیتے ہیں۔

④ مذکور بالا تینوں طریقوں کے بجائے بہترین طریقہ یہ ہے کہ جنسی مسائل کے سلسلے میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کی جائے۔ جنسی سوال کرنے پر بچے کو ڈانٹنے ڈپٹنے یا غلط ملط بات بتانے یا بلا تکلف پوری تفصیل بتانے کے بجائے بچے کی ذہنی سطح کے مطابق آسان زبان میں اس کے سوال کا مختصر جواب دیا جائے۔ مثلاً: بچہ اگر یہ سوال کرے کہ منی کہاں سے آ گئی ہے؟" تو اسے نہ جھڑکا جائے اور نہ اس طرح غلط ملط بتایا جائے کہ دایا اپنے ساتھ لائی تھی یا رات میں ایک آدمی ڈال گیا تھا اور نہ زن و شوہر کے جنسی تعلقات اور حمل وغیرہ کی پوری تفصیل ہی بتائی

جائے' بلکہ کچھ اس طرح سمجھایا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پیدا کی ہے' اس نے منی کو بھی پیدا کیا ہے۔ تم نے دیکھا ہو گا کہ مرغی انڈا دیتی ہے۔ بکری بچہ دیتی ہے۔ اسی طرح عورت بچے کو جنتی ہے اور یہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے۔ اگر بچہ سوال کرے کہ: "امی کی طرح ابو کے پستان کیوں نہیں ہیں؟" تو اسے بتایا جائے کہ: "امی کے ذمے بچے کو پالنا اور اسے دودھ پلانا ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے امی کے پستان بنائے ہیں۔ ابو کے ذمے بچے کو دودھ پلانا نہیں ہے' بلکہ گھر والوں کے لیے کمانا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ابو کے پستان نہیں بنائے بلکہ انہیں کمانے کی طاقت دی ہے۔" اسی سے ملتے جلتے جوابات دے کر آپ بچے کو مطمئن کر سکتے ہیں۔

بچے کو کس حد تک جنسی معلومات فراہم کی جائیں؟ اس کا انحصار بچے کی عمر' صلاحیت اور جنسیات سے متعلق اس کے تجسس کی شدت پر ہے۔ اگر عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ سلیقہ مندی و ترتیب سے بچے کو جنسی معلومات فراہم ہوتی رہیں تو دور بلوغ اور اس کے بعد بچہ کوئی خاص دقت محسوس نہیں کرتا۔ ورنہ عمر کے ہیجان خیز حصے میں اس کی بے راہ روی کا سخت اندیشہ رہتا ہے۔ اس بات کا بھی خاص خیال رکھا جائے کہ بچے کو جنسی معلومات اسی وقت فراہم کی جائیں جب وہ کوئی سوال کرے یا آپ اسے کسی جنسی الجھن میں مبتلا پائیں۔ بغیر ضرورت اس موضوع پر بچوں کے احساسات کو چھیڑنا مناسب نہیں ہے اور جب بچہ آپ سے کوئی جنسی سوال کرے تو آپ اسے ناجائز یا گندا مسئلہ جان کر نظر انداز نہ کریں اور نہ اس مسئلے میں شرم و حیا کو ہی بہانا بنائیں' کیونکہ صحیح رہنمائی کے سلسلے میں کسی قسم کی شرم محسوس نہیں کرنا چاہیے۔

اگر آپ بچے کے پوچھنے پر اسے مطمئن نہیں کریں گے تو وہ دوسرے ذرائع اختیار کرے گا' جس کا نتیجہ اور بھی زیادہ خطرناک ظاہر ہو سکتا ہے۔ آپ اگر کبھی اس قسم کے نو عمر بچوں کو جنسی مسائل پر گفتگو کرتے ہوئے سنیں تو آپ کو اندازہ

ہو گا کہ وہ صحیح راہنمائی نہ پا کر فحاشی و بے حیائی کی ڈگر پر چل پڑتے ہیں۔

اگر آپ دیکھیں کہ بچہ جنسی بے اعتدالی کا شکار ہو رہا ہے تو اسے نہایت محبت و شفقت سے سمجھائیں اور بتائیں کہ اس سے تمہارا مستقبل تباہ ہو جائے گا' دوسری طرف اس کے ہم جولیوں پر نظر رکھیں' غلط ساتھیوں کے بجائے اچھے ساتھیوں کے ساتھ رہنے سہنے کے مواقع فراہم کریں۔ اپنے ساتھ مختلف دعوتوں میں ساتھ رکھیں' دوستوں اور رشتے داروں کے یہاں اپنے ہمراہ لے کر جائیں۔

اسلام نے جنسیات سے متعلق جو ہدایات و تعلیمات دی ہیں' ان کو پیش نظر رکھا جائے' بچوں سے ان پر عمل کرایا جائے تاکہ ان میں جنسی ہیجان پیدا نہ ہو سکے۔ فحش اور گندے لٹریچر بچوں کو بالکل نہ پڑھنے دیے جائیں۔ پاکیزہ اور تعمیری کتابیں' رسائل اور اخبارات گھر پر منگائے جائیں تاکہ بچوں کا تعلق انہیں سے رہے۔

بچوں کو ایسے دلچسپ مشاغل فراہم کیے جائیں' جن میں مصروف رہ کر وہ واہیات اور لغو باتوں کے لیے وقت فارغ نہ کر سکیں۔ بچوں کی فراغت اور عدم مصروفیت بھی انہیں غلط راستوں پر ڈال دیتی ہے۔ بچوں کے شب و روز کے مشاغل پر گہری نظر رکھی جائے' لیکن انہیں اس کا احساس نہ ہونے دیا جائے کہ آپ ان کی جاسوسی کر رہے ہیں۔

آج ہمارے معاشرے میں جو جنسی ہیجان پایا جاتا ہے' اس کا سب سے بڑا سبب ٹی وی اور سینما کا غلط استعمال ہے۔ ننگی اور فحش فلمیں' ہیجان خیز گانے اور ناچ' اخلاق سے عاری پروگرام ان تمام چیزوں نے مل کر نئی نسل کو جنسی ہیجان کا شکار بنا دیا ہے۔ ہمارے ایک دوست فکر بجنوری نے خوب کہا ہے:

"بچوں میں جب شعور بیدار ہو جائے تو انہیں عادی بنایا جائے کہ وہ دوسرے گھروں میں بلا اجازت داخل نہ ہوں۔ خصوصاً ان تین اوقات میں جن کا تذکرہ قرآن پاک میں کیا گیا ہے۔ اور بالغ ہونے پر تو کسی وقت بلا اجازت کسی

دوسرے گھر میں داخل نہ ہوں۔"

اللہ تعالیٰ نے اسی بات کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لِيَسْتَـْٔذِنكُمُ ٱلَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَـٰنُكُمْ وَٱلَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا۟ ٱلْحُلُمَ مِنكُمْ ثَلَـٰثَ مَرَّٰتٍ ۚ مِّن قَبْلِ صَلَوٰةِ ٱلْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُم مِّنَ ٱلظَّهِيرَةِ وَمِنۢ بَعْدِ صَلَوٰةِ ٱلْعِشَآءِ ۚ ثَلَـٰثُ عَوْرَٰتٍ لَّكُمْ ۚ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ۚ طَوَّٰفُونَ عَلَيْكُم بَعْضُكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ ٱللَّهُ لَكُمُ ٱلْـَٔايَـٰتِ ۗ وَٱللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٥٨﴾ وَإِذَا بَلَغَ ٱلْأَطْفَـٰلُ مِنكُمُ ٱلْحُلُمَ فَلْيَسْتَـْٔذِنُوا۟ كَمَا ٱسْتَـْٔذَنَ ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ﴾ (النور ٢٤/ ٥٨-٥٩)

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو لازم ہے کہ تمہارے لونڈی غلام اور تمہارے وہ بچے جو ابھی عقل کی حد کو نہیں پہنچے ہیں، تین اوقات میں اجازت لے کر تمہارے پاس آیا کریں: صبح کی نماز سے پہلے اور دوپہر کو جب کہ تم کپڑے اتار کر رکھ دیتے ہو، اور عشاء کی نماز کے بعد۔ یہ تین وقت تمہارے لیے پردے کے وقت ہیں۔ ان کے بعد وہ بلا اجازت آئیں تو نہ تم پر کوئی گناہ ہے نہ ان پر، تمہیں ایک دوسرے کے پاس بار بار آنا ہی ہوتا ہے۔ اس طرح اللہ تمہارے لیے اپنے ارشادات کی توضیح کرتا ہے، اور وہ علیم و حکیم ہے۔ اور جب تمہارے بچے عقل کی حد کو پہنچ جائیں تو چاہیے کہ اسی طرح اجازت لے کر آیا کریں جس طرح ان کے بڑے اجازت لیتے رہے ہیں۔"

ذرا تصور کیجئے کہ اگر بچہ کسی شوہر کو اپنی بیوی سے ملامست کرتے دیکھ لے، تو اس کے جنسی جذبات کا کیا حال ہوگا، اس کے ذہن و دماغ میں اس منظر کی تصویر بار بار ابھرے گی۔ ہو سکتا ہے وہ اپنے ہم جولیوں سے بھی لطف لے لے کر اس کا تذکرہ کرے اور وہ صورت حال تو تباہ کن ہی ہوگی جب بچہ عملی طور پر جنسی تجربہ کرنے کی سوچے یا ذہنی طور پر تلذذ حاصل کرے۔ اس لیے بچوں کو اجازت طلبی کے قرآنی آداب سکھائیے۔ اور کوشش کیجئے کہ بچے اپنے گھر میں غیر وقت داخل ہونے کا معمول نہ بنائیں۔

اچھے مربی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ بچوں کو نگاہ و نظر کے آداب سکھائے اور انہیں بتائے کہ غیر محرم عورتوں کو دیکھنا گناہ ہے اگر کسی پر نظر پڑ جائے تو وہ اپنی نظر پھیرلیں اور غیر محرم عورت کو بار بار دیکھنا یا مسلسل دیکھتے رہنا جنسی بے راہ روی کا پیش خیمہ بن سکتا ہے۔ اسلام نے محرمات کو دیکھنے کی اجازت دی ہے یا شادی کے لیے منگیتر کو - ورنہ کسی دوسری عورت کو دیکھنا اسلام نے اسی لیے ناجائز قرار دیا ہے کہ اس سے جنسی بے راہ روی کا راستہ نکلتا ہے' نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَلنَّظَرَةُ سِهَامٌ مِنْ سِهَامِ اِبْلِيْسَ مَنْ تَرَكَهَا مِنْ مَخَافَتِي اَبْدَلْتُهُ اِيْمَانًا يَجِدُ حَلَاوَتَهُ فِي قَلْبِهِ))

"نگاہ ابلیس کے تیروں میں سے ایک تیر ہے جو میرے ڈر کی وجہ سے اسے چھوڑ دے میں اس کو بدلے میں ایسا ایمان دوں گا جس کی مٹھاس وہ اپنے دل میں پائے گا۔"[1]

بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْعَيْنَانِ زِنَاهُمَا النَّظَرُ)) آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے۔[2]

غیر محرم عورت کے تو کسی بھی حصے پر نظر نہیں پڑنی چاہیے مگر مرد یا بڑے بچے کے حصہ عورت پر بھی نظر نہیں پڑنا چاہیے۔ مرد اور بڑے بچے کا حصہ عورت ناف سے لے کر گھٹنے تک ہے۔ اس دور بے حیائی میں اگر نگاہ و نظر کے آداب کا خیال رکھا جائے اور بچوں کو اس کی تلقین کی جائے اور انہیں عادی بنایا جائے تو بڑی حد تک ہم جنسی بے راہ روی پر قابو پا سکتے ہیں۔

جب بچے آٹھ دس سال کے ہو جائیں تو ان کے بستر الگ الگ کر دیے جائیں۔

---

[1] مستدرک حاکم (۴/ ۳۱۳۔ ۳۱۴)

[2] صحیح بخاری' کتاب الاستیذان: باب زنا الجوارح دون الفرج' (ح ۶۲۴۳)۔ صحیح مسلم کتاب القدر: باب قدر علی ابن آدم حظه من الزنی وغیره' (ح ۲۶۵۷) واللفظ له۔

ایک ہی بستر پر کئی بچوں کو سلانا (خصوصاً سردیوں کے موسم میں ایک ہی لحاف کے اندر) جنسی تحریک کا سبب بن سکتا ہے۔ پاکستان و ہندوستان میں غریب یا اوسط گھرانوں میں وسائل کی کمی کی بنیاد پر عموماً کئی کئی بالغ بچے ایک ہی بستر پر سوتے ہیں۔ یہ تربیتی نقطہ نظر سے نہایت ہی تباہ کن ہے۔ دوسرے اخراجات کم کر کے ہر بچے کے لیے الگ بستر مہیا کرنا چاہیے۔

جنسی اختلاط بھی جنسی انارکی کا ایک بڑا سبب ہے۔ قریب البلوغ بچوں کو باہمی میل ملاپ سے دور رکھا جائے۔ ایک ہی خاندان یا پڑوس کے لڑکے لڑکیوں کا میل ملاپ تعلیم یا ہوم ورک کے نام پر ملاقاتوں کا سلسلہ نہایت خطرناک ہے۔ والدین اس پر گہری نظر رکھیں اور حکمت عملی سے انہیں ایک دوسرے کے قریب نہ رہنے دیں۔

مخلوط تعلیم بھی جنسی بے راہ روی کا ایک بڑا سبب ہے۔ کاش! ہمارے ماہرین تعلیم اس طرف توجہ دیں اور دونوں جنسوں کی اعلیٰ تعلیم کے لیے الگ الگ کالجز اور یونیورسٹیاں کھولی جائیں۔ بہرحال والدین اس بات کی کوشش کریں کہ اپنے بچوں کو مخلوط تعلیمی اداروں سے دور رکھیں اور انہیں ایسے اداروں میں تعلیم دلائیں جہاں مخلوط تعلیم کے مضر اثرات سے بچا جا سکتا ہو۔

بچوں کو شروع ہی سے ساتر لباس کی عادت ڈالنی چاہیے۔ چست اور باریک لباس سے ان کی طبیعت میں نفرت پیدا کرنا چاہیے۔ شریفانہ لباس کی خوبیاں بیان کر کے انہیں اس کا عادی بنانا چاہیے۔

بے پردگی، جدت اور فیشن کے نام پر مغرب نے بے حیائی کی جو سوغات ہمیں دی ہے، اسے حقارت سے ٹھکرا دیجئے، اپنی اخلاقی تعلیمات پر فخر کیجئے، احساس کمتری کے خول سے نکلئے، مغرب کی اندھی تقلید کے بجائے اسلامی تعلیمات پر شرح صدر کے ساتھ عمل کیجئے، بچوں کو کورا نہ تقلید اور مغرب کی فیشن پرستی کے نقصانات سے آگاہ کرتے رہیے۔

اگر آپ نے صبر و تحمل اور دور اندیشی سے بچوں کی تربیت کا اہتمام کیا تو یقیناً وہ آپ

کی آنکھوں کی ٹھنڈک‘ روح کا سکون اور دل کا سرور بن کر ابھریں گے اور اگر آپ ایسا نہ کر سکے تو پھر آپ کے بچے بڑے ہو کر آپ کے لیے ایسا دردِ سر بنیں گے جس کا علاج ناممکن ہو گا۔

باب ششم

تربیت پر اثر انداز ہونے والے عوامل

بچہ جب دنیا میں آتا ہے تو وہ ایک سادہ کاغذ کے مانند ہوتا ہے۔ والدین جو چاہیں اس پر نقش کر سکتے ہیں۔ اس حقیقت کا اعلان خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ فِطْرَتَ ٱللَّهِ ٱلَّتِي فَطَرَ ٱلنَّاسَ عَلَيْهَا ﴾ (الروم ۳۰/ ۳۰)

"قائم ہو جاؤ اس فطرت پر جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔"

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ))

"ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے' پھر اس کے والدین اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔"[1]

والدین

بچے کی تربیت میں سب سے اہم رول اس کے والدین ادا کرتے ہیں۔ وہ بہترین تربیت کر کے اسے کامیاب و بااخلاق انسان بنا دیتے ہیں یا غلط تربیت کر کے یا تربیت سے غفلت برت کر اس کی کج روی کا سبب بنتے ہیں۔ امام غزالی اس نکتے پر روشنی ڈالتے

[1] صحیح بخاری' کتاب الجنائز : باب اذا اسلم الصبی فمات هل یصلی علیه ؟ (ح ۱۳۵۸)۔ صحیح مسلم' کتاب القدر : باب معنی کل مولود یولد علی الفطرة' (ح ۲۶۵۸)۔

ہوئے کہتے ہیں:

"بچہ والدین کے پاس امانت ہے' اس کا پاکیزہ دل ایک قیمتی جوہر ہے' اگر بچے کو بھلائی کا عادی بنایا جائے اور اچھی تعلیم دی جائے تو بچہ اسی نہج پر پروان چڑھتا ہے اور دنیا و آخرت میں سعادت حاصل کرتا ہے۔ اگر بچے کو بری باتوں کا عادی بنایا جائے یا اس کی تربیت سے غفلت برتی جائے اور اسے جانوروں کی طرح آزاد چھوڑ دیا جائے تو بدبختی و بربادی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔"

اگر بچے کو ماں باپ کی توجہ و نگہداشت ان کی سرپرستی و راہنمائی حاصل نہ ہو تو بچے کا بگڑ جانا یقینی بات ہے۔ اگر والدین خود بگڑے ہوئے ہوں تو ان کی گود میں پرورش پانے والا بچہ کیوں کر نیک ہو سکتا ہے۔

والدین کے باہمی تعلقات استوار نہ ہوں' ان میں رنجش رہتی ہو' آئے دن تُو تُو مَیں مَیں ہوتی رہتی ہو اور گھر جھگڑے کا اکھاڑا بنا ہوا ہو تو بچے میں خیر و صلاح کے بجائے بگاڑ کے جراثیم ہی پیدا ہوں گے۔ والدین کے تعلقات کا اثر بچے کے ذہن و دماغ پر شعوری و غیر شعوری دونوں طرح ہوتا ہے۔ اس لیے والدین کی پہلی ذمے داری یہ ہے کہ وہ ازدواجی تعلقات کو خوش گوار بنائیں' کم از کم اپنے نونہال کی زندگی کا خیال کرتے ہوئے ازدواجی تلخیوں اور جھگڑوں کو خیرباد کہہ دیں۔

ماں باپ کی تربیتی ذمے داریوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:۔

((اَکْرِمُوا اَوْلَادَکُمْ وَاَحْسِنُوا اَدَبَهُمْ))

"اپنی اولاد کو عزت دو اور ان کی اچھی تربیت کرو۔"[1]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:۔

((تَعَلَّمُوا وَلَادَکُم وَاَهلِیکُم الخَیرَ وَاَدِّبُوهُمْ))

---

[1] سنن ابن ماجہ' کتاب الادب: باب برالوالد و احسان الی البنات' (ح ۳۶۷۱)۔

"اپنے بچوں اور گھر والوں کو بھلائی کی تعلیم دو اور ان کی تربیت کرو۔"[1]

والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بچوں کی ہمہ جہتی تربیت کے فرائض خلوص و لگن کے ساتھ انجام دیں۔ ان کے اندر مختلف خوبیوں کو پروان چڑھائیں' ان کی خوابیدہ صلاحیتوں کو جلا بخشیں' ان میں کوئی کجی اور سطحیت پیدا نہ ہونے دیں' ان کے اندر وسعت قلبی' صداقت و دیانت' صبرو استقامت' ایثار و قربانی' ہمدردی و غم گساری' تواضع و انکساری' مہمان نوازی و فیاضی کی صفات پیدا کریں۔ گالم گلوچ' لعن طعن' غیبت و چغل خوری' کذب و حیلہ سازی' مکرو فریب دہی' خوف و بزدلی' تکبرو تعلی' بخیلی و تنگ دلی' رذالت و کمینگی جیسے رذائل کی ہوا بھی نہ لگنے دیں۔

جب بچہ بڑا ہو جائے تو والدین کو چاہیے کہ اسے بہترین اسکول میں داخل کرائیں۔ بچے کے تعلیمی ارتقا کا جائزہ لیتے رہیں' اساتذہ سے ربط رکھیں۔ بچے کی خوبیوں اور خامیوں پر تبادلہ خیال کریں۔ روزانہ پابندی سے ایک دو گھنٹے ہوم ورک اور تعلیمی راہنمائی کے لیے ضرور خالی کریں۔

باپ بچہ ماں کے بعد جس ہستی کو سب سے زیادہ اپنے قریب محسوس کرتا ہے' وہ باپ ہے۔ باپ کو چاہیے کہ بچے کو اپنے سے خوب مانوس کرے۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ بعض باپ بچے سے دور ہی دور رہتے ہیں' انہیں اتنی فرصت نہیں ملتی کہ وہ بچے کو گود میں لے سکیں اور کچھ وقت اس کے ساتھ گزار سکیں۔ ان کے خیال میں بچے کو پالنا پوسنا صرف ماں کی ذمے داری ہے۔ وہ اس سے بری ہیں۔ اسی لیے وہ بچے سے کوئی سروکار نہیں رکھتے۔ البتہ یہ ضرور چاہتے ہیں کہ ان کا بچہ انہیں اپنا باپ سمجھے۔

آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ اس دنیا میں ہر شخص اپنے کو اہم سمجھتا ہے۔ پرسوں ہی کی تو بات ہے' آپ کے یہاں کچھ مہمان آئے' آپ نے حسب توفیق ان کی خاطر تواضع کی' مگر ان کے خیال سے خاطر و مدارات میں کچھ کمی رہ گئی۔ ان کو یہ محسوس ہوا کہ ان کو

---

[1] مستدرک حاکم (۲/۴۹۴)

کوئی اہمیت نہیں دی گئی- چنانچہ انہوں نے ہنگامہ کھڑا کر دیا- صرف اس لیے کہ وہ اپنے کو جتنا اہم سمجھ رہے تھے آپ نے شاید ان کو اتنا اہم نہیں سمجھا- اسی طرح بچہ بھی یہی چاہتا ہے کہ اسے اہم سمجھا جائے- اگر باپ بچے کے سامنے آتے جاتے اسے کوئی اہمیت نہ دے' تو کیا اس کا معصوم سا دل ٹوٹ نہ جائے گا؟ کیا آپ کے اس رویے سے بچے میں مایوسی و افسردہ دلی جڑ پکڑنا شروع نہیں کر دے گی؟ اس طرح کسی باپ کو نہیں کرنا چاہیے-

باپ کما کر گھر کی تمام ضروریات پوری کرتا ہے' اس کے پاس وہ وسائل ہوتے ہیں' جن سے ماں محروم ہوتی ہے' اس لیے بچے کی جائز خواہشوں کی تکمیل کا ذمے دار بھی باپ ہے- بچے کی خواہش یا ماں کے اظہار پر بچے کی جائز خواہشوں کی عدم تکمیل کی صورت میں بچے کے بگاڑ کا ذمے دار باپ ہی ہو گا- باپ نہایت جاں فشانی سے پیسہ کماتا ہے' مگر اس کمائی میں اولاد کا جو حق ہے' اسے نہایت خندہ پیشانی سے ادا کرنا چاہیے- اولاد کے حقوق کو غصب کر کے جمع کی ہوئی دولت پر اس وقت افسوس ہوتا ہے جب حق تلفی کے احساس سے بگڑے ہوئے بچے جوان ہو کر باپ کے مدمقابل آتے ہیں اور سرکشی و بغاوت کے جذبات سے سرشار گھر کے امن و سکون کو غارت کر دینے پر تلے رہتے ہیں-

باپ گھر کا قوام ہے- بچہ دیکھتا ہے کہ ہر مصیبت اور پریشانی میں گھر کے افراد اس کی طرف رجوع کرتے ہیں' حتی کہ وہ ماں بھی جسے وہ اپنا محافظ سمجھتا ہے' اس کی مرہون منت ہے- اب اسے یقین ہو جاتا ہے کہ باپ ہی اس گھر کا حاکم ہے- سب اس کا کہنا مانتے ہیں- سب اس سے ڈرتے ہیں- چنانچہ بچہ باپ میں کافی دلچسپی لینے لگتا ہے- باپ کی عادتوں کو اختیار کرنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ وہ بھی باپ کی طرح طاقتور بن جائے اور گھر پر اس کا حکم چلنے لگے-

باپ کی یہ بھی ذمے داری ہے کہ وہ بچے کی تعلیم کا بہتر بندوبست کرے- معیاری تعلیم گاہ میں اسے داخل کرائے- اس کی تعلیمی دلچسپیوں کا جائزہ لیتا رہے- اس کے اساتذہ سے ربط و تعلق رکھے- بچے کے سیرت و اخلاق پر ان سے تبادلہ خیال کرے- بچے

کے تعلیمی رجحانات کے پیش نظر صحیح مضامین کا انتخاب کرے۔ اگر وہ یہ محسوس کرے کہ بچہ اسکول کے تعلیمی نظام یا متعلقہ مضامین میں دلچسپی نہیں لے رہا ہے' تو حسب ضرورت تبدیلی سے گریز نہ کرے۔ بچے کی تعلیمی راہنمائی کے لیے روزانہ کچھ نہ کچھ وقت ضرور فراہم کرے تاکہ بچہ پابندی سے گھر پر بھی پڑھ لکھ سکے۔

باپ کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((اَدِّبُوا اَوْلَادَکُم وَاَحسِنُوا اَدَبَهُم))

"اپنی اولاد کو ادب سکھاؤ اور ان کی اچھی تربیت کرو۔"[1]

آپ ﷺ نے واضح الفاظ میں مرد کو اپنے اہل خانہ کی جملہ ذمے داریوں کے لیے جواب دہ قرار دینے کے لیے ارشاد فرمایا:

((وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِی اَهْلِهِ وَ مَسئُولٌ عَن رَعِیَّتِهِ))

"مرد اپنے گھر بار کا ذمہ دار ہے اور وہ اپنے گھر بار کے بارے میں جواب دہ ہے"[2]

آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

"والدین بچے کو جو سب سے اچھا تحفہ دے سکتے ہیں' وہ بہترین تعلیم و تربیت ہے۔"[3]

ماں جب بچہ اس دنیا میں آتا ہے' تو یہ اس کے لیے بالکل نئی اور غیر مانوس ہوتی ہے۔ وہ اب تک جس دنیا میں تھا وہاں نہ روشنی تھی' نہ ہوا' نہ آوازیں تھیں نہ شور و ہنگامہ اور نہ اس کے نرم و نازک جسم کو چھونے والا کوئی ہاتھ۔ مگر اس دنیا میں آتے ہی

---

[1] سنن ابن ماجہ' کتاب الادب: باب برالوالد و احسان الی البنات (ح ۳۶۷۱) بلفظ "اکرموا اولادکم۔"

[2] صحیح بخاری' کتاب الجمعۃ: باب الجمعۃ فی القریٰ والمدن (ح ۸۹۳) صحیح مسلم' کتاب الامارۃ: باب فضیلۃ الامیر العادل (ح ۱۸۲۹)

[3] سنن ترمذی' کتاب البر والصلۃ: باب ماجاء فی ادب الولد (ح ۱۹۵۲)

سب کچھ بدل گیا۔ بچے کے لیے اس اچانک اور غیر معمولی تبدیلی کا سامنا کرنا بڑا مشکل معلوم ہوتا ہے' مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو ماں جیسی عظیم نعمت دی ہے' جس کی گود کو بچہ تمام اندیشوں اور خطروں سے محفوظ تصور کرتا ہے۔ بچہ آہستہ آہستہ گرد و پیش کی چیزوں سے مانوس ہو جاتا ہے۔ ماں مقررہ وقت پر دودھ پلاتی ہے' اس کے کپڑے بدلتی ہے' اس کو نہلاتی اور صاف ستھرا رکھتی ہے اور گرمی و سردی کے اثرات سے اسے بچانے کی کوشش کرتی ہے۔ چنانچہ گھر کے افراد میں سب سے پہلے اور سب سے زیادہ ماں ہی سے مانوس ہوتا ہے۔ وہ ماں کی آغوش میں سکون پاتا ہے' ماں جب اسے گود میں سلاتی ہے تو وہ بہت جلد سو جاتا ہے اور اگر ماں گود سے الگ کر دے تو وہ کھسک کر پھر گود میں آ جاتا ہے۔ اس طرح بچہ ماں کو اپنا محافظ سمجھتا ہے اور چاہتا ہے کہ یہ پناہ گاہ اس سے کسی وقت جدا نہ ہو۔ چنانچہ جب بچہ ماں کو اپنے قریب نہیں پاتا' تو بے چینی اور جھنجلاہٹ محسوس کرتا ہے۔ اسی جھنجلاہٹ میں وہ رونے لگتا ہے اور ماں پیار سے اسے اپنی آغوش میں دبا لیتی ہے۔

یہ مشہور کہاوت آپ نے سنی ہو گی کہ "ماں کی آغوش پہلا مدرسہ ہے۔" ماں کی گود میں بچے کے دل و دماغ پر جو نقوش ثبت ہوتے ہیں' وہ بہت گہرے اور پایہ دار ہوتے ہیں۔ ماں اپنی ذمے داری سے اس وقت سبکدوشی کا دعویٰ نہیں کر سکتی جب بچہ دودھ پینا چھوڑ دیتا ہے اور اپنے ہاتھ سے کام لینا شروع کر دیتا ہے' اس وقت تو ماں کی ذمے داریوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ بچے کے بننے یا بگڑنے کا آغاز عمر کے اسی دور سے ہوتا ہے۔ ماں کی ذمے داری ہے کہ وہ ہر وقت بچے کے عادات و اطوار پر نظر رکھے۔ جسمانی تربیت کے ساتھ اس کی اخلاقی تربیت کا بھی بھرپور اہتمام کرے۔ ازدواجی تعلقات اور گھر کے ماحول کو نہایت خوش گوار اور پاکیزہ بنائے رکھے' جس طرح کم دھوپ سے پھول مرجھا جاتا ہے اور زیادہ دھوپ سے جھلس جاتا ہے' اسی طرح بچے کو محبت کی کمی افسردہ دلی اور احساس کمتری میں مبتلا کر دیتی ہے اور بے جا لاڈ پیار اس کو بگاڑ کے راستے پر ڈال دیتا ہے۔ اس لیے ماں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس بات کا خیال رکھے کہ بچے کے

ساتھ محبت اور پیار کا بھرپور معاملہ کرے' لیکن بے جا لاڈ پیار سے بھی پرہیز کرے۔ اس سے بچوں میں بہت سی خرابیاں جنم لینے لگتی ہیں۔

بچہ جب کچھ بڑا ہو جائے تو اسے کام میں ہاتھ بٹانے کے مواقع مہیا کرنا' دلچسپ مشاغل اور اچھے ہم عمر ساتھی فراہم کرنا' خوشی و غمی کی تقریبات میں شریک کرنا ماں کی ذمے داریوں میں شامل ہے۔ جب بچہ اسکول جانے لگے تو اس کی تعلیمی مصروفیات پر نظر رکھنا' اس کی ہدایت و راہنمائی کرنا بھی ماں کی ذمے داری ہے۔ بچے کے جسم کو توانا و تندرست اور دل و دماغ کو قوی بنانے کا نازک فرض بھی بڑی حد تک ماں پر عائد ہوتا ہے تاکہ وہ بڑا ہو کر عمل کی دنیا میں نہایت عزم و استقامت سے اپنے فرائض انجام دے سکے۔ چار پانچ سال کی عمر میں بچہ آسان اور عام فہم نصیحت کو سمجھنے لگتا ہے۔ جب بچہ اس عمر کو پہنچ جائے تو ماں حسب موقع دل نشیں انداز میں بچے کو اچھی نصیحتوں کے ذریعے اس کے کردار کو سنوارنے کی کوشش کرے۔ اس سلسلے میں دلچسپ کہانیوں اور تاریخی واقعات سے بھی مدد لی جا سکتی ہے۔ تاریخ کی عظیم شخصیتوں کا مطالعہ کیا جائے' تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بہت سی عظیم ہستیوں کو مقام سربلندی ماں کی بہترین تربیت کے نتیجے میں حاصل ہوا۔

دراصل ماں کی گود بچے کی بنیادی تعلیم و تربیت گاہ ہے۔ ماں کی گود وہ مدرسہ ہے جہاں بچہ اپنی آئندہ زندگی کے لیے بنیادی اسباق سیکھتا ہے اور آنے والی زندگی کی سمت سفر کا تعین کرتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے عورت کی ذمہ داریاں بیان کرتے ہوئے فرمایا:

((وَالمَرأَةُ رَاعِيَةٌ فِي بَيتِ زَوجِهَا وَ مَسئُولَةٌ عَن رَعِيَّتِهَا))

"عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگہبان ہے اور اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے۔"[1]

---

[1] صحیح بخاری' کتاب الجمعۃ : باب الجمعۃ فی القریٰ والمدن (ح ۸۹۳) صحیح مسلم' کتاب الامارۃ : باب فضیلۃ الامیر العادل (ح ۱۸۲۹)

عربی کا مشہور شعر ہے:

اَلاُمُّ مَدرَسَةٌ اِذَا اَعدَدَتَهَا
اَعدَدتَ شَعْباً طَيِّبُ الاعرَاقِ

"ماں ایک مدرسہ ہے اگر تم اس کو تیار کرو گے' تو تم ایک پوری بااخلاق قوم کو پیدا کر دو گے۔"

اہل خانہ بچہ جب ہوش سنبھالتا ہے' تو اسے عموماً ماں باپ کے علاوہ کبھی کبھار کچھ دوسرے اجنبی چہرے بھی دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ان چہروں کو وہ اچھی طرح پہچانتا نہیں ہے۔ مگر جب ان سے مانوس ہونے لگتا ہے' تو ان کی حرکتوں کی نقل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ نقل اور تقلید کرنا ہر بچے کا فطری حق ہے۔ جب بچہ اپنے گرد و پیش کے افراد کی باتیں سنتا' ایک دوسرے کے بارے میں ان کے رویے کو دیکھتا ہے تو بچہ ان سے اثر قبول کرتا ہے۔ اگرچہ لوگ یہ تصور کرتے ہیں کہ بچہ ان کی باتوں اور ان کے کاموں کو کیا سمجھے گا مگر اس تصور کے باوجود گھر کے افراد کی اچھائی یا برائی کا اثر بچے پر ضرور پڑتا ہے۔ بھائی' بہن' چچا' چچی' دادا' دادی اور گھر میں آنے والے دوسرے اعزہ و احباب کے اچھے یا برے اخلاق کا عکس بچے کی زندگی پر پڑتا ہے۔ خاص طور پر بچے کی دیکھ بھال کے لیے خوش حال گھرانوں میں جو "آیا" رکھ لی جاتی ہے' اس کے اوصاف بچے کے دل و دماغ پر نقش ہو جاتے ہیں۔ اس لیے "آیا" کے اخلاق پر گہری نظر رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر یہ محسوس کیا جائے کہ "آیا" بلند اخلاق کی حامل نہیں ہے تو اسے فوراً بدل دیا جائے۔ عموماً "آیا" پریشان گھرانوں کی پیداوار ہوتی ہے۔ اس سے کسی بلند کرداری کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ اس لیے بہتر صورت تو یہی ہے کہ ماں از خود بچے کی نگرانی اور اس کی ضرورتوں کی تکمیل کرے تاکہ اُجرت پر "آیا" رکھنے کی ضرورت پیش نہ آئے اور اگر حالات "آیا" رکھنے پر مجبور ہی کر دیں تو "آیا" کے اخلاق پر کڑی نظر رکھی جائے۔

گھر کے افراد اور گھر میں آنے والے اعزہ و احباب اس بات کا خیال رکھیں کہ وہ بچے کے سامنے کوئی ناشائستہ حرکت نہ کریں۔ گھریلو اختلافات اور لڑائی جھگڑے سے بچے

کی آنکھیں اور کان آشنا نہ ہو سکیں- بات بات پر میاں بیوی میں نوک جھونک اور تُو تُو مَیں مَیں سے بچے کی سیرت پر اچھے اثرات نہیں پڑتے-

جب بچہ آنکھ کھولتا ہے تو دیکھتا ہے کہ اس کے پاس لوگ ایک کہرام سا مچائے رکھتے ہیں- کبھی تو سب مل کر کسی ایک کے سر ہو گئے' کبھی آپس میں گتھم گتھا ہو گئے' کبھی شور و ہنگامہ کرنے لگے' کبھی کسی میں کیڑے نکالنے لگے اور کبھی بے بات کی بات لے بیٹھے- چنانچہ بچہ ماں باپ کی احتیاط کے باوجود ان باتوں کا اثر لیتا ہے اور اس میں خرابی جڑ پکڑنے لگتی ہے-

گھر کے دوسرے افراد کی ایک عادت یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ بچے میں کبھی تو بہت دلچسپی لینے لگتے ہیں اور کبھی یک دم اس کو بھول جاتے ہیں- جب بچہ یہ دیکھتا ہے کہ جو لوگ کل تک اس سے خوب گھل مل کر رہتے تھے' آج وہ اس سے دور دور ہیں اور اسے کوئی اہمیت نہیں دے رہے ہیں تو بچہ عجیب سی الجھن میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اس میں مایوسی و افسردہ دلی کے جذبات پروان چڑھنے لگتے ہیں- اگر گھر کا ماحول بہتر ہو تو بچے کی تربیت میں بڑی سہولت ہو گی- جب گھر کے افراد وقت کے پابند ہوں' وقت پر سونا جاگنا' وقت پر کھانا پینا' وقت پر کھیلنا پڑھنا' وقت پر نہانا دھونا' ان کا معمول ہو- جھوٹ' گالم گلوچ' لڑائی جھگڑے کا نام و نشان نہ ہو تو زیر تربیت بچے میں غیرارادی طور پر یہ اوصاف پیدا ہو جائیں گے- دو سال کی عمر سے چار سال کی عمر تک بچہ قریبی ماحول سے بہت کچھ سیکھ لیتا ہے- چھ سات سال تک بچے کو بالکل معصوم سمجھا جاتا ہے- حالانکہ وہ انہیں سالوں میں اپنے مستقبل کی زندگی کی بنیادوں کو استوار کر چکا ہے- اگر پندرہ سال کی عمر تک اس کی معلومات میں اضافہ نہ کیا جائے تو چار پانچ سال کی عمر تک فراہم کردہ معلومات اس کے لیے کافی ہوں گی- چار پانچ سال کی عمر تک بچہ اپنے ماحول سے جو کچھ سیکھتا ہے' آئندہ یہی اس کی عادتیں بن جاتی ہیں- مثلاً: جھوٹ یا سچ' چوری چکاری یا دیانت داری' چڑچڑا پن یا تحمل' افسردہ دلی یا بلند ہمتی وغیرہ-

آپ اپنے بچے کو بہترین گھرانا اور عمدہ ماحول عطا کیجئے جن اعزہ و احباب کے اخلاق

آپ کی نظروں میں مشتبہ ہوں' گھر کے پاکیزہ ماحول کو ان کے زہریلے اثرات سے محفوظ رکھنے کی کوشش کیجئے۔ گھر کے ملازمین پر نظر رکھیے کہ بچے پر ان کی بداخلاقی کا کوئی برا اثر نہ پڑ سکے۔

معاشرہ (سوسائٹی) بچہ جب کچھ بڑا ہوتا ہے اور گھر کے ماحول سے نکل کر باہر کی دنیا میں قدم رکھتا ہے تو اسے نمایاں تبدیلی محسوس ہوتی ہے' یہاں گھر کے چند افراد کے بجائے بڑی تعداد میں لوگ اسے نظر آتے ہیں۔ گھر میں چند بچے اس کے ساتھی تھے مگر گھر سے باہر تو وہ بے شمار ساتھی بنا سکتا ہے۔ گھر میں چند کھلونے اسے میسر تھے۔ مگر اب تو طرح طرح کے کھلونے اور کھیل اس کی نظروں کے سامنے ہیں۔ یہ دلچسپ تبدیلی اس کو بہت بھاتی ہے' وہ گھر کے تنگ و محدود ماحول کے بجائے اس کشادہ دلچسپ ماحول میں محو ہو جاتا ہے۔ یہی وہ نازک مرحلہ ہے جہاں بچہ غلط معاشرے کا شکار ہو سکتا ہے۔

معاشرے کا اثر بچے کی زندگی پر بہت گہرا اور دیرپا ہوتا ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا کہ عموماً انسان معاشرے ہی کی پیداوار ہوتا ہے' ایسے بہت کم لوگ ملتے ہیں جو اپنے معاشرے سے بلند ہو کر فکر و عمل کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ عام طور پر معاشرے کا جو رنگ ہوتا ہے افراد بھی شعوری و غیر شعوری طور پر اسی رنگ میں رنگ جاتے ہیں۔

آج ہمارے معاشرے میں بہت سے عناصر سرگرم عمل ہیں' سیاسی تنظیمیں' اصلاحی انجمنیں' مذہبی جماعتیں' فلاحی ادارے' تفریحی کلب' لائبریریاں' کتب خانے' صحافت' پریس' سینما' تھیٹر' ریڈیو ٹی وی' اور مختلف قسم کے میلے اور نمائش گاہیں وغیرہ اور یہ عناصر سماج کے افراد پر اپنے اچھے یا برے اثرات ڈالتے رہتے ہیں۔ بڑوں کی طرح بچوں پر بھی یہ عناصر اپنے نقش ثبت کرتے ہیں' اگر یہ عناصر تعمیری بنیادوں پر سرگرم عمل ہوں تو بچوں کی سیرت و کردار کو سنوارنے اور ان کی بہترین نشوونما میں معاون ثابت ہوتے ہیں اور اگر یہ عناصر تخریبی بنیادوں پر سرگرم عمل ہوں تو بچوں کے فکر و ذہن کو تباہ کر کے

رکھ دیتے ہیں۔

بچوں کی تربیت کے تناظر میں معاشرے کے سلسلے میں ہماری دو ذمے داریاں قرار پاتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ معاشرے کے صالح اور پاکیزہ عناصر سے بچوں کو بھرپور استفادے کا موقع دینا چاہیے اور تخریبی عناصر سے انہیں دور رکھنا چاہیے۔ اور دوسری یہ کہ ہمیں تعمیری عناصر سے تعاون کرنا چاہیے تاکہ وہ ترقی کر سکیں اور برے عناصر کے خلاف رائے عامہ کو ہموار کرنا چاہیے تاکہ برے عناصر طاقت ور ہو کر معاشرے کو نہ بگاڑ سکیں۔

جب بچہ گھر کے ماحول سے باہر کی دنیا میں قدم رکھتا ہے تو اس کے کردار پر سب سے زیادہ اثر اپنے ہم عمر ساتھیوں کا پڑتا ہے۔ ساتھیوں کی ذہنیت اور پسندیدگی و ناپسندیدگی کا معیار ان کے رجحانات و میلانات بچے پر ضرور اثر ڈالتے ہیں۔ اپنے ہم عمروں ہی سے بچہ مختلف عادات و اطوار سیکھتا ہے اور جب بچہ یہ دیکھتا ہے کہ اس کا ایک ساتھی جھوٹ بول کر استاد کی سزا سے بچ گیا ہے' تو آخر وہ کیوں نہ جھوٹ بولے...... ؟

آپ اپنے بچے کے ہم عمروں پر گہری نظر رکھیے اور کوشش کیجئے کہ آپ کا بچہ صاف ستھرے اور مہذب بچوں کو اپنا ساتھی بنائے' گندے اور بد اخلاق بچوں سے دور رہے۔ کبھی کبھی ہم جولیوں کو کھانے پر مدعو کیجئے۔ اس سے آپ کو انہیں سمجھنے میں سہولت ہو گی۔ آپ انہیں مناسب ہدایات بھی دے سکتے ہیں اور آپ کے بچے سے ان کے تعلقات میں خوش گواری و استحکام بھی پیدا ہو گا۔

نبی کریم ﷺ نے ہم عمر ساتھی کی صحبت سے پڑنے والے اثرات کو بڑے دل نشیں انداز میں بیان فرمایا:

> "اچھا ساتھی مشک بیچنے والے کے مانند ہے۔ وہ تمہیں یا تو تحفے میں کچھ مشک دے گا یا تم اس سے مشک خرید لو گے اور کچھ بھی نہ سہی تو عمدہ خوش بو تمہیں ضرور میسر آ جائے گی۔" (جبکہ) برا ساتھی بھٹی دھونکنے والے کے مانند ہے۔ جب تم اس کے پاس بیٹھو گے تو بھٹی کی کوئی نہ کوئی چنگاری تمہارے کپڑے پر گر کر اسے جلا دے گی۔ یا کم از کم تمہیں بدبو سے دو چار ہونا پڑے

گا۔" [1]

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَلمَرءُ عَلَى دِينِ خَلِيلِهِ فَليَنظُر اَحَدُكُم مَن يُخَالِلُ))

"آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے تو اسے غور کرنا چاہیے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔" [2]

آپ ﷺ نے دوٹوک الفاظ میں متنبہ فرمایا:

((اِيَّاكَ وَ قَرِينَ السُّوءِ فَاِنَّكَ بِهِ تُعرَفُ))

"تم برے ساتھی سے بچو کیونکہ تم بھی اس کے ساتھ پہچانے جاؤ گے۔" [3]

تعلیمی نظام بچے کی تربیت اور نشوونما پر تعلیمی نظام کا بڑا اثر پڑتا ہے' بچے کی کردار سازی میں وہ تعلیمی نظام اہم رول ادا کرتا ہے' جس سے بچے کو سابقہ پڑتا ہے' بچے کی تربیت کے سلسلے میں تعلیم ایک اہم موضوع ہے اور اس پر قدرے تفصیل سے روشنی ڈالنے کی ضرورت ہے۔

ہر دور میں تعلیم کی اہمیت کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اسلام نے بھی تعلیم و تعلم پر بڑا زور دیا ہے۔ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے کہ "علم رکھنے والے اور علم نہ رکھنے والے برابر نہیں ہو سکتے۔" نبی کریم ﷺ کا مشہور ارشاد ہے:

((طَلَبُ العِلمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسلِمٍ))

"علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔" [4]

---

[1] صحیح بخاری' کتاب الذبائح : باب المسک (ح ۵۵۳۴) صحیح مسلم' کتاب البروالصلۃ : باب استحباب مجالسۃ الصالحین (ح ۲۶۲۸)

[2] سنن ابوداؤد' کتاب الادب : باب من یؤمران یجالس (ح ۴۸۳۳) سنن ترمذی' کتاب الزھد : باب (۴۵) حدیث الرجل علی دین خلیلہ (ح ۲۳۷۸)

[3] ابن عساکر (۲۹۲/۴)

[4] سنن ابن ماجہ' المقدمۃ : باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم (ح ۲۲۴)

تعلیم کی اس سے بڑی فضیلت اور کیا ہو سکتی ہے کہ خود نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا))

''مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔''[1]

آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص طلب علم کے لیے نکلتا ہے فرشتے اس کے لیے اپنے پروں کو پھیلا دیتے ہیں۔''[2]

تعلیم و تعلم کی فضیلت و اہمیت کے سلسلے میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ اور قرآن میں بھی بار بار علم و شعور اور تدبر و تفکر کی تلقین کی گئی ہے' مگر افسوس کہ جس دین نے تعلیم کو اس قدر اہمیت دی ہے' جس دین کا آغاز ہی لفظ ﴿ اقْرَاْ ﴾ (پڑھ) کے حکم سے ہوا' اسی دین کے پیرو آج علم کی دنیا میں سب سے پیچھے نظر آتے ہیں۔ ان کے بچے جہالت و غفلت کا شکار ہیں۔ اسلامی تعلیمات اور عصر حاضر کا تقاضا ہے کہ مسلمان بچے علم و فن اور تہذیب و ثقافت کے میدان میں آگے آئیں۔ ورنہ پس ماندگی ان کا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔ کسی بھی قوم کی ترقی کے لیے علم کے ہتھیاروں سے لیس ہونا ضروری ہے۔ مسلمان اس وقت تک ترقی کی منزلیں طے کرتے رہے' جب تک انہوں نے علم کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رکھا' مگر جب انہوں نے علوم و فنون کے حصول میں کوتاہی برتی تو ذلت و پسماندگی ان کا مقدر بن گئی۔

تعلیم کا مقصد

علم کی اہمیت واضح ہو جانے کے بعد تعلیم کے مقصد کی تعیین ضروری ہے۔ تعلیم کی غرض و غایت میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ دور حاضر میں عموماً والدین اپنے بچوں کو معاش کی خاطر تعلیم دلاتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ تعلیم سے بہت سے ضمنی اور معاشی فوائد بھی حاصل ہو جاتے ہیں۔ لیکن تعلیم کو صرف حصول معاش کے

---

[1] سنن ابن ماجہ' حوالہ سابق (ح ۲۲۹)

[2] سنن ابوداوَد' کتاب العلم : باب فی فضل العلم (ح ۳۶۴۱) سنن ترمذی' کتاب العلم : باب ماجاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ (ح ۲۶۸۲) ابن ماجہ' حوالہ سابق (ح ۲۲۳)

پیش نظر حاصل کرنے سے بچہ "معاشی حیوان" تو بن سکتا ہے مگر "سچا انسان" نہیں بن سکتا۔ آدمی کو اگر زیادہ پڑھنے لکھنے کا شوق ہو اور وہ معاش سے بالاتر ہو کر حصول علم میں مصروف رہے تو عموماً اس کا مقصد اپنی تعلیمی قابلیت میں اضافہ کرنا ہوتا ہے۔ یہ مقصد قابل ستائش ہو سکتا ہے، مگر شخصیت کے دوسرے پہلوؤں کو یکسر نظرانداز کر دینا یا انہیں علمیت پر قربان کر دینا بھی نہایت خطرناک ہے۔

تعلیم کا ایک مقصد یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ انسان کو سماج کا سچا خادم اور مملکت کا اچھا شہری بنایا جائے تاکہ وہ معاشرے کو برے نتائج سے بچا کر اس کی فلاح کے لیے سرگرم عمل رہ سکے۔ شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو توازن کے ساتھ سنوارنا بھی تعلیم کا مقصد بتایا جاتا ہے تاکہ انسان اپنا دفاع بھی کر سکے اور سماج کے تقاضوں کو بھی پورا کر سکے۔

تعلیم کا ایک مقصد محض جسمانی صحت کے ساتھ ساتھ صحت مند دل و دماغ کی نشوونما بھی ہے مگر ان میں سے کسی بھی مقصد کو مکمل مقصد قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ مفید ضرور ہے مگر اس میں کوئی نہ کوئی نقص بھی موجود ہے۔ صحیح اور مکمل مقصد کو ہم ایک جملہ میں یوں ادا کر سکتے ہیں: "انسان کو اللہ تعالیٰ کی زمین پر اللہ تعالیٰ کے بندے کی طرح زندگی گزارنا آ جائے۔" یعنی یہ کہ بچے کی فطری صلاحیتوں کو اجاگر کر کے ان کو صحیح رخ پر ڈالنا، انہیں جسمانی، ذہنی و اخلاقی لحاظ سے اس لائق بنانا کہ اللہ کا بندہ ہونے کے ناطے ان پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان کو کما حقہ ادا کر سکیں۔ اپنے بچوں کی تعلیم کے سلسلے میں اس جامع اور بنیادی مقصد کو پیش نظر رکھیے اور اپنے بچے کو ایسی تعلیم گاہ میں بھیجئے جہاں اس مقصد اور جذبے کے تحت تعلیم و تربیت کا بندوبست ہو۔

بچوں کی تعلیم کا آغاز کیسے کریں؟

اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے بچے اعلیٰ مقام و مرتبہ حاصل کریں تو اپنی اولاد کو علم کی

دولت سے نوازیں۔ اپنے نونہالوں کی تعلیم کا آغاز قرآن حکیم سے کریں۔ ہمارے ملک میں حصول تعلیم کا طریقہ دو طرح کا ہے' ایک تو گورنمنٹ کے تحت سکول' کالج' اور یونیورسٹیاں ہیں' دوسرا یہ کہ ہمارے دین سے محبت رکھنے والے افراد مل جل کر دینی اداروں اور مساجد میں بچوں کی تعلیم کا انتظام کرتے ہیں۔ ان دونوں اطراف سے ایسے افراد تیار نہیں ہوتے جو ہمارے حالات کو ایک اسلامی معاشرے میں تبدیل کرنے میں کوئی کردار ادا کر سکیں۔ اس لئے کہ جو پرائیویٹ دینی ادارے ہیں۔ ان میں دنیاوی تعلیم کا فقدان ہے کہ جس سے معاشرے میں اعلیٰ کردار ادا کیا جا سکتا ہے اور ایک وقتی ضرورت بھی ہے۔ اس سے انکار نہیں کہ ہمارے معاشرے میں جو دینی جھلک نظر آتی ہے وہ انہیں اداروں کی انتھک اور قابل تحسین کوششوں کا نتیجہ ہے اور جو گورنمنٹ کے ادارے ہیں ان میں دنیاوی تعلیم پر تو بہت توجہ دی جاتی ہے لیکن دینی تعلیم نہ ہونے کے برابر ہے۔ ہماری دنیاوی تعلیم میں وہی پرانا انگریز کا طریقہ تعلیم حاوی و فائق ہے۔ معاشرتی طور پر ہمیں اس تعلیم سے وابستگی کرنی پڑتی ہے اس لئے کہ گورنمنٹ کی ملازمتیں اور بڑی بڑی پوسٹیں اسی تعلیم کی مرہون منت بنا دی گئی ہیں اور اپنے معصوم بچوں کو جو ابھی اچھی طرح بولنا بھی نہیں جانتے اسی غیر اسلامی نصاب تعلیم کے سپرد کر دیتے ہیں۔ اس کے برعکس دینی تعلیم کے لیے ہمارے پاس اتنا وقت بھی نہیں ہوتا کہ ہم صبح و شام اپنے بچوں کو مساجد میں بھیج سکیں۔ یہی مساجد تو ہماری اور ہمارے بچوں کی دینی تربیت کے لیے مراکز کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ہم ان پاکیزہ مقامات پر اپنے بچوں کو بھیجنا بھی گوارہ نہیں کرتے بلکہ قرآن پاک کے محض حروف کی شناخت کے لیے کسی مولوی یا قاری صاحب کا گھر پر ہی انتظام کر لیتے ہیں۔ جو اپنی دنیاوی غرض کے لئے چند منٹ ڈیوٹی ادا کر کے چلتے بنتے ہیں۔ دینی تربیت ان کے نصاب تعلیم میں بھی شامل نہیں ہوتی۔

ہم مسلمان ہیں۔ ہمارا ملک اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا ہے۔ ہماری حکومت کو چاہیے کہ اس امتیاز کو ختم کرے جس طرح دنیاوی تعلیم پر توجہ ہے اس طرح دینی تعلیم بھی سکولوں اور کالجوں میں اس طریقہ سے جاری کریں کہ جب بچے پرائمری تک پہنچیں

تو کم از کم ناظرہ قرآن پاک تو پڑھ لیں اور مڈل تک ترجمہ بمعہ گرائمر اور ایم اے تک تفسیر و حدیث کا علم سکھایا جائے۔ اگر حکومت یہ تبدیلی نہیں کرتی تو ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے بچوں کو بچپن میں ہی دین کے ساتھ اس طرح وابستہ کریں کہ جب وہ دنیاوی تعلیمی اداروں کا رخ کریں تو ان پر سیکولر اور غیر اسلامی نصاب تعلیم اثر انداز نہ ہو۔ ان کو اسلامی تربیت اس حد تک دیں کہ ان کے شب و روز کے معمولات اسلامی طریقہ پر ہوں اور ان پر عمل کرنا ان کی زندگی کا معمول بن چکا ہو۔ یہ ضرور ہے کہ یہ محنت طلب کام ہے۔ قرون اولیٰ سے لے کر آج تک اس کی مثالیں موجود ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ نو برس کی عمر میں قرآن پاک کے حافظ تھے۔ اسی طرح شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ سات سال میں قرآن کے حافظ تھے۔ اس دور کی مشہور شخصیت علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید رحمہ اللہ نو برس کی عمر میں قرآن کے حافظ تھے۔ انہوں نے اپنی شہادت سے چند روز قبل روزنامہ نوائے وقت کو انٹر ویو دیتے ہوئے کہا تھا کہ: ”میں نے اتنی چھوٹی عمر میں نماز تراویح پڑھائی۔ رمضان المبارک کے مہینہ میں مکمل قرآن (تراویح میں) سنایا تھا۔“ انہوں نے اس تعلیم کے ساتھ ساتھ دنیا کے اور دیگر علوم بھی سیکھے تھے بلکہ ایم اے کی چھ ڈگریاں بھی حاصل کی تھیں۔ باقی تمام علوم انگریزی فلسفہ سیاسیات سے زیادہ رنگ قرآن و حدیث کا ہی غالب تھا۔ یہ ان کے والدین کی بہترین تربیت کا ہی نتیجہ تھا۔

ہماری اپنی اولاد کے ساتھ وابستگی ہو گی تو ہم اولاد کو اسلامی تعلیم دیں گے۔ اگر ہم کسی وجہ سے اس رحمت و سعادت سے کچھ پیچھے رہ گئے ہیں تو ہمیں اس نقصان کی تلافی اپنی اولادوں میں کر لینی چاہیے۔ کوشش کے ساتھ ان کے لئے دینی تربیت کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اس نعمت کے حصول کی وجہ سے جہاں ان کو مرتبہ و مقام حاصل ہو گا آپ بھی اس میں برابر کے شریک ہوں گے۔

ہمیں چاہئے کہ ہم بچوں کو چھوٹی عمر میں ہی دین سکھانے کے لئے ان پر محنت کریں۔ تاکہ وہ بڑے ہو کر ایک بہترین انسان بن کر اپنی زندگی احسن اور مثالی انداز میں گزاریں۔ اس حقیقت کو ایک شاعر نے اپنے الفاظ میں یوں بیان کیا ہے:

قَدْ يَنْفَعُ الادَبُ الْاَوْلَادَ فِي الصِغْرِ
وَلَيْسَ يَنْفَعُهُمْ مِنْ بَعْدِهِ اَدَبُ
اِنَّ الْغُصُوْنَ اِذَا عَدَلْتَهَا اِعْتَدَلَتْ
وَلَا يَلِيْنُ وَلَوْ لَيَّنْتَهُ الْخَشَبُ

”بچوں کو چھوٹی عمر میں ادب سکھانا فائدہ مند ہے‘ اس کے بعد ان کو ادب سکھانے کا فائدہ نہیں‘ جس طرح آپ نرم شاخ کو جب چاہیں سیدھی کر لیں اگر وہ بڑی لکڑی ہو تو نرم کرنے سے نرم نہیں ہوتی۔“

بچپن کی عمر ہی ان کی تربیت کا بہترین موقع ہوتا ہے کیونکہ صاف شفاف کپڑے کی طرح ان کے ذہن خالی ہوتے ہیں۔ صاف کپڑا ہر رنگ کو قبول کرتا ہے۔ رنگین کپڑے کو رنگنا دشوار ہوتا ہے۔ یہی کیفیت بچوں کی تربیت کی ہے۔ والد کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بچے کی اسلامی آداب پر مشتمل ایسی نیک تربیت کرے اسی طرح والدہ کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ بچے کے والد سے ایسے نیک کام میں معاونت کرے تاکہ دونوں باہم مل کر اس ذمہ داری کو بخوبی سرانجام دے سکیں۔ اگر کسی مجبوری کی بنا پر یہ ذمہ داری اکیلی والدہ کو ادا کرنی پڑے تو وہ اس میں کوتاہی نہ کرے۔ قرون اولیٰ میں ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ بچوں کی ماؤں نے ان کی ایسی تربیت کی کہ جس کی مثالیں آج کے مردوں میں بھی نہیں پائی جاتیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور اسی طرح امام ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم کی مائیں مبارک باد کی مستحق ہیں۔

امام ربیعہؒ کی والدہ کی تربیت

آج کے دور کی مسلمان والدہ کی راہنمائی کے لئے برسوں پہلے کی ایک نیک خاتون کا ایک ایسا واقعہ پیش خدمت ہے جس نے اپنے خاوند کی عدم موجودگی میں اپنے بچے کی ایسی تعلیم و تربیت کی جس کے نتیجہ میں اس کے مشہور ہونہار فرزند نے وقت کے مشہور محدث امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ہونے کا شرف حاصل کیا۔

جناب ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منورہ کے ایک عالی مرتبت فقیہہ اور ممتاز محدث تھے۔ ان

کے والد گرامی جن کا نام ابو عبدالرحمٰن فروخ تھا- وہ ایک دولت مند مجاہد تھے- خلافت بنو امیہ میں وہ جہاد کرنے والے ایک اسلامی لشکر میں شریک تھے- ربیعہ ابھی اپنی ماں کے پیٹ میں ہی تھے کہ دمشق کے خلیفہ وقت نے عبدالرحمٰن فروخ کو خراسان کی طرف ایک فوجی دستہ کے ساتھ ایک جہادی مہم پر روانہ کیا- فروخ نے اپنی بیوی کو تیس ہزار اشرفیوں کی ایک تھیلی دی اور اپنی مہم پر جہاد کے لئے روانہ ہو گئے- اتفاقاً جنگوں کا سلسلہ طویل سے طویل ہو تا گیا- اور فتوحات اسلامی کا حلقہ اس طرح وسیع ہو تا گیا کہ فروخ کو ۲۷ برس تک وطن واپس آنے کی مہلت نہ ملی- طویل عرصہ کے بعد اس شان سے واپس تشریف لائے کہ گھوڑے پر سوار ...... ہاتھ میں نیزہ ...... اور کمر پر تلوار لٹکائی ہوئی تھی- اپنے دروازہ پر پہنچ کر نیزہ کی انی سے دروازہ کھٹکھٹایا- ربیعہ نے دروازہ کھولا- جناب فروخ بے دھڑک گھر میں داخل ہونے لگے تو ربیعہ نے روک دیا- اس لئے کہ باپ بیٹے کی ملاقات نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی تعارف تھا- جس کی وجہ سے ربیعہ نے کہا: ”اے رب کے دشمن! تو اجنبی گھر میں بلا اجازت کیوں داخل ہو رہا ہے؟“ فروخ نے فوجی انداز اور لب ولہجہ میں طیش میں جواباً کہا: ”یہ گھر میرا ہے“

يَا عَدُوَّ اللّٰهِ! اَنْتَ دَخَلْتَ عَلٰى حَرَمِي

”اے اللہ کے دشمن! تو میری بیوی کے پاس کہاں سے آگیا؟“

جب باپ بیٹے کی لڑائی طول پکڑ گئی تو آوازیں سن کر اردگرد کے لوگ جمع ہو گئے- امام مالک رحمہ اللہ جو ربیعہ رحمہ اللہ کے شاگرد تھے- جب انہیں ربیعہ کے تنازعے کی خبر پہنچی تو وہ بھی استاد کا معاملہ سمجھ کر جلدی سے حاضر ہوئے اور اس اجنبی آدمی کو مشورہ دیا کہ ”بڑے میاں! آپ کسی اور مکان میں ٹھہریں ہم ابھی معاملہ طے کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن وہ نہ مانے اور غصے کی حالت میں بار بار یہی کہہ رہے تھے ”تم مجرم ہو میری عدم موجودگی میں میرے گھر میں داخل ہوئے ہو‘ میں تمہیں عدالت میں لے جاؤں گا عدالت ہی اس کا فیصلہ کرے گی‘ یہ عزت کا معاملہ ہے محلے میں حل نہیں ہو گا‘ معلوم ہوتا ہے تیرے میری بیوی سے ناجائز مراسم ہیں‘ میں تجھے کبھی معاف نہیں کروں گا-“ معاملہ اتنا

پیچیدہ ہو گیا کہ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ آخرکار امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا: ''بزرگوار! آپ کا نام کیا ہے؟'' تو اس مجاہد نے جواب دیا: ''میرا نام فروخ ابوعبدالرحمٰن ہے' میں مدینہ کا رہنے والا ہوں' یہ گھر میرا ہے' میں جہاد کے لئے گیا تھا' عرصہ دراز کے بعد اب واپس آیا ہوں' یہ نوجوان میرا دشمن ہے' اس نے میری عزت مجروح کی ہے' میں اسے معاف نہیں کروں گا۔'' .... ابھی فروخ کی بات ختم نہیں ہوئی تھی کہ گھر کے اندر سے آواز آئی: ''فروخ میرا خاوند ہے' اس کو اندر آنے دو۔'' جب وہ گھر تشریف لے گئے تو اس عورت نے سب کو آگاہ کر دیا کہ میرا شوہر جب سفر جہاد پر روانہ ہوا تھا تو اس وقت ربیعہ میرے شکم میں تھا' ۲۷ برس کے طویل عرصہ کے بعد جب وہ تشریف لائے ہیں تو ان کو اس نوجوان کا کیا علم اور نہ ہی اس نوجوان کو علم ہے کہ یہ بوڑھے مجاہد میرے والد ماجد ہیں۔ دونوں عدم علم کی بنا پر اس رشتہ سے ناواقف ہیں۔'' علم ہونے کے بعد باپ بیٹا ایک دوسرے کے گلے لگے اور دونوں کی آنکھیں آنسوؤں سے پرنم تھیں۔ جوش محبت کی حرارت جب رونے سے کم ہوئی تو فروخ نے اپنی بیوی کو اپنے سفر جہاد کی داستان سنائی اور ساتھ ہی ان ۳۰ ہزار اشرفیوں کے بارہ میں استفسار کیا کہ وہ کہاں ہیں؟ (کہ جو میں ۲۷ برس قبل تجھے دے کر جہاد پر گیا تھا)

اس معیاری اور نیک خاتون نے جواب دیا: ''وہ نہایت حفاظت سے رکھی ہوئی ہیں۔ آپ سفر سے تھکے ہوئے آئے ہیں۔ رات کا وقت ہے آرام فرمائیں۔ ان شاء اللہ صبح ان کا حساب دوں گی۔'' میاں بیوی نے ایک دوسرے کو سلامت دیکھ کر رات نہایت خوشی میں بسر کی۔ مسجد نبوی سے جب صبح کی اذان کی صدائے دلنواز گونجی تو ربیعہ حسب معمول مسجد میں تشریف لے گئے۔ نیک بیوی نے اپنے خاوند (فروخ) کو مؤدبانہ عرض کی: ''آپ اگرچہ سفر کے تھکے ہوئے ہیں لیکن اٹھیں نماز فجر کا وقت ہو چکا ہے' مسجد میں تشریف لے جائیں اور باجماعت نماز ادا کریں۔'' چنانچہ فروخ اٹھے اور مسجد میں تشریف لے گئے اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کی۔ نماز سے فراغت کے بعد ربیعہ اپنی مسند پر تشریف لائے۔ مدینہ کے بڑے بڑے شہرہ آفاق مشائخ اور نامور اہل علم امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور حسن

بصری رحمہ اللہ جیسے بزرگ حلقہ درس میں شریک تھے۔ تمام مسجد شاگردوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ فروخ بھی پچھلی صفوں میں بیٹھے دیکھ رہے تھے۔ ربیعہ نے دوران درس سارا وقت اپنی نگاہوں کو نیچے (زمین کی طرف) جمائے رکھا اور کپڑے سے اپنے چہرے کو ڈھانپے رکھا۔ تاکہ ان کا والد ان کو نہ پہچان سکے۔ فروخ حسرت بھری نگاہوں سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ ایک نوجوان درس حدیث دے رہا ہے اور شاگردوں کا جم غفیر اس کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اس کے علمی فیوض سے مستفید ہو رہا ہے۔ شوق و حسرت سے کافی دیر دیکھنے کے بعد قریبی ساتھیوں سے پوچھا: "کون خوش نصیب ہے جس کا لخت جگر اس جوانی کی عمر میں اتنے عالی رتبے پر فائز ہے۔" تو ساتھیوں نے جواباً بتایا: "یہ لڑکا ربیعہ ہے جو ابو عبدالرحمٰن فروخ کا بیٹا ہے۔" فروخ کی دلی کیفیت کا اندازہ اس وقت اللہ تعالیٰ عالم الغیب کے سوا کون جان سکتا تھا۔ خوشی خوشی گھر تشریف لائے۔ اپنی مثالی زوجہ سے فرط مسرت میں بے خود ہو کر بے ساختہ پکار اٹھے:

"لَقَدْ رَأَيْتُ وَلَدَكِ عَلَى حَالَةٍ مَا رَأَيْتُ اَحَدًا مِنْ اَهْلِ الْعِلْمِ وَالْفِقْهِ عَلَيْهَا"

"میں نے آپ کے بچے کو جس طرح درس حدیث میں ماہر پایا آج تک اس شان کا عالم اور فقیہہ نہیں دیکھا۔"

عقل مند بیوی نے موقع غنیمت سمجھ کر تیس ہزار اشرفیوں کا حساب دینا چاہا۔ پوچھا: "آپ کو اشرفیاں اچھی ہیں یا بچے کی یہ تربیت۔" تو فروخ نے جواب دیا: "اللہ کی قسم! اشرفیاں تو اس کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔" تو بیوی نے حقیقت حال سے آگاہی کے لئے کہا: "اَنْفَقْتُ الْمَالَ كُلَّهُ عَلَيْهِ" میں نے سارے کا سارا مال اس بچے کی تعلیم و تربیت پر خرچ کر دیا ہے۔" سعادت مند باپ نے کہا: "اللہ کی قسم! تو نے مال ضائع نہیں کیا۔"

آپ اندازہ لگائیں ایک عورت جو ہر انداز سے کمزور ہوتی ہے۔ پھر خاوند کا سہارا بھی موجود نہیں۔ اپنی سب دنیاوی خواہشات کو بالائے طاق رکھ کر آخرت کی بہتری کے لئے اپنے ہونہار کو اس طرح تعلیم کے زیور سے آراستہ کرتی ہے کہ جس کی نظیر آج کے

آسودہ حال مرد بھی پیش نہیں کر سکتے۔ ایسی مائیں ہی بہترین قومیں تیار کرتی ہیں۔[1]

تاریخ اسلام کا یہ منفرد واقعہ ان خواتین کے لئے مشعل راہ اور قابل تقلید مثال ہے۔ کہ جن کے خاوند حصول روز گار کے لئے اور دولت کمانے کے لئے مشرق وسطیٰ یا دیگر بیرونی ممالک میں جاتے ہیں اور پیچھے بچوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت کی ذمہ داری ان کی بیویوں پر عائد ہوتی ہے۔ وہ اپنے بچوں کی پرورش و تربیت اس واقعہ کی روشنی میں کریں۔

معیاری درس گاہ کی خصوصیات

اپنے بچوں کو معیاری تعلیم گاہ میں تعلیم دلایئے' معیاری درس گاہ کی سب سے پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے سامنے تعلیم کا پاکیزہ اور بلند مقصد ہو' وہاں کے کارکن مخلص اور صاف ستھرے کردار کے حامل ہوں' درس گاہ کا ماحول تعلیمی نقطہ نظر سے موزوں اور مناسب ہو۔ اس کا محل وقوع آبادی اور صحت کے لحاظ سے بہتر ہو۔ موسمی تغیرات اور آب و ہوا کے نقطہ نظر سے خوش گوار ہو۔ معیاری درس گاہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہاں تعلیم کے ساتھ تربیت پر بھی توجہ دی جاتی ہو اور بچوں کی خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار کر کے انہیں پروان چڑھانے کی سعی کی جاتی ہو اور اس کی خاطر وہاں نقشے' گلوب' چارٹ' ماڈل' کھیل' ڈرل' فرسٹ ایڈ' پی ٹی' لائبریری اور انجمن وغیرہ کا بھی اہتمام ہو۔

معیاری درس گاہ کی ایک خوبی یہ بھی ہونی چاہیے کہ وہاں نظم و ضبط (ڈسپلن) ہو' اساتذہ و طلبہ ڈسپلن کے پابند ہوں' باہمی رقابت وگروہ بندی سے درس گاہ کی فضا پاک و صاف ہو' اساتذہ و طلبہ کے تعلقات نہایت خوش گوار ہوں' درس گاہ کو سرپرستوں کا تعاون حاصل ہو اور درس گاہ کی انتظامیہ میں فکری و مزاجی ہم آہنگی بھی ہو۔

معیاری درس گاہ کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس کا نصاب تعلیم بچوں کی عمر اور نفسیات سے مطابقت رکھتا ہو' نصاب میں مخرب اخلاق مواد بالکل نہ ہو' بچوں کے کردار

---

[1] تاریخ بغداد ج ۸ / ص ۴۲۱' بحوالہ احسن الاقوال۔ فی تربیۃ الاطفال

کی تعمیر کا پاس و لحاظ رکھ کر نصاب تیار کیا گیا ہو اور اپنے اندر کافی حد تک دین و دنیا کا امتزاج رکھتا ہو۔

معیاری درس گاہ کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کے اساتذہ علمی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ اعلیٰ کردار کے مالک ہوں' وہ صرف ملازمت کے نقطہ نظر سے چند گھنٹے درس گاہ میں نہ گزارتے ہوں بلکہ اپنے شاگردوں کے کردار کی تعمیر کی فکر انہیں ہر وقت دامن گیر رہتی ہو' وہ طلبہ میں مختلف صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کے لیے بے چین رہتے ہوں' وہ طلبہ کی نفسیات سے واقف ہوں' ان کے مسائل کو سمجھنے اور انہیں حل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔

معیاری درس گاہ کی ایک خوبی یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ تعلیمی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ اہم نصابی سرگرمیاں بھی جاری رکھتی ہو تا کہ طلبہ کی صرف معلومات میں اضافہ نہ ہو بلکہ ان کے اندر تنظیمی اور دوسری صلاحیتیں اور خوبیاں بھی اجاگر ہو سکیں۔

معیاری درس گاہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کا سربراہ ہر اعتبار سے فائق ہو' اس کی علمی و فکری سطح بہت بلند ہو' بچوں کی تعلیم و تربیت کا اسے نظری و عملی گہرا علم و تجربہ ہو' وہ طلبہ و اساتذہ کے مسائل پر خلوص و سنجیدگی سے غور کرتا ہو اور ان سے خوش اسلوبی کے ساتھ نبٹنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہو۔ (وہ درس گاہ کو محض ذریعہ تجارت اور بزنس سمجھ کر نہ چلا رہا ہو)

مضامین کا انتخاب

بچے کی صحیح تعلیم و تربیت کے لیے مناسب مضامین کا انتخاب اور مضامین کی موزوں ترتیب کا پاس و لحاظ بہت ضروری ہے اگر درس گاہ میں داخل کرتے ہی بچے پر کئی مضامین کا بوجھ ڈال دیا جائے اور اسے ان مضامین کی تعلیم پر مجبور کیا جائے' جس کے لیے اس کے اندر طبعی صلاحیت موجود نہ ہو تو وہ پھسڈی ہو جاتا ہے۔ اسے پڑھائی سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی' وہ یا تو درجے میں خاموش بیٹھا رہتا ہے یا عجیب و غریب شرارتیں کرنے لگتا ہے اور اسے جب اپنی شرارتوں یا پڑھائی سے جی چرانے پر سزا ملتی ہے تو وہ درس گاہ سے فرار ہو جانے اور اساتذہ و

سرپرستوں کو چکمہ دینے میں عافیت سمجھتا ہے۔ آخرکار وہ تعلیم سے نفرت کرنے لگتا ہے اور پھر درس گاہ کے اوقات میں بھی شہر کے بازار' محلے کی گندی گلیاں اور غیر آباد علاقے اس کی تفریح گاہیں بن جاتی ہیں اور اوباش لڑکوں کے ساتھ رہنا شروع کر دیتا ہے اور اس طرح اس کا مستقبل تباہ ہو کر رہ جاتا ہے۔

یہی صورت حال اس وقت پیش آتی ہے جب آسان سے مشکل کی طرف لے چلنے کے بجائے اسے مشکل سے مشکل کی طرف لے چلنے پر مجبور کیا جاتا ہے اور مضامین میں کسی ترتیب کا پاس ولحاظ نہیں کیا جاتا۔ ابتدا ہی میں اس پر کسی ایسے مضمون کو تھوپ دیا جاتا ہے جو اس کی عمر اور ذہنی صلاحیت سے باہر ہوتا ہے۔

درس گاہ میں ایک ایسا نازک وقت بھی آتا ہے' جب بچے کو کئی اختیاری مضامین میں سے ایک یا دو مضامین کا انتخاب کرنا ہوتا ہے' یہ بڑا ہی نازک' حساس اور پیچیدہ موڑ ہوتا ہے' ایسے موقع پر بچے کے طبعی میلان اور پسند کو ضرور ملحوظ رکھا جائے اگر بچے کو اس کی پسند کے برخلاف مضامین دے دیے جائیں گے تو اس کی جذباتی زندگی میں بڑی دشواریاں پیدا ہو سکتی ہیں اور آئندہ علمی و فنی میدان میں بہت سے نقصانات کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ اختیاری مضامین کے انتخاب میں بچے کے رجحان و میلان کو ضرور پیش نظر رکھنا چاہیے۔

جب بچوں کو اپنی پسند کے مضامین مل جاتے ہیں تو وہ پڑھائی میں قدرتی طور پر دلچسپی لینے لگتے ہیں۔ درجے میں اپنا مقام پیدا کر لیتے ہیں' اساتذہ کی نظروں میں پسندیدہ قرار پاتے ہیں۔ تعلیم میں دلچسپی لینے کی وجہ سے وہ اپنے کو گلی اور بازار کی بری صحبت سے بھی بچائے رکھتے ہیں۔ نتیجہ کے طور پر آئندہ زندگی میں وہ معاشرے کے مفید رکن بن جاتے ہیں۔

مضامین کے انتخاب کے سلسلے میں ہمارے طلبہ کو بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ والدین عموماً ناخواندہ یا کم خواندہ ہونے کی وجہ سے بچوں کی صحیح رہنمائی نہیں کرپاتے' بعض والدین تو بچے کو درس گاہ میں داخل کرا کے یہ سمجھتے ہیں کہ انھوں نے اپنی ذمے

داری ادا کر دی ہے۔ اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ آپ کا بچہ کیا مضامین پڑھتا ہے تو لاعلمی کا اظہار کرتے ہیں۔ بعض والدین کو کوئی پیشہ اس قدر پسند آ جاتا ہے کہ اس پر فریفتہ ہو جاتے ہیں اور بچے کی طبیعت اور میلان ورجحان کا اندازہ کیے بغیر یہ اٹل فیصلہ کر لیتے ہیں کہ وہ اپنے بچے کو اسی پیشے کی تعلیم دلوائیں گے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے طلبہ متعلقہ مضمون کے مختلف کورس کسی نہ کسی طرح پورا کر کے معاشرے کے کچے پکے پیشہ ور کار کن بن جاتے ہیں' مگر اکثر بچے اس غیر طبعی تعلیم کو بوجھ سمجھ کر درمیان ہی میں ہمت کھو بیٹھتے ہیں۔ کچھ ایسے بچے بھی ہوتے ہیں جو کسی نہ کسی طرح کورس پورا کرنے کے لئے جائز و ناجائز طریقوں سے امتحان پاس کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے بچے کورس مکمل کر کے بھی ناقص رہتے ہیں اور ان کا کردار بھی بری عادتوں سے متاثر ہو چکا ہوتا ہے۔ نتیجتاً ان سے معاشرے کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

اساتذہ بھی عموماً اپنے طلبہ کے طبعی میلان سے زیادہ واقف نہیں ہو پاتے' وہ محض نمبر دیکھ کر انتخاب مضامین کے سلسلے میں سرسری مشورہ دے دیتے ہیں۔ اگر اساتذہ محض ملازمت کو پیش نظر نہ رکھیں' بلکہ طلبہ کے تئیں اپنی تمام ذمے داریوں کو محسوس کریں تو اس خلا کو پر کیا جا سکتا ہے' ورنہ ہمارے بہت سے طلبہ اور نوجوان غلط انتخاب مضامین کے برے نتائج کا شکار ہو سکتے ہیں۔

باب ہفتم

(بچوں کا بگاڑ اور ان کی اصلاح)

بچے بگڑتے کیوں ہیں؟

آپ کے صحن میں ایک پودا اُگ آیا' آپ نے اس پودے کے اوپر کوئی وزنی چیز رکھ دی۔ اب کچھ مدت کے بعد آپ وہ وزنی چیز اٹھائیں گے تو دیکھیں گے کہ وہ پودا ٹیڑھا ہو چکا ہو گا۔ اب یہ پودا جوں جوں بڑھتا جائے گا' اس کا ٹیڑھا پن اور زیادہ نمایاں ہوتا جائے گا۔ پیڑ بڑا ہونے کے بعد اب سیدھا نہ ہو سکے گا۔ البتہ اگر آپ ابھی سے اس پودے کو سیدھا کرنے کی کوشش کریں تو آپ کو بڑی حد تک کامیابی مل سکتی ہے۔ یہی وہ صورت حال ہے جو بچے کے ساتھ پیش آتی ہے۔ اگر بچے کے فطری و جبلی تقاضوں کو پورا نہ کیا جائے تو اس میں کج روی پیدا ہونا ضروری بات ہے۔ اور اس کج روی کو یہ کہہ کر نظر انداز کر دینا مناسب نہیں کہ جب بچہ بڑا ہو گا اور اپنے اچھے برے کو سمجھنے لگے گا' تو اس عادت سے باز آ جائے گا۔ یہ انداز فکر بچے کے مستقبل کے لیے بڑا خطرناک ہے۔ کم سنی کے عالم میں بچے کی تربیت کی اہمیت او افادیت کا بھرپور خیال ہی بچے کو شائستہ و سلیقہ مند بنا سکتا ہے۔

بچہ ایک سادے کاغذ کے مانند ہوتا ہے' جس پر والدین اور گرد و پیش کا ماحول جو کچھ نقش کرتا ہے' وہ نقش ہو جاتا ہے اور یہ نقوش بہت نمایاں اور پائیدار ہوتے ہیں۔ اس لیے کوشش یہ ہونا چاہیے کہ بچے کے ذہن و دماغ میں کوئی غلط بات نہ بیٹھ سکے اور اس کی عملی زندگی میں کوئی کج روی پیدا نہ ہو سکے۔ اگر آپ اپنے بچے میں کسی بگاڑ کو دیکھیں

تو اول فرصت میں' اس کے سبب کا سراغ لگا کر ازالے کی فکر کریں' ورنہ پھر بچے کا سدھرنا مشکل ہو جائے گا۔ ذیل میں ہم بگاڑ کے اہم اسباب اور ان کے تدارک پر روشنی ڈالنے کی کوشش کریں گے۔

والدین یا گھر کے افراد کی باہمی رنجش بچے کے بگاڑ کا ایک بڑا محرک ہوتی ہے۔ جب بچہ اپنے ماں باپ کو یا قریبی افراد کو لڑتے جھگڑتے دیکھتا ہے' روزانہ ان کی تُو تُو' مَیں مَیں سنتا ہے تو وہ مختلف ذہنی و اخلاقی بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ ازدواجی تعلقات استوار نہ ہوں یا گھر کے افراد کے باہمی تعلقات خوش گوار نہ ہوں تو بچے کا بگڑ جانا یقینی ہے۔ ایسی صورت حال میں گھر کی اصلاح کرنی چاہیے۔ ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی پر توجہ دینا چاہیے اور عجز و انکسار سے کام لے کر گھر کے ماحول کو خوش گوار بنائے رکھنا چاہیے۔

بچوں کے بگاڑ کا ایک اہم سبب یہ ہے کہ بچے کے سامنے غلط نمونہ پیش کیا جائے۔ جب بچہ اپنے بڑے کو کوئی غلط کام کرتے دیکھتا ہے' تو اسے وہ کام کرنے میں کوئی باک نہیں ہوتا' بچہ اپنے ماں' باپ' بھائی' بہن اور اساتذہ کی عادتوں کو شعوری و غیر شعوری طور پر اختیار کر لیتا ہے۔ اس لیے بچے کے سامنے اپنی عملی زندگی سے کوئی غلط نمونہ پیش نہ کیجیے۔ اپنی زندگی میں دو رخے پن اور بے عملی کو کوئی جگہ نہ دیجیے اور بچے کو ایسے ماحول سے بچائے رکھیے' جہاں بچے کے سامنے کسی بڑے کا غلط نمونہ سامنے آ سکتا ہو۔

بری صحبت بچے کو یقینی طور پر بگاڑ کر رکھ دیتی ہے۔ حساس اور شریف الطبع والدین کے بچے بھی بری صحبت میں بگڑ جاتے ہیں۔ اپنے بچوں کے لیے اچھے ہم عمر ساتھیوں کا انتخاب کیجیے۔ اور انہیں صالح ماحول میں پروان چڑھنے کا موقع دیجیے۔ بری صحبت سے بچانے کے لیے بچوں کو تنہائی و گوشہ نشینی کی زندگی گزارنے پر آمادہ نہ کیجیے۔ تنہائی و گوشہ نشینی کی زندگی بھی بچے کو بہت سے اخلاق و ذہنی امراض میں مبتلا کر سکتی ہے۔ متوازن شخصیت کی تعمیر کے لیے اچھے ساتھیوں کی صحبت بھی ضروری ہے۔

بچہ جوں جوں بڑا ہوتا ہے اس کے جسمانی قویٰ میں نشو و نما کی رفتار بھی بڑھنے لگتی ہے۔ اسی رفتار کے تناسب سے بچے کو صحت پرور مشاغل اور دلچسپ مصروفیات درکار

ہوتی ہیں۔ اگر بچے کو اس عمر میں صحت پرور مشاغل مہیا نہ کیے جائیں اور ماحول کو دلچسپ مصروفیات کے لیے سازگار نہ بنایا جائے' تو بے کاری کی وجہ سے بچے کے بگڑنے کا پورا احتمال موجود رہتا ہے۔ اس صورت میں مناسب ہو گا کہ اپنے بچے کے لیے عمر اور صلاحیت کے مطابق دلچسپ اور تعمیری مشاغل فراہم کریں۔ پھر آپ دیکھیں گے کہ آپ کا بچہ ان مشاغل میں مصروف ہو کر بہت سی بری عادتوں سے دور ہوتا جا رہا ہے اور اس میں بہت سی خوبیاں پروان چڑھ رہی ہیں۔

بچے میں خود تجربہ کرنے کا داعیہ فطری طور پر موجود ہے۔ اس تجرباتی دور میں بچے سے اگر کوئی نقصان ہو جائے تو اس پر برافروختہ نہ ہوئیے' بلکہ بچے کی شخصیت کی تعمیر کے لیے اس نقصان کو خندہ پیشانی سے برداشت کر لیجیے مثلاً: آج ہی آپ ٹیپ ریکارڈر لے کر آئے' کئی بار اس کو آپ نے آن اور آف کیا' کئی بار آواز آہستہ اور بلند کی' پھر آپ گھر سے باہر چلے گئے' ٹیپ آپ کی میز پر رکھا ہوا ہے' کمرے میں صرف آپ کا ٹیپ ہے اور "منا" ہے۔ منا بھی اس کو آپ کی طرح آن کرنے کی کوشش کرتا ہے' وہ سوئچ ادھر ادھر گھماتا ہے' الٹے سیدھے بٹن دبانے سے ٹیپ میں کچھ خرابی آ جاتی ہے۔ اسی دوران آپ کمرے میں داخل ہوتے ہیں۔ ٹیپ ہاتھ میں لے کر آن کرنا چاہتے ہیں۔ مگر ٹیپ سے کوئی آواز نہیں آ رہی ہے' آپ منے پر برس پڑتے ہیں۔ خوف سے اس پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ غور کیجئے یہاں پر آپ نے بچے کی تجرباتی صلاحیت کا خون کیا ہے۔ اب بچہ کوئی بھی نیا تجربہ کرنے سے گریز کرے گا۔ جس کے نتیجے میں اس کے اندر نکما پن پیدا ہو جائے گا۔ بچے پر برافروختہ ہوتے وقت آپ یہ بھول گئے کہ آپ بھی تجربہ کرتے وقت بہت سے نقصانات کر بیٹھتے ہیں۔ اس لیے بچے کے جائز تجربہ و تجسّس سے چشم پوشی کیجئے البتہ اگر آپ یہ دیکھیں یا محسوس کریں کہ بچے کا کوئی تجربہ نادانی کی وجہ سے بگاڑ کا سبب بن سکتا ہے تو اسے محبت اور نرمی سے روکیے۔

اگر بچے کے جبلی تقاضوں کی تکمیل نہ کی جائے اور فطری خواہشوں کو جائز طور پر پورا نہ کیا جائے تو اس کا قوی اندیشہ رہتا ہے کہ بچے غلط طریقے سے اپنی فطری

خواہشوں کو پورا کریں' لہٰذا آپ بچے کے فطری تقاضوں کی تکمیل کا بھرپور اہتمام کریں- البتہ غیر معمولی لاڈ پیار سے بچے کو بگڑنے نہ دیجیے- زیادہ لاڈ پیار بھی بچے کو بگاڑ دیتا ہے- اس سلسلے میں توازن و اعتدال کی بڑی سخت ضرورت ہے- ذرا سی بے اعتدالی بھی بچے کو بگاڑ سکتی ہے-

بعض بچے ماں باپ کی جائز محبت و شفقت سے بھی محروم رہ جاتے ہیں اور یہ محرومی ان کے اندر بہت سی ذہنی و اخلاقی بیماریوں کا موجب بن جاتی ہے- بچہ اپنے ماں باپ سے بجا طور پر محبت و ناز برداری کی توقع رکھتا ہے اور جب اس کی توقع پوری نہیں ہو پاتی تو اس میں جھنجلاہٹ اور ہیجانی کیفیت کا پیدا ہو جانا فطری بات ہے- ایسی صورت میں آپ اپنے بچے سے غیر مشروط محبت کیجئے' وہ آپ کی محبت کا بھوکا ہے' اپنی عملی زندگی سے اسے اپنے پیار اور محبت کا یقین دلائیے- یہ پیار اور محبت بہت سی خرابیوں کا کامیاب ترین علاج ہے-

اگر بچہ آپ کے رویے یا کسی جسمانی کمزوری کی وجہ سے احساس کمتری کا شکار ہو کر بگڑنے لگا ہے' تو فوراً اپنے رویے کی اصلاح کیجئے- کسی بات پر چڑانا' بات بات پر ٹوکنا' تحقیر و تذلیل کا رویہ اختیار کرنا بچے کے اندر احساس کمتری کو پیدا کر دیتا ہے اور یہ احساس کمتری بہت سے نقائص کا پیش خیمہ بن جاتا ہے-

گھر کے ماحول میں اگر معیاری اور اعلیٰ تصورات موجود نہ ہوں' بلکہ غیر معیاری اور پست خیالات پائے جاتے ہوں- تو بچے سے بلند کردار کی امید رکھنا' جَو بو کر گیہوں کی امید رکھنے کے مترادف ہے- ایسے ماحول کے پروردہ بچے میں سفلی پن پایا جانا لازمی ہے- بہتر کردار کی تشکیل کے لیے گھر کے ماحول کا اعلیٰ تصورات اور بلند خیالات سے معمور ہونا ضروری ہے-

تعلیم و تربیت کا موجودہ نظام بچوں کے بگاڑ کا اہم سبب بنا ہوا ہے- نصابی کتب میں اخلاقی مواد کی کمی اور بے مقصد مواد کی بہتات ' تعلیم گاہوں کا ماحول' اساتذہ و طلبہ کے باہمی تعلقات کی ناخوش گواری وغیرہ جیسے اسباب سے موجودہ درس گاہیں بگاڑ کا اڈا بن گئی

ہیں۔ ہمیں اپنے ملک کے تعلیمی نظام کی اصلاح کی کوشش میں بھرپور حصہ لینا چاہیے۔ اور اپنے بچوں کے لیے ایسی درس گاہوں کا انتخاب کرنا چاہیے جہاں مذکورہ خامیاں نسبتاً کم ہوں۔

کیا اصلاح کے لیے سزا ضروری ہے؟

سزا کے سلسلے میں عموماً تین تصورات پائے جاتے ہیں۔ بعض لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ بچے کی اصلاح کے لیے سزا بہت ضروری ہے۔ اس خیال کے حامی بعض اوقات سخت سزا کو بھی ناگزیر سمجھتے ہیں۔ بعض ماہرین تعلیم بچے کے لیے سزا کو نہ صرف غیر ضروری بلکہ مضر سمجھتے ہیں۔ ان کے خیال میں بچہ سزا سے سدھرنے کے بجائے بگاڑ کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اگر وقتی طور پر سزا سے بچے میں اصلاح و تبدیلی نظر بھی آئے تو وہ اسے عارضی و وقتی خیال کرتے ہیں' جس کی تہہ میں بغاوت و ردعمل کے ناخوشگوار احساسات مخفی ہوتے ہیں' جو مستقبل میں خطرناک نتائج کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتے ہیں۔

ان دونوں تصورات سے مختلف تیسرا تصور یہ ہے کہ بچے کی اصلاح شفقت و محبت سے کی جائے۔ ناگزیر صورتوں میں ہلکی سی سزا بھی دی جا سکتی ہے مگر سزا کے فوراً بعد حسن سلوک سے اس کی تلافی کر دی جائے۔ بچے کو اتنا پیار دیا جائے کہ اس کے دل میں پھر کوئی میل باقی نہ رہے۔ اسلامی نظام تربیت کی روح بھی یہی تقاضا کرتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کے ارشادات اور عمل سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ دعوت و تبلیغ اور اصلاح و تربیت کے سلسلے میں سختی کے بجائے نرمی' دھمکانے کے بجائے خوشخبری کے قائل تھے۔ البتہ آپ ﷺ نے بعض ہلکی پھلکی سزائیں بھی دی ہیں۔ اسلام کا نظام تعزیرات اگرچہ بچوں پر نافذ نہیں ہوتا مگر اس سے اتنی بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ سزا کا بہرحال ایک مقام ہے اور اس کی قطعاً نفی کر دینا قانون فطرت کے خلاف ہے۔ البتہ سزا کا نمبر اس وقت آتا ہے جب اصلاح کی تمام انسانی کوششیں ناکام ہوتی نظر آئیں۔ سزا میں تنفرو

انتقام کا جذبہ تو شامل ہونا ہی نہیں چاہیے۔

میرے خیال میں بچے کو سخت سزا دینا یا بات بات پر سزا دینا اگر ایک انتہا ہے' تو سرے سے سزا کا نکار کر دینا اور آخری درجے میں بھی ہلکی پھلکی سزا کو مضر سمجھنا بھی ایک دوسری انتہا ہے۔ اعتدال و توازن کی راہ یہی ہے کہ بچے کی اصلاح و تربیت' محبت و شفقت ہی سے کی جائے' البتہ آخری درجے میں ہلکی پھلکی سزا بھی دی جا سکتی ہے' مگر یہ سزا بھی پیار کے جذبات سے سرشاری کے عالم میں دی جائے اور جتنی جلد ممکن ہو اس کی تلافی کر دی جائے۔

بچے کو اگر سزا دینا ناگزیر ہو تو چند باتیں ضرور ملحوظ رکھیے:

- بچے کو کبھی دوسروں کے سامنے سزا نہ دیجئے۔ خاص طور پر مہمانوں اور اس کے ہم عمر ساتھیوں کے سامنے سزا دینا اس کی عزت نفس کو پامال کرنا ہے۔ جس طرح آپ دوسروں کے سامنے ذلیل ہونا پسند نہیں کرتے' اسی طرح بچہ بھی دوسروں کے سامنے رسوا نہیں ہونا چاہتا۔ اگر بچہ یہ محسوس کرے کہ اب دوسروں کی نظروں میں اس کی کوئی وقعت نہیں رہی تو وہ ڈھیٹ ہو جاتا ہے اور غلط کام کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتا۔
- کسی ایسے جرم پر بچے کو سزا نہ دیجئے جس کو وہ جرم نہیں سمجھ رہا ہے جو غلطی اس نے انجانے میں کی ہے' اس کے بارے میں اسے اتنا بتا دینا ہی کافی ہے کہ یہ غلط کام ہے۔ مثال کے طور پر بچہ آپ کے پاس بیٹھا ہے۔ آپ لکھنے میں مشغول ہیں' قلم لکھتے لکھتے بند ہو جاتا ہے' تو آپ دوات میں سے قلم میں روشنائی ڈال کر لکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ اسی دوران کوئی ملاقاتی آتا ہے آپ اٹھ کر اس سے ملنے کے لیے چلے جاتے ہیں۔ بچہ آپ کا قلم اٹھاتا ہے اور لکھنے کی کوشش میں میز پر پھیلے ہوئے کاغذات پر قلم چلانا شروع کر دیتا ہے۔ جب اسے یہ محسوس ہوتا ہے کہ قلم نہیں چل رہا ہے تو وہ آپ کی طرح دوات کھول کر قلم میں روشنائی انڈیلنا چاہتا ہے مگر روشنائی قلم میں جانے کے بجائے میز پر گر جاتی ہے۔ میز پوش اور کچھ

کاغذات گندے ہو جاتے ہیں- بچہ اپنے ہاتھ اور دامن سے جلدی جلدی صاف کرنے کی کوشش کرتا ہے- اس دوران آپ واپس آجاتے ہیں' بچہ سہم جاتا ہے اگر آپ بچے کو مارنا جھڑکنا شروع کر دیں تو اس سے دو نقصان ہوں گے ایک یہ کہ بچے کے دل میں خوف بیٹھ جائے گا- دوسرے یہ کہ اس کی تجرباتی نشوونما رک جائے گی- وہ نئے نئے تجربات کرنے سے باز رہے گا اور اس کی ذہانت بری طرح متاثر ہو جائے گی- وہ مستقبل کی زندگی میں زیادہ غور و فکر اور حرکت و عمل کے بجائے تعطل و جمود کا عادی ہو جائے گا- آپ ذرا سنجیدگی سے سوچیے بچے نے کوئی جرم تو نہیں کیا ہے؟ اسنے صرف آپ کی تقلید ہی تو کی ہے جو اس کی فطرت کا لازمہ ہے- کیا آپ اسے اپنا فرماں بردار بیٹا بنانا نہیں چاہتے؟ کیا آپ کی یہ خواہش نہیں کہ وہ آپ کے نقش قدم پر چلے؟ پھر سوچیے اس نے ایک تجربہ ہی تو کیا ہے آپ سے بھی تو تجربات کے دوران بہت سے نقصان ہوئے ہیں- پرسوں ہی کی تو بات ہے کہ آپ کا ٹیپ ریکارڈر خراب ہو گیا تھا' آپ نے درست کرنے کے لیے اسے کھولا' بہت سے پرزے ادھر سے ادھر کر دیئے' جب آپ مکینک کے یہاں گئے تو اس نے بتایا کہ اس میں کوئی خاص کمی نہیں ہے- البتہ کسی شخص نے پرزے غلط فٹ کر دیے ہیں- ذرا سوچیے! آپ اس عمر میں جب کہ دنیا بھر میں گھومتے پھرتے ہیں' تجربہ کرتے ہوئے غلطی کر بیٹھتے ہیں تو بچہ جس نے ابھی اچھی طرح دنیا بھی نہیں دیکھی ہے' اگر تجربے کے دوران غلطی کر بیٹھتا ہے تو اسے سزا دینے کا کیا جواز ہے!؟

بچے نے یہ سب کچھ آپ کی تقلید میں کیا' اس کی نظر میں یہ کوئی غلطی نہ تھی اس لیے ایسے موقعوں پر آپ اپنے غصے کو ضبط کریں اور بچے کی غلطی کو نظر انداز کر دیں-

- بچے کو بار بار سزا دینا بھی مناسب نہیں- سزا اگر عادت بن جائے تو غیر موثر ہو کر رہ جاتی ہے- بچہ اسے معمولی چیز سمجھ کر کوئی اہمیت نہیں دیتا' وہ بار بار سزا پانے

کے بعد یہ سوچنے لگتا ہے کہ اس سے بڑی سزا اور کیا ہو گی۔ تھوڑی سی تکلیف ہی سہی وہ جرم میں جو لطف و لذت محسوس کرتا ہے' اس کے مقابلے میں سزا کی تکلیف بہت معمولی محسوس ہونے لگتی ہے۔

- بچے کو جب سزا دی جائے تو اسے لعن طعن بالکل نہ کیا جائے۔ عام طور سے دیکھا گیا ہے کہ والدین جب بچے کو سزا دیتے ہیں تو کم بخت' الو' کتا' گدھا' بندر' سور' کمینہ' نالائق' احمق' بیوقوف' کوڑھ مغز اور بدتمیز جیسے خطابات سے بھی اسے نوازتے رہتے ہیں۔ بعض والدین تو مغلظات تک کا استعمال کرتے ہیں۔ اگر والدین کا یہ رویہ بار بار سامنے آئے تو بچے کی نظر میں ان فقروں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی اور ان فقروں کی بے اثری کے ساتھ سزا بھی بے اثر ہو کر رہ جاتی ہے۔ اور جو بچے ان فقروں کا اثر لیتے ہیں' ان کی ذہنی نشوونما بری طرح متاثر ہوتی ہے اور وہ احساس کمتری کا شکار ہو کر آگے بڑھنے کا حوصلہ کھو بیٹھتے ہیں۔
- سزا کی ایک موثر اور کارگر صورت یہ ہے کہ اگر بچہ سمجھانے بجھانے سے نہیں مان رہا ہے' تو اسے دلچسپ مشاغل سے جدا رہنے کی سزا دی جائے۔ اس سزا کا بہت جلد اور خاطر خواہ نتیجہ ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ بچہ ہر بات کو برداشت کر سکتا ہے' مگر اپنے دلچسپ مشاغل سے محروم رہنا کبھی گوارا نہیں کر سکتا۔ سزا کا یہ انداز دور رس بھی ہوتا ہے۔ بچہ اس خیال سے ہمیشہ غلطی کرنے سے باز رہتا ہے کہ اسے پھر دلچسپ مشاغل سے محروم کر دیا جائے گا۔ یہ تفریحی سزا جسمانی سزا کے مقابلے میں زیادہ کارگر اور موثر ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس طریقے کو اپنانے کی تلقین فرمائی ہے۔
- جب بچہ آپ کی تادیبی کارروائی سے جرم کرنا چھوڑ دے تو آپ حسب توفیق اتنا ضرور کریں کہ اسے انعام دیں' چاہے وہ ایک ٹافی ہی کیوں نہ ہو تاکہ بچے کے تعمیری پہلو کو تقویت حاصل ہو اور اس کے اندر آئندہ غلطی نہ کرنے کا جذبہ پیدا ہو۔ اسی طرح اچھے کاموں اور بہتر کارکردگی پر انعامات دے کر بچوں کی حوصلہ

افزائی ضرور کیجئے' لیکن انعام کا اسے عادی نہ بنایا جائے کہ وہ انعام ہی کی آرزو کرتا رہے' بلکہ انعام کی مقدار اور اوقات میں بھی اعتدال کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

- اگر بچہ غلطی کر کے توبہ کر لے یا آئندہ نہ کرنے کا عہد کرے تو اسے معاف کر دیجئے۔ غلطی کا احساس ہو جانے کے بعد معاف کر دینا غلطی کی بہترین سزا ہے اگر بچہ غلطی کے ارتکاب سے انکار کر رہا ہے تو زبردستی غلطی اس کے سر پر نہ تھوپئے' اس کا انکار کرنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ غلطی کو معیوب سمجھ رہا ہے' اس لیے یہ توقع رکھیے کہ وہ آئندہ غلطی نہیں کرے گا۔
- غلطی کی جس قدر اصلاح ہوتی جائے' اس پر شاباشی دے کر اس کی ہمت بڑھائیے تاکہ وہ باقی غلطی کی بھی اصلاح کر لے۔ یہ توقع ہرگز نہ رکھیے کہ بچہ تمام برائیوں سے یک لخت پاک ہو جائے گا یا تمام خوبیاں اس میں فوراً ہی نمودار ہو جائیں گی۔

چند بری عادتیں

غصہ غصہ ایک بہت بڑی کمزوری ہے' یہ خامی انسان کی نیکیوں اور خوبیوں کو اس طرح ضائع کر دیتی ہے جیسے ایلوا شہد کی مٹھاس کو ضائع کر دیتا ہے۔ غصہ پی جانے والوں کو اللہ اجر و ثواب کی خوش خبری سناتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> "بہادر شخص وہ نہیں جو دوسرے کو کشتی میں پچھاڑ دے' بلکہ اصل بہادر وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے اوپر قابو رکھے۔"[1]

اسی طرح صحیح بخاری میں ہی دوسری حدیث میں ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ بیان کرتے

---

[1] صحیح بخاری' کتاب الادب : باب الحذر من الغضب (ح ۶۱۱۴) صحیح مسلم' کتاب البر والصلۃ : باب فضل من یملك نفسه عند الغضب (ح ۲۶۰۹)

ہیں کہ کسی شخص نے نبی اکرم سے عرض کی کہ مجھے نصیحت فرمائیے۔ آپؐ نے فرمایا: ''غصہ نہ کیا کرو۔'' اس نے کئی مرتبہ یہی سوال دہرایا اور آپؐ نے (ہر مرتبہ) یہی دہرایا کہ ''غصہ نہ کیا کرو۔''

غصے میں انسان اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے' اس کا دماغ اپنا توازن کھو دیتا ہے اور انسان غصے میں بعض اوقات ایسے کام بھی کر ڈالتا ہے کہ غصہ ختم ہو جانے کے بعد وہ خود بھی خفیف و شرمندہ ہوتا ہے۔ صحت کے لحاظ سے بھی غصہ بہت نقصان دہ ہے' اس سے اعصاب اور ذہن و دماغ متاثر ہوتے ہیں۔ انسان جسمانی طور پر کمزور ہو جاتا ہے' کیونکہ غصے سے جسم میں ایک اضافی توانائی پیدا ہوتی ہے اور بار بار غصے کی صورت میں اس توانائی کے خرچ ہونے سے جسم میں ضعف کا پیدا ہونا لازمی ہے۔ غصے کی حالت میں آدمی دماغ کو استعمال کرنے سے معذور ہو جاتا ہے۔ انسان غصے کے وقت تمام افعال جذبات ہی کی رو میں کرتا ہے۔ ظاہر ہے بار بار عقل و دانش کا ماؤف ہو جانا کسی صورت میں مستحسن نہیں ہے۔

آپ دیکھیں گے کہ بچے کو غصہ اس وقت آتا ہے جب وہ کچھ کرنا چاہے اور کوئی اس کی خواہش میں رکاوٹ ڈال دے۔ ایسی حالت میں بچہ جھنجلا جاتا ہے اور غصے کا اظہار کر کے اپنی شکست کا اعتراف کر لیتا ہے یا پھر اپنی بات منوانے کے لیے ضد کرنا شروع کر دیتا ہے۔ بچے کے غصے کو رفع کرنے کے لیے یہ کس قدر آسان ہے کہ وہ جو کچھ کرنا چاہے اسے خوشی خوشی کرنے دینا چاہیے۔ آپ کے اس رویے سے بچے میں غصیلا پن اور جھنجھلاہٹ نہ پیدا ہو سکے گی۔ اگر پھر بھی کسی بات پر بچے کو غصہ آئے تو اس کے محرکات کا پتا لگا کر اسے دور کیجئے اور بچے کو پیار و شفقت سے سمجھانے کی کوشش کیجئے۔

بچے کو اس وقت بھی غصہ آ جاتا ہے' جب وہ کوئی بات کہنا چاہتا ہے' مگر مخاطب اس کی بات نہیں سمجھ پاتا' ایسے موقعوں پر آپ سکون و صبر سے اس کی بات سمجھنے کی کوشش کریں' اگر بچہ اپنی بات نہ سمجھا پانے پر جھنجلا رہا ہے تو آپ نہ سمجھ سکنے کی وجہ سے جھنجلاہٹ کا بالکل اظہار نہ کیجئے۔ صبر و تحمل سے اس کی بات کو سمجھنے کی کوشش کیجئے

اور بات سمجھ جانے کے بعد اس کی خواہش پوری کر دیجئے۔ آپ دیکھیں گے کہ بچہ غصہ کرنے کا عادی نہ ہو سکے گا۔

بیماری کے سبب بھی بچے میں چڑاچڑا پن آ جاتا ہے۔ وہ طرح طرح کی خواہشوں کا اظہار کرتا ہے' جن کی تکمیل اس کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے۔ وہ معمولی معمولی بات پر جھنجلا اٹھتا ہے۔ اس کی اصل وجہ یہ ہوتی ہے کہ بچہ تکلیف کی وجہ سے محبت کا زیادہ خوگر ہو جاتا ہے' کچھ ذائقہ خراب ہو جانے سے اس کے مزاج میں تلخی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس زمانے میں اگر بچے کے ساتھ کچھ زیادہ محبت سے پیش آیا جائے تو توقع ہے کہ بچے کے چڑ چڑے پن پر بہت جلد قابو پایا جا سکتا ہے۔

اگر بچے کو کھیل کود کے بہتر مواقع نہ ملیں' اسے ہم ذوق ساتھیوں کا ساتھ میسر نہ آ سکے' دلچسپ اور نشاط انگیز مشاغل اس کو مہیا نہ ہوں' تو بچہ اپنی دنیا میں مگن رہنے لگتا ہے۔ اندرون بینی کے اس عالم میں بچہ اپنے آپ کو بہت اہم تصور کرنے لگتا ہے۔ اپنے معاملات میں دوسروں کی دخل اندازی اس کو غصہ دلانے کے لیے کافی ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں بچے کو کھیل کود کے کافی مواقع اور دلچسپ مشاغل فراہم کرنا چاہییے' تاکہ بچے کا ذہن محو بالذات ہونے کی بجائے دوسرے مشاغل میں منہمک رہے' اس کی توجہات بٹی رہیں اور اس کی اندرون بینی پر ضرت کاری لگے۔ اپنے ہم عمر بچوں کی معاشرتی سرگرمیوں میں شریک ہو کر اسے معاشرتی زندگی بسر کرنے کا سلیقہ آتا ہے اور اس کے معاشرتی شعور کو جلا ملتی ہے۔

بچپن میں اگر بچے کو جھنجلاہٹ اور غصے پن سے محفوظ رکھا جائے تو غصے کی لعنت سے بچا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا جائے کہ کمزور بچہ اپنی کمزوری کے لیے غصے کا سہارا لیتا ہے' اس لیے کمزور و بچوں کا خیال رکھا جائے۔ ان کے لیے ایسے مواقع فراہم کیے جائیں کہ وہ ناکامی کا شکار نہ ہوں' ورنہ خدشہ ہے کہ ان میں جھنجلاہٹ و غصہ زیادہ پختہ ہو جائے۔

خوف بچہ پیدائشی طور پر کسی چیز سے خوف نہیں کھاتا۔ آپ ایک دو ماہ کے بچے کو

ایک کمرے میں لے جایئے' وہ قطعاً خوف نہ کھائے گا- آپ اسے اونچا اچھال دیجیے یا کسی خوف ناک چیز کا سامنا کرا دیجیے' اسے بالکل ڈر نہیں لگے گا- اس لیے کہ بچے کے احساسات ابھی بیدار نہیں ہوئے ہیں- بچہ جب پانچ چھ ماہ کا ہو جاتا ہے تو اسے خوف محسوس ہونے لگتا ہے' بچہ اس عمر میں آئندہ زندگی کے لیے سیکھتا ہے- اگر والدین اس چھوٹی سی عمر میں بچے کی تربیت پر توجہ دیں تو بچے کے اندر خوف اور ڈر کا احساس متوازن رخ پا سکتا ہے- ورنہ بچے کی ناقص تربیت اسے ڈرپوک اور وہمی بنا دے گی- ڈاکٹر والٹن کا کہنا ہے کہ "تین برس کی عمر تک بچے کی جذباتی زندگی کی بنیادیں تقریباً مکمل طور پر رکھ دی جاتی ہیں-"

بچے میں خوف کی ایک بنیادی وجہ اس کی لاعلمی ہے مثلاً: بچہ اندھیرے میں ڈرتا ہے- اس لیے کہ وہ نہیں جانتا کہ اندھیرا کیا ہے؟ یہ کیوں ہوتا ہے؟ اس لیے وہ اندھیرے سے ڈرنے لگتا ہے؟ اگر بچے کے شعور میں یہ بات بیٹھ جائے کہ اندھیرا کوئی غیر قدرتی چیز نہیں ہے' اس میں کوئی مضر یا نقصان دہ چیز چھپی ہوئی نہیں ہے تو بچہ اندھیرے سے ڈرنا چھوڑ دے گا' بقول ڈاکٹر ابن فرید "مرزا پھوپھا نے جب بندوق خریدی تو اس احتیاط سے بندوق کو کوٹھری میں بند کر دیا کہ کوٹھری کے دروازے تک بھی جانے کے لیے کسی کو اجازت نہ دیتے- ان کو خطرہ تھا کہ اگر کوئی کوٹھری کے دروازے کی کنڈی کھٹکھٹائے گا تو بندوق چھوٹ جائے گی- یہ خطرہ انہیں اس لیے تھا کہ وہ بندوق کا استعمال ہی نہ جانتے تھے- انہوں نے محض لوگوں پر رعب جمانے کے لیے بندوق خرید کر رکھ لی تھی-" بچہ اگر کسی چیز سے لاعلمی کی وجہ سے ڈرتا ہے تو اس چیز کے بارے میں صحیح معلومات اسے فراہم کر دی جائیں- توقع ہے کہ بچہ خوف کھانا ترک کر دے گا- ایک ماں نے جب یہ محسوس کیا کہ اس کا بچہ اندھیرے سے ڈرتا ہے تو اس نے بچے کو ایسے کھلونے لا کر دیے جو اندھیرے میں چمکتے تھے- اب بچہ ان کھلونوں میں دلچسپی لینے لگا- اندھیرا ہوتے ہی وہ ماں کو چمٹنے یا رونے کے بجائے کھلونوں میں مصروف ہو جاتا' اس طرح اس کا اندھیرے سے خوف بالکل ہی جاتا رہا- ایک بار میں نے اپنے بچے کو شیروانی

دی اور کہا "اسے اوپر والے کمرے میں رکھ آؤ۔" بچہ کمرے کے دروازے تک گیا اور واپس آگیا۔ اس نے بتایا کہ کمرے میں اندھیرا ہے' اس لیے میں کمرے کے اندر نہیں گیا۔" میں نے بچے کو اپنے ہمراہ لیا اور اندھیرے کمرے میں داخل ہو گیا۔ بچہ بھی میرے ساتھ داخل ہو گیا۔ شیروانی ہینگر میں لٹکائی اور واپس چلے آئے۔ اب جب کبھی بھی میں کوئی چیز بچے کو اوپر کے کمرے میں رکھنے کو دیتا ہوں تو وہ اندھیرے میں بھی رکھ آتا ہے کیونکہ وہ سمجھ گیا ہے کہ اندھیرے کی حقیقت کیا ہے۔

ایک بچہ اپنے سایے سے بہت ڈرتا تھا۔ اسے ایک ماہر نفسیات کے پاس لے جایا گیا' ماہر نفسیات نے دیوار پر اپنے ہاتھ کا سایہ ڈالا اور دوسرے ہاتھ سے اس کو خوب ٹٹولا اور بچے کو بتایا کہ یہ سایہ بالکل بے ضرر ہے۔ ڈاکٹر نے بچے کے یہ بات بھی ذہن نشین کرائی کہ سایہ کس طرح بنتا ہے۔ اگر روشنی دائیں جانب سے آ رہی ہو تو سایہ دائیں جانب ہو گا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بچے نے سایے سے ڈرنا چھوڑ دیا۔ بچہ نالی کے پاس پہنچنے والا ہی تھا کہ ماں نے چیخ کر کہا "خبردار" اب بچہ جہاں بھی نالی دیکھتا ہے رونا شروع کر دیتا ہے حالانکہ نالی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے خوف کھایا جائے' مگر نالی دیکھتے ہی بچے کے ذہن میں ماں کی چیخ گونجنے لگتی ہے۔ بہت سے خوف اس قسم کے ہوتے ہیں کہ اصل خوف ناک چیز کا خوف بے ضرر چیز کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ ایک ماہر نفسیات ڈاکٹر کے پاس ایک مریض کو لایا گیا' جو تنگ گلیوں سے بہت ڈرتا تھا۔ مرض کی تاریخ مرتب کرنے پر پتا چلا کہ بچپن میں یہ شخص ایک کباڑیے کی دکان سے واپس لوٹ رہا تھا کہ محلے کی ایک تنگ و تاریک گلی میں ایک کتا اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا اور اس قدر زور سے بھونکنے لگا کہ اس شخص کا حال برا ہو گیا۔ کسی طرح جان چھڑا کر اپنے گھر پہنچا۔ آہستہ آہستہ اس کا خوف کتے سے تنگ گلی کی طرف منتقل ہوتا چلا گیا۔ اس طرح کے حادثات سے بہت حکمت سے نمٹا جائے ورنہ یہ متعدد ذہنی الجھنوں اور بے جا خوف کی بنیاد بنتے ہیں اور جذباتی زندگی کو تباہ کر کے رکھ دیتے ہیں۔ بچوں کے کھیلنے اور سونے کی جگہوں کو ڈراؤنی چیزوں کی زد اور شور و ہنگامہ سے حتی الامکان محفوظ رکھنا چاہیے۔

بچہ اس چیز میں بھی خوف کھانے لگتا ہے جسے وہ اپنی بساط سے باہر محسوس کرتا ہے' مثلاً: وہ چیزیں جو دیکھنے میں اسے اپنے سے زیادہ بڑی محسوس ہوں۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ بچہ اونچی کرسی یا دیوار پر بیٹھنے سے ڈرتا ہے' کیونکہ وہ ان سے نیچے اترنے کو اپنی طاقت سے باہر تصور کرتا ہے۔ اس طرح کا خوف بڑی آسانی سے دور کیا جا سکتا ہے۔ آپ بچے کو یہ شعور دلا دیں کہ یہ چیزیں اس کی طاقت سے بالاتر نہیں ہیں۔

ایسا بھی ہوتا ہے کہ بچہ کسی چیز سے کھیل رہا ہے' ماں نے اس چیز کے ٹوٹنے یا خراب ہو جانے کے اندیشے سے وہ چیز زبردستی بچے سے چھین لی اور اسے ڈانٹ بھی دیا یا کسی ڈراؤنے خیال سے ڈرا دیا نتیجتاً بچہ سہم جاتا ہے اور وہ ممنوعہ چیز ہی سے خوف کھانے لگتا ہے۔ ماں تو یہ سمجھتی ہے کہ اس نے ٹھیک ایک چیز کو خراب ہونے سے بچا لیا' مگر بچے کی جذباتی زندگی خراب ہونے کا اسے احساس نہیں ہوتا۔ اگر ماں ذرا سا صبرو تحمل کرے اور بچے کو شفقت و محبت سے سمجھائے تو اس کی زندگی کو تباہی سے بچایا جا سکتا ہے۔ بچے میں خوف کے تدارک کے لیے جسمانی سزاؤں کا اصول تقریباً ترک کر دینا چاہیے۔ بے جا مار پیٹ اور بے جا دھمکیوں سے بچے کے دل میں ایک دہشت سی بیٹھ جاتی ہے' جس سے مستقبل میں مختلف قسم کے خوف پیدا ہو جاتے ہیں۔ بچے کو چڑیل' جن دیو' بھوت' بابا جیسی موہوم خوف ناک چیزوں کے نام سے بھی نہ ڈرائیے۔ محض اپنے آرام کے لیے اکثر مائیں ان چیزوں سے ڈرا کر بچوں کو سلا دیتی ہیں' مگر انہیں اس کا احساس نہیں ہوتا کہ بچہ خوف سے سہم جاتا ہے اور بچے کے اندر جرأت و دلیری کے بجائے خوف و دہشت کے اثرات قوی ہو جاتے ہیں۔

بچے کی سیرت پر ماں باپ کی سیرت و کردار کا بڑا اثر پڑتا ہے اگر آپ دھماکا سن کر سہم جاتے ہیں تو آخر آپ کا بچہ کیوں نہ سہمے گا۔ اگر رات میں کسی انجانی آواز کو سن کر آپ اپنا منہ لحاف میں چھپا لیتے ہیں تو بچہ ایسا کیوں نہ کرے گا۔ بچہ کسی بھی چیز سے ڈرتے ہوئے اپنے ماں باپ کو دیکھے گا تو خود بھی اس سے ڈرنے لگے گا اگر آپ بچے کو نڈر اور دلیر بنانا چاہتے ہیں تو اس کا سہل نسخہ یہ ہے کہ آپ اپنی زندگی سے خوف اور

بزدلی کو دور کر دیجئے۔ بچے کے سامنے خوف کی نقل بھی نہ کیجیے۔ دیکھا گیا ہے کہ بچے کے ساتھ کھیلتے ہوئے اکثر مائیں یہ کہہ کر لحاف میں منہ چھپا لیتی ہیں "وہ آ گیا اُلو" "وہ آ گئی ڈائین" خوف کا یہ مظاہرہ بھی بچے کے دل و دماغ پر ایک تاثر قائم کر دیتا ہے۔ بچے کے سامنے کسی قسم کے خوف کا مظاہرہ نہ کیجیے یہاں تک کہ خوف کی نقل کرنے سے بھی پرہیز کیجیے۔ بچوں کو ڈائن، چڑیل، بھوت، جن وغیرہ کی کہانیاں بھی نہ سنائیے، بلکہ ایسی دلچسپ کہانیاں سنائیے جن سے بچوں کے لیے نشاط و شگفتگی کا سامان ہو اور ان میں جرأت و ہمت پیدا ہو۔ اگر بچپن میں بچے کے دل میں خوف کا جذبہ پیدا ہو جائے تو وہ بڑے بڑے خطرات میں بلکہ معمولی معمولی حادثات سے بھی ہمت ہار بیٹھے گا۔ بچے کو کم سنی میں دلیر اور بہادر بنائیے۔ بچے کو دلیر اور بہادر بنانے کا پروگرام اسی صورت میں کامیاب ہو سکتا ہے جب کہ والدین اور خصوصاً ماں بے خوفی کی بہترین مثال پیش کرے۔ بچہ شیر خوارگی کے عالم میں تمام حرکات و سکنات میں ماں کی تقلید کرتا ہے۔

دیہاتی گھرانوں اور بعض شہری گھرانوں میں بھی عموماً اندھیرے کمرے میں سونے کا معمول ہے، سونے کا وقت ہوا اور جلتا ہوا دیا بجھا دیا یا بلب آف کر دیا اور لیٹ گئے مگر اس ننھے معصوم کا کوئی خیال نہ کیا جو ابھی روشنی میں کھیلنا چاہتا تھا۔ بچہ کھیلنے کا خواہش مند ہے، مگر اب اسے کچھ نظر نہیں آ رہا ہے۔ اس اضطراب میں وہ چاروں طرف گھور گھور کر دیکھتا ہے مگر اسے مایوسی اور اضطراب کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اس اضطراب اور مایوسی سے بچے میں خوف کی ابتدا ہوتی ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ سوتے وقت کمرے میں روشنی کا کوئی نہ کوئی انتظام ہو تاکہ بچہ بیدار ہو کر بھی کھیلنا چاہے تو کھیل سکے۔ روشنی سے بچے کو پیشاب کرنے یا پاخانہ کرنے، اس کے گندے اور گیلے کپڑے اور بستر بدل دینے میں بھی سہولت ہو گی۔

یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہیے کہ بچے کو نڈر بنانے کا مفہوم یہ ہرگز نہیں ہے کہ اس کو سرکش اور آپے سے باہر رہنے والا بنا دیا جائے اور وہ ضرر رساں چیزوں سے بھی اجتناب نہ کرے۔ بے جا خوف اور ڈر سے بچے کی زندگی کو محفوظ رکھنے کے ساتھ

ساتھ اسے یہ تربیت بھی دی جائے کہ وہ ضرر رساں چیزوں سے دور رہے مثلاً: بجلی کے تار' گیس' زہریلے جانور اور غلاظت کے ڈھیر سے دور رہنا ضروری ہے' مگران سے بچنے اور خوف کھانے کی بنیاد بھی لا علمی پر نہیں ہونی چاہیے' بلکہ بچے کو آسان زبان میں یہ بات سمجھا دینا چاہیے کہ یہ چیزیں کس قدر نقصان دہ ہیں اور کیسے نقصان دہ ہیں۔ اگر بچہ علم' مشاہدے یا تجربے کی بنیاد پر کسی چیز سے دور رہنے کا عادی ہو جاتا ہے تو یہ خصلت اس میں بزدلی و کم ہمتی کے بجائے خود اعتمادی و بلند حوصلگی کا سبب ہو گی۔ اس سے بچے میں یہ قوت تمیز پیدا ہوتی ہے کہ کس چیز سے دور بھاگنا مناسب ہے اور کس چیز کا مقابلہ کرنا ضروری ہے۔

آج ہم بڑھتے ہوئے اندیشوں کے ماحول میں سانس لے رہے ہیں۔ ایٹمی ہتھیاروں کے استعمال کے ہول ناک اور تباہ کن نتائج' عالمی جنگ کا لرزہ خیز تصور' قتل و غارت گری' چوری اور ڈکیتی کے خدشے' بری و فضائی حادثوں کے امکانات' آئے دن ہونے والے فسادات کی تباہ کاریاں ہمارے ذہن و اعصاب پر چھائی ہوئی ہیں۔ ہمارے ذہن و اعصاب شعوری و غیر شعوری طور پر متاثر ہو رہے ہیں۔ ان حالات میں والدین اپنے بچوں کے خوف سے مبرا دلیری و بہادری کی زندگی بسر کرنے کی تربیت دینے کی عظیم ذمے داریوں سے کس طرح عہدہ برآ ہوں؟ یہ ایک نازک مسئلہ ہے۔ اور اس مسئلے کو اس وقت تک حل نہیں کیا جا سکتا جب تک دنیا کا نظام حکمرانی درست نہ ہو جائے اور غلط یا خود غرض قیادت کے مقابلے میں ایک صالح قیادت بپا نہ ہو جائے۔ بچوں کی تربیت کی فکر رکھنے والے تمام حضرات کی یہ ذمہ داری بھی قرار پاتی ہے کہ وہ اس باطل نظام زندگی کو بدلنے کے لیے بھی جدوجہد کریں جس کے زیر سایہ ان کے معصوم بچے تمام تر کوششوں کے باوجود "اچھے بچے" نہیں بن سکتے۔

جھوٹ

سنن ترمذی میں ہے کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص ناحق و ناروا جھوٹ بولنا چھوڑ دے۔ اس کے لیے جنت کے کنارے (ایک محل) بنایا جاتا ہے۔

اور سیدنا ابن عمرؓ سے مروی ایک حدیث سنن ترمذی ہی میں یوں ہے کہ وہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”(جب) بندہ جھوٹ بولتا ہے تو (حفاظت کرنے والا فرشتہ) اس کے جھوٹ کی بو سے اس سے کوسوں دور چلا جاتا ہے۔“

جھوٹ بولنا نفسیاتی بیماری اور اخلاقی عیب ہے۔ اس بیماری کا صحیح علاج بچپن ہی میں ہو سکتا ہے۔ اگر بچوں کے جھوٹ پر کوئی توجہ نہ دی جائے تو بچہ آگے چل کر ”گپی“ اور ”شاطر“ بھی بن سکتا ہے۔ جھوٹ ایک ایسا اخلاقی عیب ہے جو انسان پر سے اعتماد ختم کر دیتا ہے۔ جھوٹے انسان کو ذلت و حقارت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ سماج میں اسے کوئی عزت حاصل نہیں ہوتی۔ والدین اور معلمین کی یہ ذمے داری ہے کہ بچوں کو جھوٹ کا عادی نہ ہونے دیں، اگر کسی بچے کو جھوٹ بولتے دیکھیں تو اس کے جھوٹ کی نوعیت اور اس کے اسباب و محرکات کا پتا لگا کر مناسب علاج کریں۔

جھوٹ بچے کی فطرت و جبلت میں شامل نہیں ہے۔ بچہ گرد و پیش سے جھوٹ بولنا سیکھتا ہے، اگر بروقت بچے کے جھوٹ کا مناسب علاج نہ کیا جائے تو بعد میں یہ بیماری لا علاج ہو جاتی ہے۔ اس بات کو بھی نظر انداز نہ کرنا چاہیے کہ بچہ ہم سے اور آپ ہی سے جھوٹ بولنا سیکھتا ہے۔

بچے نے دیکھا کہ اس کی امی سے کیتلی ٹوٹ گئی ہے۔ ابو آفس سے لوٹے تو امی نے چائے بنا کر ابو کو پیش کی، مگر آج کیتلی نہیں تھی۔ چائے کپ ہی میں پیش کی گئی۔ ابو جان نے پوچھا تو امی جان فوراً بول پڑیں: ”کم بخت بلی برتنوں کی الماری میں گھس گئی اور کیتلی نیچے گرا دی“ اب بچہ کبھی ماں کے چہرے کو دیکھتا ہے، کبھی ابو کے چہرے کو۔ ابو کے چہرے پر اب غصے کا کوئی اثر نہیں ہے، بچے کے شعور میں یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ اس طرح کے موقعوں پر جھوٹ بول کر اپنے سر آئی ہوئی مصیبت کو ٹالا جا سکتا ہے اور پھر بچہ ایسے مواقع پر بے دریغ جھوٹ بولنے لگتا ہے۔ اسے ”بہانہ سازی کا جھوٹ“ کہا جاتا ہے۔ اس قسم کا جھوٹ بولنے والا بچہ طرح طرح کے حیلے بہانے تراشنے کا عادی ہو جاتا ہے۔ اسکول سے بھاگ کر آتا ہے تو ماں باپ کو یہ کہہ کر مطمئن کر دیتا ہے کہ آج میچ کی

وجہ سے چھٹی ہو گئی' آج ایک ماسٹر صاحب کے والد کا انتقال ہو گیا۔ بہانہ سازی کے جھوٹ کی کامیابی سے بچے کا حوصلہ بڑھ جائے گا اور زیادہ بے باکی سے جھوٹ بولنے لگتا ہے۔ اگر کبھی کبھار جھوٹ کی قلعی کھل جائے تو وہ جھوٹ بولنے میں زیادہ فراست اور دور اندیشی سے کام لینے لگتا ہے۔

کبھی جھوٹ بغض و انتقام کے جذبے سے بولا جاتا ہے۔ کیتلی توڑی تو بلی نے تھی' مگر الزام لگا دیا ساس نے بہو پر اور پھر گھر کے افراد بے قصور بہو پر برس پڑے۔ یہ سب کچھ بچے کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے۔ بتائیے کہ بچے کے دل پر یہ بات نقش نہ ہو گی کہ دوسرے سے بدلا لینے کے لیے جھوٹ بڑا کار آمد ہتھیار ہوتا ہے۔ آپ نے لکھ کر اپنا قلم میز کی دراز میں رکھا ہی تھا کہ ایک پڑوسی قلم لینے آ گیا۔ آپ نے فوراً کہہ دیا "میرا قلم تو کہیں گم ہو گیا ہے۔" پڑوسی یقین کر کے واپس چلا جاتا ہے۔ بچہ جو اپنی آنکھوں سے یہ تمام حرکات دیکھ رہا ہے' حیرت میں پڑ جاتا ہے کہ یہ ماجرا ہے کیا؟ مگر تھوڑی ہی دیر میں اس کے ذہن میں یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ جھوٹ بول کر اپنے قلم کی حفاظت کی گئی ہے' ورنہ پڑوسی قلم خراب کر سکتا تھا۔ اب یہ بچہ ایسے مواقع پر اپنے مفادات کی حفاظت کے لیے جھوٹ بولنا کیوں معیوب سمجھے گا؟ اس کے ہاتھ تو بہت آسان نسخہ لگ گیا ہے۔ اس قسم کے جھوٹ کو "خود غرضی" کا جھوٹ کہا جاتا ہے۔ کھیل میں جھوٹ بول کر جیتنے کی کوشش کرنا' امتحان میں نقل کر کے پاس ہونے کی کوشش کرنا' ٹھیلوں اور دکانوں سے کھانے پینے کی چیزیں حاصل کرنے کے لیے دکان داروں کو الو بنانا' اسی قسم کے جھوٹ میں شامل ہے۔

گھر میں ایک دوسرے کے جرم کو چھپانے کے لیے جھوٹ بولا جاتا ہے۔ نتیجتاً بچے اپنے ہم جولیوں کے جرم چھپانے کے لیے جھوٹ بولنے لگتے ہیں۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ بچے سخت سزا اور لالچ کے باوجود اپنے ہم جولیوں کے خلاف گواہی دینے سے انکار کر دیتے ہیں' بلکہ بسا اوقات ان کی حمایت میں بے دریغ جھوٹ بھی بولتے ہیں۔

انجام کے لحاظ سے خطرناک جھوٹ وہ ہے جو دل لگی کے طور پر بولا جاتا ہے۔ گھر

میں چند عورتیں بیٹھی باتیں کر رہی ہیں کہ ایک عورت زاہدہ سے کہتی ہے "لو تمہارے بھیا آ گئے" زاہدہ چونک کر دروازے کی طرف دیکھتی ہے سب عورتیں اس کے بے وقوف بننے پر ٹھٹھا مار کر ہنس پڑتی ہیں۔ بچے کو بھی اس میں بڑا لطف آتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ یہ تو بہت دلچسپ کھیل ہے اور پھر اپنے ہم جولیوں سے لطف لینے کے لیے نئے نئے جھوٹ گڑھتا ہے۔ اس طرح اس کا ذہن جھوٹ گڑھنے کا عادی ہو جاتا ہے۔

ہمارے معاشرے میں بعض جھوٹ اتنے عام ہو گئے ہیں کہ انہیں بالکل معیوب نہیں سمجھا جاتا۔ آپسی تعلقات اور کاروباری معاملات میں جھوٹ کو کسی خاص بری نظر سے نہیں دیکھا جاتا' ایسے معاشرے میں پروان چڑھنے والا بچہ آخر کس طرح جھوٹ سے دور رہ سکتا ہے۔

بچے کو جھوٹ کی عادت سے دور رکھنے کی سب سے بڑی ذمہ داری اس کے والدین اور گھر کے افراد پر عائد ہوتی ہے۔ اگر آپ کی یہ آرزو ہے کہ آپ کا بچہ جھوٹ کی لعنت سے پاک رہے تو اپنے گھریلو ماحول کو جھوٹ سے پاک و صاف رکھیں۔ آپ کی کسی بات یا کسی عمل میں جھوٹ کا شبہ بھی نہ ہو۔ کسی واقعہ یا بات کو دلچسپ بنانے کے لیے اس میں ذرا بھی رنگ آمیزی نہ کیجئے۔ بچے کے سامنے کسی قسم کا جھوٹ نہ بولیے۔ بچہ صدق و صفا کی طبیعت لے کر پیدا ہوا ہے۔ اس کی اس صاف و شفاف طبیعت کو جھوٹ کی گندگی سے گدلا نہ کیجئے۔ بچہ کتنی صاف طبیعت لے کر دنیا میں آتا ہے اس کا اندازہ ایک معمولی واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے۔

ایک بار ایک شخص نے اپنے دوست کے دروازے پر آ کر دستک دی' دوست اس وقت ملنے کے موڈ میں نہیں تھے' اپنے بچے کو آہستہ سے پاس بلایا اور کہا کہ جاؤ کہہ دو: "ابو گھر میں نہیں ہیں۔" بچہ دروازے پر آیا اور نووارد سے کہا: "ابو کہہ رہے ہیں کہ ابو گھر میں نہیں ہیں۔"

معصوم بچے کی سادگی دیکھیے کہ جس بچے کو جھوٹ بولنے کی تلقین کی جا رہی ہے' وہ اپنی سادہ طبیعت کی وجہ سے جھوٹ نہیں بول پا رہا ہے۔ مگر جب بچے کے سامنے بار بار

جھوٹ بولا جائے گا تو آخر وہ جھوٹ کی عادت سے کس طرح دور رہ سکتا ہے۔ معصوم بچے کے ذہن کو جھوٹ سے محفوظ رکھنے کی سب سے بہتر تدبیر یہ ہے کہ اسے "جھوٹ کے خول" سے دور رکھا جائے۔

جھوٹ بولنے کے مختلف عوامل و محرکات ہوتے ہیں۔ زیر تربیت بچہ اگر جھوٹ بولتا ہے تو اس کے جھوٹ کے اسباب کا پتا لگایئے' نفسیاتی تجزیہ کیجئے۔ اسباب کی تشخیص کے بعد حسب حال تدبیر کیجیے۔ سزا یا انعام کا لالچ دے کر سچ بولنے کی تلقین کیجیے۔

بچے کی اصلاح کے لیے اس سے حسن ظن رکھنا ضروری ہے۔ اگر بچہ کسی بات پر یہ کہے کہ میں سچ کہہ رہا ہوں تو خواہ مخواہ اسے جھوٹا ثابت نہ کیجیے نہ یہ کہہ کر جھڑکیے کہ تم جھوٹ بول رہے ہو" اس طرح کے جملوں سے اس کے بگڑنے کا امکان بڑھ جاتا ہے۔ بار بار جھوٹ کے الفاظ سن کر یا تو اس کی نظر میں جھوٹ کی قباحت کم ہو جائے گی یا وہ یہ سوچ کر جھوٹ بولنے لگے گا کہ لوگ تو مجھے جھوٹا سمجھتے ہیں۔ اس لیے بچے کو "جھوٹا' مکار' فریبی" جیسے الفاظ سے کبھی بھی نہ پکاریے اگر اس سے جھوٹ کا جرم صادر ہو جائے تو نہایت دل سوزی اور محبت سے تنہائی میں سمجھایئے اور یہ بات ذہن نشین کرائیے کہ جھوٹ بولنے سے معاشرے میں اس کی کوئی وقعت باقی نہیں رہے گی۔ سمجھانے کے دوران اسے لعن طعن بالکل نہ کیجیے اور نہ اسے اپنی صفائی ہی پر مجبور کیجیے۔ کیونکہ اس کا عین امکان ہے کہ وہ ایک جھوٹ چھپانے کے لیے کئی جھوٹ بول دے۔ اس لیے صبر و تحمل سے کام لیجیے اگر بچہ اپنے جرم کا اعتراف کر لے تو اسے کوئی سزا نہ دیجیے۔ اعتراف جرم ہی اصلاح کا آغاز ہے۔ بچہ اگر جھوٹ بولنے کی غلطی کرے تو اس سے یوں مخاطب نہ ہوں "جھوٹے مکار! سچ بتا تو نے کیا کیا ہے؟" بلکہ نہایت نرمی سے تنہائی میں یوں سمجھایئے "دیکھو بیٹا! سچ بولنے والا بچہ سب کو پیارا ہوتا ہے اور جھوٹے بچے سے سب نفرت کرتے ہیں۔ جھوٹ بولنے سے کیا فائدہ؟ اگر تم سچ سچ بتا دو گے تو ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے اور ہماری طبیعت بھی تم سے خوش ہو جائے گی۔" آپ کے اس محبت آمیز لب و لہجے سے بچہ یقیناً آپ کو صحیح بات بتا دے گا۔ اب بچے کے سچ بولنے پر یوں نہ کہیے

کہ : "پہلے تم نے جھوٹ کیوں بولا اب تو تیری پٹائی ہو گی۔" بلکہ بچے سے کیے گئے وعدے پر قائم رہیے۔ ایسے موقع پر ڈانٹ پھٹکار بہت نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔ شفقت بھری ایک دو نصیحتیں کر کے بچے کی غلطی کو ہمیشہ کے لیے بھول جائیے۔ توقع ہے کہ آپ کی اس حکمت عملی سے بچہ آئندہ جھوٹ بولنا چھوڑ دے گا۔

غلطی کے فوراً بعد ہی بچے سے اعتراف جرم کرانے کی کوشش ہرگز نہ کیجیے۔ کیونکہ اس نے ابھی ابھی جرم کیا ہے۔ اس کا ضمیر اضطراب اور کشمکش کے عالم میں ہے' کچھ اپنی غلطی کا احساس ہے اور کچھ سزا کا ڈر ہے۔ اس عالم میں اگر آپ اس سے کوئی بات پوچھیں گے تو وہ مزید پریشانی سے پیچھا چھڑانے کے لیے جھوٹ پر جھوٹ بول دے گا۔ ذرا توقف کیجیے۔ اس کی اضطرابی کیفیت ختم ہو جانے کے بعد شفقت و محبت کے ماحول میں اس سے گفتگو کیجیے۔ اس طرح غلطی کیے ہوئے کافی وقت گزر چکا ہے تو بھی اسے چھیڑنا مناسب نہیں ہے۔ بچے کو بھولی ہوئی غلطی یاد دلانا اور اس کے اقرار کی کوشش کرانا بھی غیر دانش مندانہ فعل ہے۔ اس سے اصلاح کے بگاڑ کا اندیشہ رہتا ہے۔

اگر آپ یہ محسوس کریں کہ بچہ بہت سی فرضی باتیں سنا کر لطف اندوز ہوتا ہے۔ تو آپ کلی طور پر پابندی نہ لگائیں۔ اس لیے کہ تخلیقی رجحان بچے کے اندر تخلیقی صلاحیت کا پتا دیتا ہے۔ اگر اس تخلیقی صلاحیت کو سختی سے دبانے کی کوشش کی جائے تو بچے کی فطرت پر بڑا ظلم ہو گا۔ ایسے بچے کو پاکیزہ افسانے اور تاریخی ناول پڑھنے کے لیے دیے جائیں۔ صالح شعر و ادب کا مطالعہ کرایا جائے۔ اس سے بچے کے تخیلاتی رجحان کو تشفی بھی ملے گی اور اس میں جلا بھی پیدا ہو گا۔ اسے تاریخی مقامات اور قدرتی مناظر کی سیر کرائی جائے' تاکہ اس کے اندر حقیقت پسندی کا رجحان پیدا ہو سکے اور اس کی تخلیقی صلاحیت میں ایک توازن قائم ہو جائے۔

بچہ جب والدین سے کوئی سوال کرے تو والدین ٹال مٹول یا غلط بیانی کے بجائے راست گوئی کا رویہ اپنائیں اور بچے کو تسلی بخش جواب دیں۔ اس طرح بچے کے سامنے اپنی بے جا تعریف کرنا یا شیخی بگھارنا بھی خطرناک ہے۔ آپ کی طرح بچے کو بھی شیخی بگھار

کر ذہنی فرحت حاصل کرنے اور دوسروں سے داد وصول کرنے کی چاٹ پڑ جائے گی۔

وقتاً فوقتاً بچے کو جھوٹ کے نقصان سے آگاہ کرتے رہیے' اسے بتائیے کہ جھوٹ بولنے والے کے لیے مرنے کے بعد سخت عذاب ہے۔ پیارے نبی ﷺ نے جھوٹ بولنے والے کو منافق کہا ہے [1] اور منافق کا انجام جہنم کی دہکتی ہوئی آگ ہے۔ جھوٹ بولنے والے کے مقابلے میں سچ کے فائدے بتائیے۔ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے بزرگوں کی سچائیوں کے واقعات سنا کر سچ بولنے کی تلقین کیجیے۔

بچے کو ٹالنے کے لیے جھوٹ کا سہارا

عام گھروں میں یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ اگر بچہ بھوک پیاس یا تکلیف کی وجہ سے روتا ہو تو والدہ اسے چپ کروانے کے لئے طرح طرح کے غلط حربے استعمال کرتی ہے' کتے بلے سے ڈراتی ہے' کبھی جھوٹے وعدے دیتی ہے' تیرے لئے فلاں چیز لاتی ہوں' تیرا ابو تیرے لئے فلاں چیز یا کھلونے وغیرہ لینے کے لیے گیا ہے۔ یہ تمام جھوٹ کی شکلیں ہیں کہ جس کا بچے کی شخصیت پر برا اثر پڑتا ہے اور اس منظر کو دیکھنے والے بڑے بچے بھی اس طرح جھوٹ بولنے کا سبق سیکھتے ہیں اور پھر ایسا کرنا باعث گناہ بھی ہے' اگر تو اس ماں کی بات واقعی حقیقت ہو تو کوئی حرج نہیں اگر امر واقعہ اس کے خلاف ہو اور اس طرح جھوٹ بول کر بچے کو چپ کرانا مقصود ہو' نہ کوئی کتا اور بلا ہو اور نہ ہی کوئی چیز اسے دینے کا پروگرام ہو۔ دیکھئے کتنی غلط تربیت ہے' ایک تو بار بار وعدہ خلافی دوسرا جھوٹ اور مزید یہ کہ اس سے بچے میں بزدلی بھی پیدا ہوتی ہے۔ یہ سب کتنے بڑے جرائم ہیں۔ ماں بچے کی پہلی درس گاہ ہے اگر اسے اسی درس گاہ میں غلط درس ملا تو اس کی صحیح تربیت کہاں ہو گی؟ رسول کریم ﷺ نے ایسی والدہ کے لیے' بہترین تعلیم فرمائی ہے:

---

[1] جھوٹ بولنے والے کو منافق تو نہیں کہا البتہ جھوٹ کو منافق کی نشانیوں میں سے ایک نشانی قرار دیا ہے۔ دیکھئے صحیح بخاری' کتاب الایمان: باب علامات المنافق (ح ۳۳' ۳۴) صحیح مسلم' کتاب الایمان: باب خصال المنافق (ح ۵۸' ۵۹) واللہ اعلم!

((عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بنِ عَامِرٍ دَعَتنِی اُمِّی یَومًا وَ رَسُولُ اللّٰه صلی الله علیه وسلم قَاعِدٌ فِی بَیتِنَا فَقَالَتْ هَا تَعَال اُعْطِیْكَ فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللّٰه صلی الله علیه وسلم مَاأَرَدْتِ أَنْ تُعْطِیَهُ فَقَالَتْ أَرَدْتُ انْ أَعْطِیَهُ تَمرًا فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللّٰه صلی الله علیه وسلم لَولَم تُعطِیِهِ شَیْأً کُتِبَتْ عَلَیكِ کِذْبَةٌ))

"عبداللہ بن عامر فرماتے ہیں کہ ایک دن میری والدہ نے مجھے آواز دی جبکہ رسول اللہ بھی اسی مقام پر تشریف فرما تھے۔ میری والدہ نے مجھے کچھ دینے کا وعدہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے میری والدہ سے دریافت کیا کہ: "تیرا اپنے بیٹے کو کیا دینے کا ارادہ ہے جو تو نے اس سے وعدہ کیا ہے؟" تو میری والدہ نے جواب دیا کہ: "میں نے اس کو کھجور دینے کا ارادہ کیا تھا۔" تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر تو اس بچے کو کوئی چیز نہ دیتی تو تیرے اعمال نامہ میں جھوٹ لکھا جاتا (جس کا تجھے گناہ ہوتا)"[1]

لہٰذا بچوں کے ساتھ ان کو چپ کروانے یا کوئی کام کروانے کے لیے یا کسی بات اور مسئلہ میں ٹالنے کے لئے بھی جھوٹ نہ بولنا چاہیے۔ اس سے بچے کا ماں باپ سے اعتماد اٹھ جاتا ہے اور آئندہ ہونے والے تربیتی مراحل کو بھی وہ جھوٹ سمجھ کر یا مشکوک جان کر قبول کرنے سے عملی طور پر یا ذہنی طور پر انکار کر دیتا ہے۔

حسد حسد وہ تباہ کن بیماری ہے جو انسانی صحت کو دیمک کی طرح چاٹتی اور نیکیوں کو لکڑی کی طرح جلا کر رکھ دیتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑیوں کو بھسم کر دیتی ہے۔"[2]

ذرا تصور کیجئے اس انسان کا جس کی تمام نیکیاں حسد نگل جائے اور انسان کورا کھڑا

---

[1] سنن ابوداؤد، کتاب الادب: باب التشدید فی الکذب (ح ۴۹۹۱)

[2] سنن ابوداؤد، کتاب الادب: باب فی الحسد (ح ۴۹۰۳)

رہ جائے۔ اس پر مستزاد یہ کہ حسد اس کی صحت کو دیمک کی طرح چاٹ کر رکھ دے۔ کیا ایسے انسان سے کسی کامیابی یا بھلائی کی توقع کی جا سکتی ہے؟ حسد جیسی مہلک بیماری کے جراثیم بھی بچپن کی تربیت میں تغافل و تساہل کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں۔ حسد کا نشوونما عموماً اجتماعی ماحول یا دوسرے بہن بھائیوں کی موجودگی میں ہوتا ہے۔

بچہ جب دیکھتا ہے کہ دوسروں کو جو چیزیں میسر ہیں وہ اس کے پاس نہیں ہیں' دوسرے بچوں کے پاس جو کھلونے اور مٹھائیاں ہیں وہ ان سے محروم ہے' تو بچہ حسرت و یاس سے دوچار ہوتا ہے۔ یہی حسرت بہت جلد حسد اور بغض و کینہ کی کیفیت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

اس کے تدارک کے لیے والدین کو چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کے درمیان کھلونوں اور دوسری چیزوں کے سلسلے میں انصاف سے کام لیں اور ان کے لباس اور کھلونوں وغیرہ میں یکسانی و ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ بچہ جب کسی دوسرے بچے کے پاس موجود چیز کو دیکھ کر اس کی خواہش کرے تو اسے وہ چیز فراہم کرا دی جائے' تاکہ خواہش عدم تکمیل کی صورت میں حسرت اور پھر حسد کی شکل اختیار نہ کر سکے۔

عام طور سے دیکھنے میں آیا ہے کہ جب گھر میں نئے بچے کی ولادت ہوتی ہے تو وہ سب کی توجہ کا مرکز بن جاتا ہے' ہر کوئی اسے پیار کرتا ہے' گود لیتا ہے' چومتا ہے' تھپتھپاتا ہے۔ اس کے لیے طرح طرح کے کپڑے خریدے جاتے ہیں۔ مختلف اقسام کے کھلونے لائے جاتے ہیں۔ لیکن پہلے بچے کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا' وہ ماں کے پاس جا کر نومولود بچے کو چھوتا ہے تو اسے ڈانٹ پلا دی جاتی ہے "خبردار جو چھوٹے منے کو ہاتھ لگایا"...... "کیا اسے مار ڈالے گا"...... "اپنے گندے ہاتھ سے مت چھُو اسے" اس طرح کے فقرے جب وہ سنتا ہے تو اس کے دماغ میں کھلبلی مچ جاتی ہے کہ کل جو لوگ مجھ سے بے پناہ محبت کرتے تھے آخر آج کیوں مجھ سے کترانے لگے ہیں؟ لوگوں کی نظریں کیوں بدل گئی ہیں؟ سب نے میری ضرورتوں کو کیوں نظر انداز کر دیا ہے؟ وہ سوچتے سوچتے صرف اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ اس نومولود نے میرے تمام حقوق پر قبضہ جما لیا

ہے' یہی میرا دشمن ہے' اس کی یہی سوچ حسد کی بنیاد ہے' پھر وہ اس معصوم کو اپنی دشمنی کا نشانہ بناتا ہے۔ وہ انتقام کی آگ میں جل کر کہتا ہے: "امی اس کو باہر پھینک دو۔" یہ ضد کرتا ہے: "امی اسے تالاب میں ڈال آؤ۔" یہ روتا ہے۔ جب اس طرح کام نہیں چلتا تو وہ خود نومولود کو پریشان کرنے لگتا ہے' کبھی اس کا ہاتھ مروڑ دیتا ہے' کبھی اس کے جسم کے کسی حصے کو نوچ لیتا ہے کبھی چپت لگا کر سکون حاصل کرتا ہے' اس طرح بچے میں حسد کے جذبات پروان چڑھتے ہیں۔

اگر ماں باپ نومولود کی آمد پر پہلے بچے کو بھی شفقت و محبت سے نوازیں اور اسے عدم التفات کا احساس نہ ہونے دیں تو حسد اور بغض و عناد کے جذبات کی نشوونما نہ ہو سکے گی۔ عموماً والدین کے غیر منصفانہ رویے سے حسد کی ابتدا ہوتی ہے جو بہت سی ناکامیوں اور مصیبتوں کا پیش خیمہ ہوتی ہے اگر والدین چابک دستی سے بچوں کے درمیان عدل و قسط سے کام لیں تو حسد کی عادت ہی نہ پیدا ہو سکے گی اور اگر اس کے نقوش ابھرتے دکھائی دیں تو فوراً اس کا تدارک کرنا چاہیے۔

چوری چکاری

شخصی ملکیت کا دستور جتنا قدیم ہے' چوری کی بیماری بھی اتنی ہی قدیم ہے۔ املاک کے اضافے سے انسان ذہنی سکون حاصل کرنے کے ساتھ معاشرے میں بھی قدر و منزلت حاصل کرتا ہے۔

کسی چیز پر قبضہ کرنا اور اس کا مالک بننے کی خواہش' انسان کی جبلت میں شامل ہے۔ لیکن اس خواہش کو جائز و ناجائز اور حرام و حلال کا پابند ہونا ضروری ہے۔ فطری خواہش کی تکمیل کے لیے تمام جائز ذرائع استعمال کیے جا سکتے ہیں۔ دولت حاصل کرنا' جائیداد کا مالک ہونا اسلام کی نظر میں قطعاً برا نہیں ہے' البتہ جائز طریقے پر ہی ایسا کیا جانا چاہیے۔ دوسروں کے حقوق کی ادائی اور دوسروں کی املاک کے احترام کے ساتھ انسان جتنی بھی املاک حاصل کر سکے' وہ اس کے لیے جائز ہے' بلکہ بعض پہلوؤں سے مستحسن بھی ہے۔

کسی کے حق کو غصب کر کے یا کسی کی ملکیت پر ناجائز قبضہ کر کے اپنی املاک میں اضافہ کرنا نہ اسلامی نقطہ نظر سے جائز ہے اور نہ ہی انسانی نقطہ نظر سے۔ ہر معاشرے

میں ناجائز قبضے کو ناپسندیدہ نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ ناجائز قبضے کی دو صورتیں ہیں۔ کسی کی املاک پر اس کے سامنے زور زبردستی سے قبضہ کرلینا' اسے ڈکیتی کا نام دیا جاتا ہے اور کسی کی املاک پر اس سے چھپا کر قبضہ کرلینا چوری ہے۔ چوری کی عادت سے ڈکیتی کی طرف رغبت ہوتی ہے۔ اگر چوری کی عادت کو پختہ نہ ہونے دیا جائے' تو انسان ڈکیتی کی طرف راغب نہ ہو سکے گا' اس لیے یہاں صرف چوری پر گفتگو کی جائے گی۔ ویسے بھی بچہ جب تک بچہ رہتا ہے ڈکیتی کی جرأت و ہمت اس میں پیدا نہیں ہو پاتی۔ عموماً بالغ افراد ہی ڈکیتی میں ملوث پائے جاتے ہیں۔

چوری ایک سماجی ناسور ہے جو معاشرے کے امن و سکون کو غارت کر دیتا ہے۔ چوری کس قدر گھناؤنا فعل ہے' اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام نے چور کا ہاتھ قلم کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ مسلمان جب چوری کرتا ہے تو اس کے اندر ایمان باقی نہیں رہتا۔[1]

چوری کی عادت اگر بچپن میں پختہ ہو جائے تو بعد میں اس کا چھڑانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ بچپن میں چوری کے محرکات مختلف ہوتے ہیں۔ ایک بڑا محرک یہ ہے کہ بچپن میں طرح طرح کی چیزیں اکٹھا کرنے کی ہوس بہت تیز ہوتی ہے۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ بچہ ادھر ادھر سے بہت سی چیزیں سمیٹ کر اکٹھا کرتا ہے۔ وہ اپنے ہم عمر ساتھی کا خوب صورت کھلونا چھین کر اسے واپس کرنے سے صاف انکار کر دیتا ہے۔ کسی چیز سے جذباتی تعلق بھی اس چیز کی چوری کا محرک بن جاتا ہے۔ کبھی صرف کسی کو تنگ کرنے یا اسے نقصان پہنچانے کے مقصد سے چوری کی جاتی ہے۔ انتقام اور جذبہ بغاوت بھی چوری کا محرک ہوتا ہے۔ غربت و افلاس اور بچے کی ضرورتوں کی عدم تکمیل بھی چوری چکاری کا اہم سبب ہے۔ جو بچے بے کیف فضا میں پرورش پاتے ہیں یا دولت کی اضطراب انگیزیوں

---

[1] صحیح بخاری' کتاب الحدود: باب ما یحذر من الحدود (ح ٦٧٧٢) صحیح مسلم' کتاب الایمان: باب بیان نقصان الایمان بالمعاصی (ح ٥٧)

میں پروان چڑھتے ہیں وہ آگے چل کر خطرناک قسم کے مجرم بنتے ہیں۔ بچہ والدین کے تشدد آمیز سلوک اور مدرسے کے سخت ماحول یا استاذ کی بے توجہی سے تنگ آکر چوری چکاری اور مجرمانہ سیرت و کردار اختیار کر لیتا ہے۔ والدین کی بد مزاجی و بداخلاقی' وعدہ خلافی و عہد شکنی بھی بچے میں چوری کی عادت کا سبب بنتی ہے۔ اگر والدین اللہ نہ کرے خود کسی خیانت اور چوری کا ارتکاب کرتے ہوں تو بچے کی اصلاح کی کوئی گنجائش نہیں۔

ایسی فلمیں جن میں چوری چکاری قتل و غارت گری' فریب اور چار سو بیسی کے مناظر دکھائے گئے ہوں' بچوں میں چوری کا رجحان پیدا کرتی ہیں۔ ٹیلی ویژن کے غیر مہذب پروگرام دیکھنے' جاسوسی ناول پڑھنے' اخبارات میں جرائم کی خبریں پڑھنے' گھٹیا کامکس اور فحش کتابوں کے مطالعے سے بھی چوری کی عادت پیدا ہوتی ہے۔ ذہنی یا جسمانی بیماری کی وجہ سے بھی چوری کی عادت پڑ جانے کا امکان رہتا ہے۔ مگر کامیاب علاج کے ساتھ ہی چوری کی عادت ختم بھی کی جاسکتی ہے۔

بچے کو کھیلنے اور کھانے کے لیے اس کی مطلوبہ چیزوں کے حصول میں کوئی تاخیر نہ کیجیے۔ اگر وہ اپنی پسند کی کچھ چیزیں جمع کرنا چاہے تو شوق سے جمع کرنے دیجیے۔ گھر کا ماحول بہت صاف ستھرا رکھیے۔ اپنے اخلاق و کردار کا برابر جائزہ لیتے رہیے۔ تاکہ بچہ جب اپنے آپ کو آپ کے کردار میں ڈھالے تو اس کو کوئی کمی نہ محسوس ہو۔ گندی فلموں اور ٹیلی ویژن کے مخرب اخلاق پروگراموں سے اسے روکیے۔ اس کو ایسے اسکول میں داخل کیجیے جہاں محض درسیات پر زور نہ دیا جاتا ہو' بلکہ مختلف دلچسپ طریقوں سے بچے کی شخصیت کے تمام ہی پہلوؤں کی نشوونما پر توجہ دی جاتی ہو۔ ان مدرسوں سے اپنے بچوں کو دور رکھیے جہاں فرسودہ نظام تعلیم رائج ہے۔ جہاں تعلیم کا مقصد و معیار صرف یہ ہو کہ "منشی جی" "مولوی صاحب" "حافظ جی" ہاتھ میں چھڑی لیے رٹنے رٹانے میں مصروف رہتے ہوں۔ ایسے بے کیف ماحول میں بچے کے اندر مجرمانہ ذہنیت نشوونما پاتی ہے۔

آوارگی

بعض بچوں میں آوارہ گردی کی لت ہوتی ہے۔ اگرچہ کچھ بچوں کو آوارہ گردی وراثت میں ملتی ہے۔ خانہ بدوش' تارک الوطن اور سیلانی والدین کے بچوں

میں آوارہ گردی ان کی فطری جبلت محسوس ہوتی ہے' وہ دن کا بیشتر حصہ بیابان' جنگل' دریا کے کنارے' باغ کے سائے میں یا بازاروں کی چہل پہل میں گزار کر اپنی زندگی میں محسوس ہونے والے خلاء کو پُر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے بچوں کی آوارہ گردی پر قابو پانے کے لیے انہیں قید و بند کی سزائیں دینا ان کے جذبات کو مزید آوارہ گردی کے لیے بھڑکانے کے مترادف ہے۔

گھر اور اسکول سے بھاگ جانا بھی بعض بچوں کا محبوب مشغلہ ہوتا ہے۔ مدرسے اور اسکول سے فرار ہو جانے کی یہ عادت مستقبل میں جرائم پیشگی کی راہ ہموار کرتی ہے۔ آوارہ گرد بچے کی نفسیات کا گہرا مطالعہ کر کے اصل محرکات کا پتا لگانا چاہیے۔ کوئی بھی تعزیری کارروائی آوارہ گردی کو ختم کرنے کے بجائے' اس میں اضافے کا سبب بن سکتی ہے۔ آوارہ گردی کے محرکات متعدد اور پیچیدہ ہوتے ہیں۔ بہت سے داخلی اور خارجی عناصر طرح طرح سے مل کر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ ایسے بچے کے محرکات و اسباب کا تدارک کیا جائے۔

بچہ فطری طور پر گھومنے پھرنے کا شیدائی ہوتا ہے۔ یہ ولولہ اس کے دل میں بار بار جوش مارتا ہے کہ وہ اپنے مخصوص ماحول اور گرد و پیش سے نکل کر باہر کی دنیا کو دیکھے کہ آخر وہ کیسی ہے؟ بچے میں ایک مبہم سی امنگ خطرپسند مہموں کو سر کرنے کے لیے اسے ہر وقت آمادہ رکھتی ہے۔ وہ بچہ اپنے مانوس ماحول سے ہٹ کر غیر مانوس ماحول کی طرف بے مقصد سفر کے لیے عجیب و غریب تصورات کے ساتھ بے چین رہتا ہے۔ یہی اضطراب اور بے چینی بچے کے بھگوڑ پن اور آوارہ گردی کا سبب بنتی ہے۔

اچھے اور کامیاب والدین وہ ہیں جو بچے میں بھگوڑے پن کی عادت ہی سے پہلے اس کے ذوق کی تکمیل کا سامان مہیا کرتے ہیں۔ چہل قدمی کے لیے اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ قدرتی مناظر اور تاریخی مقامات کی سیر و تفریح کا بندوبست کرتے ہیں۔ سامان کی خرید و فروخت کے لیے اس کو اپنے ہمراہ بازار لے جاتے ہیں۔ بے پناہ مصروفیت کے باوجود اپنے بچوں کے فطری شوق کی تکمیل کے لیے وقت اور پیسے کی قربانی دیتے ہیں۔ ان

کاموں میں زیادہ دخل اندازی نہیں کرتے' اس کے ساتھ بلاوجہ روک ٹوک روا نہیں رکھتے' گھریلو ماحول کو نہایت فرحت انگیز بنائے رکھتے ہیں۔ اس کے لیے مختلف دلچسپ مشاغل فراہم کرتے ہیں۔ بیت بازی' چٹکلے' پہیلیاں' قصے کہانیاں اور تعلیمی کھیل وغیرہ سے بچے کی دلچسپیوں کو برقرار رکھتے ہیں۔ کبھی بھی اکتا دینے والا ماحول پیدا نہیں ہونے دیتے۔

گھر سے بھاگ نکلنے کی عادت کے بہت سے اسباب ہوتے ہیں۔ گھر کی بے کیف اور سخت تر زندگی' گھریلو جھگڑوں سے پیدا شدہ باہمی رنجش و کدورت' دکانوں سے طرح طرح کی چیزیں خرید کر کھانے کی چاٹ' کھیل کے میدانوں دریا کے کناروں' پر رونق بازاروں' سرسبز کھیتوں اور پھل سے لدے ہوئے باغوں میں گھومنے کی امنگ بچے کو گھر سے بھاگنے پر آمادہ کرتی ہے۔ اگر ابتدا ہی میں اس خطرناک رجحان پر بند نہ لگایا جائے تو بچے کے آوارہ گرد اور مجرم بن جانے کا سخت اندیشہ رہتا ہے۔

ایک بچہ جبلی تقاضے کے تحت سیرو تفریح کے لیے گھر سے بھاگتا ہے۔ ایک بچہ گھریلو الجھن یا ذہنی اضطراب سے تنگ آکر گھر سے بھاگتا ہے۔ اگرچہ دونوں کا عمل بالکل ایک ہی ہے مگر نوعیت میں بڑا فرق ہے۔ اس لیے بھاگنے کے حقیقی رجحانات اور باطنی و ظاہری محرکات کا گہرائی سے مطالعہ کرنا ضروری ہے۔

مفلس گھرانے کا بچہ خوش حال اور مسرت انگیز ماحول کی تلاش میں اپنے گھر سے بھاگ نکلتا ہے۔ اسی طرح دیہات کی بے رنگ و کیف زندگی سے اکتایا ہوا بچہ شہر کے پرلطف ہنگاموں کی طرف بھاگتا ہے۔ اس طرح کے بچے دلچسپ ماحول کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ وہ متنوع ماحول کی رنگینیوں سے محظوظ ہونے کے لیے ادھر ادھر بھٹکتے رہتے ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو محض مفلس گھرانے کا مغموم ماحول اور دیہات کی بے کیف زندگی بھاگنے کا سبب نہیں' بلکہ اصل سبب بچے کا یہ احساس ہے کہ اس کی اپنی کوئی حیثیت نہیں۔ وہ ایک بے وقعت مخلوق ہے اور دنیا کی اس چہل پہل میں اس کا کوئی حصہ نہیں' اگر والدین گھریلو زندگی کے رویہ سے بچے میں یہ احساس پیدا نہ ہونے دیں تو وہ بھاگنے پر مجبور نہ ہوں۔ میں ایسے کئی نوجوانوں کو قریب سے جانتا ہوں جو صرف اس

لیے اپنے گھر سے بھاگنے پر مجبور ہوئے کہ ان کے والدین نے انہیں وہ باعزت ذریعہ معاش اختیار نہیں کرنے دیا جسے وہ اختیار کر کے سماج میں ''اچھے انسان'' کی طرح رہنا چاہتے تھے۔

بعض بچوں میں بھاگنے کی یہ عادت سکول سے شروع ہوتی ہے۔ سکول سے وہ کوئی بھی بہانہ کر کے اور چھٹی لے کر گھر پر آجاتے ہیں۔ گھر والوں کے پوچھنے پر کہہ دیتے ہیں کہ آج جلدی چھٹی ہو گئی کیونکہ سکول میں میچ ہو رہا ہے۔ یا فلاں ماسٹر صاحب کے والد صاحب کا انتقال ہو گیا ہے۔ بعض بچے گھر سے بستہ لے کر کسی تفریح کے مقام پر پہنچ جاتے ہیں اور جب چھٹی کا وقت ہوتا ہے تو بستہ لے کر نہایت معصومانہ انداز سے گھر واپس آجاتے ہیں اور گھر والے یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا لاڈلا پڑھ کر آگیا ہے۔

مدرسے سے بھاگنے کے بھی متعدد اسباب ہوتے ہیں۔ نصاب کا عمر یا ذہنی استعداد سے اونچا ہونا' ایسی صورت میں بچے کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا اور وہ تعلیم سے اکتا کر راہ فرار اختیار کرنے میں عافیت سمجھتا ہے۔ معلم کی سخت گیری بھی اسے راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ کسی وجہ سے استاذ کا غیر مشفقانہ رویہ اور ہم جولیوں کا مذاق اور لعن طعن بھی بھاگنے پر آمادہ کرتے ہیں۔ کیونکہ اس سے اسے فوری راحت اور سکون حاصل ہوتا ہے۔ بچے کو عمر اور ذہنی استعداد سے بالا درجے میں کبھی نہ داخل کرائیے۔ اپنے بچے کے لیے بہترین تعلیم گاہ کا انتخاب کیجئے جہاں کا نصاب تعلیم بھی موزوں ہو اور ماحول بھی دلچسپ' جہاں اساتذہ شفقت سے تعلیم دیتے ہوں اور کمزور بچوں کو مختلف دلچسپ طریقوں سے دوسرے طلبہ کے معیار پر لانے کے لیے مسلسل کوشش کرتے ہوں' جن بچوں کے گھریلو ماحول کی بے کیفی یا جسمانی نقص کی وجہ سے احساس کمتری کا اندازہ ہو' ان کی طرف خصوصی توجہ دیتے ہوں۔ انہیں احساس کمتری کی دلدل سے نکالنے کے لیے حکیمانہ طریقے اختیار کرتے ہوں۔ اس طرح کی تعلیم گاہوں سے آپ کا بچہ کبھی راہ فرار اختیار نہ کر سکے گا۔

بسا اوقات سکول سے بھاگ نکلنے کی پہلی حرکت محض اتفاق سے ہوتی ہے۔ بچہ جب

سکول پہنچا تو دیر ہو چکی تھی اور اسے استاذ کی سزا کا خوف لاحق تھا کہ راستے میں ایک منچلا ساتھی مل گیا۔ اب یہ دونوں کسی پر کشش مقام کی طرف چل دیے' وہاں مٹر گشتی میں اس قدر لطف آیا کہ بار بار یہ حرکت کرنے لگے[1] رفتہ رفتہ ان کی یہ عادت پختہ ہو جاتی ہے' ایسے بچوں کو ابتدا ہی میں سمجھا بجھا کر درست کر دیا جائے۔ والدین کی ذمے داری ہے کہ وہ اسکول سے بچے کی رپورٹ لے کر اس کا بغور مطالعہ ضرور کرتے رہیں۔

ایسے بچے بھی پائے جاتے ہیں جو مدرسے میں داخل ہونے ہی سے انکار کر دیتے ہیں یا تو اس لیے کہ بچہ گھر کی من پسند زندگی کو چھوڑ کر مدرسے کے اجنبی ماحول میں جانا پسند نہیں کرتا یا اس لیے کہ اس کے ذہن میں مدرسہ کے بارے میں غلط تصور بٹھا دیا گیا ہے' ایسے بچوں کو ان کی مرضی کے علی الرغم مدرسے میں داخل نہیں کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ وہ یا تو پڑھنے میں دلچسپی نہیں لے گا یا مدرسے بھاگنا شروع کر دے گا اور اگر آپ گھر پر سختی کریں گے تو وہ گھر سے بھی بھاگنا شروع کر دے گا اور اسے آوارہ گردی کی عادت ہو جائے گی۔ ایسے بچوں کو آپ کبھی کبھی اپنے ہمراہ مدرسے لے جائیں تاکہ وہ مدرسے کے ماحول سے مانوس ہو جائے اور اسے یہ محسوس ہو کہ مدرسے کا ماحول گھر کے ماحول سے کم دلچسپ نہیں ہے۔

مختصر یہ کہ بھگوڑے پن اور آوارہ گردی پر بغیر سوچے سمجھے سزا نہ دیں۔ اسی طرح آوارہ گردی کی جڑیں کمزور ہونے کے بجائے مزید مضبوط ہو جائیں گی۔ آوارہ گرد بچوں کی اصلاح کے لیے ان کے جذبات و احساسات' رجحانات و میلانات' ذہانت و استعداد' صحبت و اخلاق' محلہ و اسکول کا ماحول اس کے ہم جولیوں کا اخلاقی معیار گھر اور مدرسے کے نظم و نسق کی نوعیت کی تہہ تک پہنچنا ضروری ہے۔ انہیں دل کش ماحول فراہم کیجئے

---

[1] آج کل بچے مزاروں پر یا پھر مزاروں پر قائم منی سینما گھروں اور ویڈیو سنٹروں میں وقت گزار کر چھٹی کے وقت گھر واپس آ جاتے ہیں۔ لاہور قصور پتوکی فیصل آباد کراچی حیدر آباد راولپنڈی اسلام آباد اس وبا کے خاص طور پر شکار ہو چکے ہیں۔ ایسی جگہیں خاص طور پر مجرم ساز فیکٹریوں کا روپ دھار چکی ہیں۔

حتی الوسع اختیار و آزادی دیجیے تاکہ وہ اپنی اختراعی قوتوں کو روبہ عمل لا سکیں۔ مختلف کھیلوں' تفریحی پروگراموں اور بامقصد سیرو تفریح سے ان کے لذت پسند تقاضوں کی تشنگی دور کیجیے۔ تاکہ وہ آوارہ گردی کی طرف رخ ہی نہ کر سکیں۔

پھسڈی پن

درجے میں پیچھے رہ جانے والے بچے کو عموماً "پھسڈی بچہ" کہا جاتا ہے۔ ہر کلاس میں کچھ بچے ایسے ہوتے ہیں جو وقتی طور پر ایک دو مضمون میں سست روی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہ صورت حال فطری ہے' اس پر زیادہ تشویش کی ضرورت نہیں' معمولی توجہ سے یہ کمی جلد یا بدیر دور ہو سکتی ہے۔ البتہ وہ طلبہ جو مستقل' اکثر یا تمام ہی مضامین میں درجے کے ساتھیوں سے پیچھے رہتے ہیں' خاص توجہ کے مستحق ہیں۔ پھسڈی پن کے اسباب بے شمار اور مختلف ہوتے ہیں۔ اسباب کا گہرائی سے مطالعہ کر کے پھسڈی بچوں کی طرف غیر معمولی توجہ دینا چاہیے' ورنہ ان کا مستقبل تباہ ہونے کا اندیشہ ہے۔

بعض بچے غبی اور کند ذہن ہونے کی وجہ سے پھسڈی رہ جاتے ہیں۔ ایسے بچوں کو ان کی اپنی رفتار سے چلانا چاہیے اور گھریلو زندگی اور مدرسے کے تعلیمی نظام میں رعایت دینا چاہیے۔ اسکول میں ان پر خصوصی توجہ دینی چاہیے۔ اگر مناسب ہو تو کمزور ذہن کے طلبہ کے لیے الگ سے کلاس کا اہتمام کیا جائے' ان سے ان کی استعداد و صلاحیت سے زیادہ کام نہ لیا جائے۔

پھسڈی پن کا ایک بڑا سبب پابندی سے اسکول نہ جانا یا اکثر و بیشتر دیر سے جانا ہے۔ درجے سے غیر حاضری بچوں کو لازمی طور پر پھسڈی بنا دیتی ہے۔ کیونکہ اس سے بہت اسباق چھوٹ جاتے ہیں جس کے نتیجے میں وہ اگلے اسباق سمجھنے سے قاصر رہتا ہے۔ اگر بچے میں پھسڈی پن غیر حاضری کی وجہ سے پیدا ہو رہا ہے تو غیر حاضری کے اسباب کا پتا لگا کر بچے کے وقت پر پابندی سے اسکول بھیجنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

اساتذہ کا ظالمانہ رویہ بھی پھسڈی پن کا محرک ہوتا ہے۔ بہت سے معلم نہایت خشک انداز سے پڑھاتے ہیں۔ بات بات پر "کان پکڑی" اور ڈنڈے کا استعمال کرتے ہیں۔

طلبہ کی نفسیات اور رجحانات کا مطالعہ کیے بغیر سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکا جاتا ہے۔ سبق کسی کے پلے پڑے یا نہ پڑے' یہ دقیانوسی معلم پڑھائے چلے جاتے ہیں۔ بولنے پر آمادہ ہوتے ہیں تو رکنے کا نام نہیں لیتے اور خاموش ہونے پر آتے ہیں تو کسی طالب علم کو اپنی الجھن پیش کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ وہ اپنے کو "عقل کل" سمجھتے ہیں اور کسی بھی نئے طریقے سے استفادے کو اپنے علم کی توہین تصور کرتے ہیں۔

اگر آپ کا بچہ اس قسم کے معلمین کے حوالے ہو گیا ہے تو ان کے چنگل سے نجات دے کر اپنے بچے کو ان مشفق اساتذہ کی آغوش تربیت میں منتقل کر دیجیے جو تعلیم و تدریس کے فن سے دلچسپی رکھتے ہوں' بچوں کی نفسیات کی روشنی میں مسائل کو سمجھنے اور حل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ جو ڈنڈے کی بجائے شفقت سے تعلیم و تدریس کے اصول پر عمل پیرا ہوں' جو گوناگوں دلچسپیوں سے اسکول کی زندگی کو اس قدر لطف اندوز کر دیتے ہوں کہ بچہ کسی بھی صورت تنفرو اکتاہٹ کا شکار نہ ہونے پائے اور پھسڈی پن کو پھلنے پھولنے کا موقع نہ مل سکے۔

مدرسے کا غیر موزوں ماحول بھی پھسڈی پن کا سبب ہوتا ہے۔ اگر مدرسے کا محل وقوع غیر مناسب ہے۔ اس کے کمرے تنگ و تاریک ہیں۔ مدرسے کی عمارت کے پاس گندگی کے ڈھیر پڑے رہتے ہیں۔ طلبہ ننگی زمین یا ٹاٹ کے بوسیدہ ٹکڑوں پر بیٹھتے ہیں۔ دیواروں پر گرد و غبار اور چھت پر مکڑی جالے تنے ہوئے ہیں تو بچے کی طبیعت پڑھنے سے خود بخود اکتا جائے گی۔ وہ ایسے گھٹے ہوئے ماحول سے بھاگنے کی کوشش کرے گا۔ اپنے بچے کے لیے ایسی تعلیم گاہ کا انتخاب کیجیے جو جیل خانے کی بجائے تفریح گاہ معلوم ہو۔ جس کی عمارت سادہ ہی ہو مگر صاف ستھری ہو۔ نشست کا بہتر نظم ہو۔ تعلیمی و توضیحی نقشے' چارٹ وغیرہ وافر مقدار میں ہوں۔ نصابی کتب کے علاوہ دوسرے دلچسپ مشاغل مثلاً: آرٹ' کرافٹ' کھیل کود کے سامان بھی موجود ہوں۔

پھسڈی پن کا ایک بڑا سبب یہ ہوتا ہے کہ بچے پر عمر اور ذہنی صلاحیت سے زیادہ بار لاد دیا جاتا ہے۔ آدمی اپنے اوپر قیاس کر کے بچے سے اپنی جیسی توقعات وابستہ کر لیتا ہے۔

بچے کی بساط اور استعداد سے اونچے درجے میں اسے داخل کرا دیا جاتا ہے۔ کسی مضمون کو وقت سے پہلے یا کافی دیر سے شروع کرنا اور ترقی دینے میں بہت جلدی یا بہت تاخیر کرنا بھی بچے کو پھسڈی بنانے کا سبب ہو سکتا ہے۔

بچے کو اس کی عمر اور صلاحیت کے اعتبار سے موزوں درجے میں داخلہ دلائیے۔ فطری رفتار سے اسے آگے بڑھنے دیجیے۔ ایک سال میں دو درجے کا نصاب پڑھانے کی کوشش نہ کیجیے۔ بچے پر دوہرے کورس کا بار کبھی نہ ڈالیے۔ عموماً والدین بچے سے ایک ساتھ دو دو امتحان دلانے کی کوشش کرتے ہیں اگر بچہ عربی مدرسے میں پڑھتا ہے تو والدین سرکاری مضامین پرائیویٹ طور سے پڑھا کر سرکاری امتحان بھی دلانا چاہتے ہیں اور اگر بچہ سرکاری اسکول میں پڑھتا ہے تو بہت سے والدین اسے ادیب' منشی اور مولوی وغیرہ کے امتحانات دلانے کے لیے الگ سے اس پر بار ڈالتے ہیں۔ اس سے بچہ مایوسی کا شکار ہو سکتا ہے۔ اگر بچہ غیر معمولی ذہانت یا قوت حافظہ کا مالک ہے تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن متوسط ذہن رکھنے والے طلبہ کے ساتھ ایسا کرنا مناسب نہیں اور کند ذہن طلبہ کے ساتھ ایسا کرنا تو ظلم عظیم اور ان کی شخصیت کے قتل کے مترادف ہے۔

بچے کو پھسڈی بنانے میں گھر کے ماحول کو بھی بڑا دخل ہوتا ہے۔ گھر کی زبون حالی' والدین کی بیماری یا بے روزگاری کے سبب بچہ پابندی سے اسکول نہیں جا پاتا اور اچھا خاصا ذہین بچہ بھی پھسڈی ہو کر رہ جاتا ہے۔ ہمارے معاشرتی ارتقا میں غربت و افلاس ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ ملک کے سنجیدہ لوگوں کو ایسے نظام معیشت کے سلسلے میں گہرائی سے سوچنا چاہیے جو غریبی و امیری کی روز بروز بڑھتی ہوئی خلیج کو پاٹ سکے۔ تقریباً نصف آبادی جو خط غربت سے نیچے زندگی گزار رہی ہے' اسے خوش حال بنا سکے۔ مجموعی طور پر ملک کی معاشی حالت درست کر سکے اور ملک کا کوئی باشندہ بے روزگار نہ رہ سکے۔ اگر اسلامی اصول معیشت کی روشنی میں ملک کی خوشحالی کے لیے پروگرام بنایا جائے اور معاشرہ ذہنی طور پر اس کے لیے تیار ہو چکا ہو تو یقیناً ملک کا ہر باشندہ خوش حال ہو جائے۔ سود اور رشوت ستانی کے تمام بت ٹوٹ کر رہ جائیں گے۔ آنے والی نسلوں کی

بھلائی کے لیے بہر حال ایک عظیم انقلاب کی ضرورت ہے۔

خوش حال گھرانوں میں بھی والدین کا ناروا سلوک ان کی غیر ذمہ دارانہ روش، لین دین میں بے اصولانہ پن ان کی خباثت و بددیانتی سے بچہ مجرمانہ حرکتوں کا شکار ہو کر اسکولی کاموں میں دلچسپی کم لینے لگے گا۔ نتیجتاً وہ اپنے ساتھیوں سے کافی پیچھے رہ جاتا ہے۔ ایسی صورت حال میں والدین کو نہایت ایمان داری سے اپنا احتساب کرنا چاہیے اور بچے کے مستقبل کی خاطر اپنی روش میں نمایاں تبدیلی لانا چاہیے۔

گرد و پیش اور محلے کا مخرب اخلاق ماحول بھی بچے کو پھسڈی بنانے میں اہم رول ادا کرتا ہے۔ بچہ اسکول سے جو تھوڑا بہت سیکھ کر آتا ہے، وہ گلی کے آوارہ لڑکوں کی صحبت میں بھول بیٹھتا ہے، وہ آوارہ گردی اور بھگوڑے پن کے قصے سن کر گمان کرنے لگتا ہے کہ تعلیم میں مغزنی (مغزماری) کرنا محض فضول ہے۔ اگر اس کے والدین اس کو مدرسے بھیج بھی دیتے ہیں تو اس کا ذہن اپنے محلے کے ان دوستوں میں محو ہوتا ہے جو نہایت آزادی و بے باکی سے اپنے حوصلے نکال رہے ہوتے ہیں۔

ہمارے گرد و پیش ایسے آوارہ گرد بچوں کی تعداد میں تشویش ناک حد تک اضافہ ہو رہا ہے جو شیطانی حرکتوں میں سرگرم عمل رہتے ہیں۔ جن کے سامنے زندگی کا کوئی مقصد ہوتا ہے اور نہ اپنے مستقبل کی کوئی فکر۔ ایسے ماحول کو بدلنے کی سنجیدگی سے کوشش کیجیے۔ طلبہ اور نوجوانوں کو اکٹھا کر کے انہیں دلسوزی سے سمجھائیے۔ ان کا حقیقی مقام انہیں یاد دلائیے۔ ان کے والدین کو اس صورت حال کی طرف متوجہ کیجیے۔ ان کے فرائض و واجبات کی یاد دہانی کرائیے۔ جب تک آپ ماحول کو نہ بدل سکیں، اس مخرب اخلاق اور فحش ماحول سے اپنے بچوں کو دور رکھیں۔ اس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ محلے کے اچھے بچوں کو منتخب کر کے ان کی ایک انجمن بنا دیجیے تاکہ وہ آپس میں شریک ہو کر مضر صحت مشاغل اور مخرب اخلاق ماحول سے محفوظ ہو سکیں۔ وہ اپنی انجمن میں بیت بازی، الفاظ سازی، تعلیمی تاش، (کسی بڑے کی نگرانی میں) نشانہ بازی، علمی لطائف اور نظم خوانی وغیرہ تعمیری مشاغل میں اپنی اضافی صلاحیتیں لگائیں۔ اگر پھسڈی بچوں کو بھی ایسا ماحول

فراہم کر دیا جائے تو امید ہے کہ ان کا پھسڈی پن بھی دور ہو جائے۔

پھسڈی پن کا ایک اہم سبب مدرسے اور گھر کے مابین ہم آہنگی اور تعاون کا فقدان ہے۔ اگر گھر اور مدرسہ باہمی تعاون سے بچے کی تربیت و نگہداشت کریں تو پھسڈی پن کے امکانات بہت کم ہو جاتے ہیں۔ نہ تو معلم کو یہ توفیق ہوتی ہے کہ وہ والدین سے بچے کی خوبیوں اور کمیوں پر تبادلہ خیال کر سکیں اور نہ ہی کبھی والدین جا کر معلم سے بچے کے کردار کی مکمل رپورٹ حاصل کرتے ہیں۔ اگر والدین اور معلم کے مابین مستقل رابطہ قائم رہے۔ دونوں مل کر بچے کی خوبیوں کو پروان چڑھانے اور اس کے نقائص کو دور کرنے کی حکیمانہ تدبیر کریں تو بچے کے بگاڑ کے امکانات تقریباً ختم ہو جائیں۔ مگر ہوتا یہ ہے کہ اگر معلم پھسڈی بچے کی شکایت اس کے والدین سے کر دے تو والدین اصلاح کی بجائے یا تو بچے پر برس پڑتے ہیں یا معلم ہی سے بدگمان ہو جاتے ہیں۔ نتیجتاً یہ پھسڈی اور آوارہ بچے مستقبل میں ماں باپ اور ملک و سماج کے لیے مستقل درد سر بن جاتے ہیں۔

بہرحال پھسڈی بچے ہماری توجہ کے بہت زیادہ مستحق ہیں۔ انہیں پھسڈی پن اور مایوسی سے نجات دلانے کی ہر ممکن کوشش ہمارا فرض ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کل قیامت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی بچہ یہ دعوی کر بیٹھے کہ اس کے پھسڈی پن کی ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے۔

ڈے کیئر سنٹرز یا نسل نو کی تباہی کے مراکز

اے میرے یورپ و امریکہ میں رہنے والے بھائیو اور بہنو!

جس طرح ہمیں اسلامی ممالک میں رہتے ہوئے اپنے بچوں کی تربیت اسلامی ماحول میں اسلامی خطوط پر کرنی چاہئے ایسے ہی کفار کے ممالک میں بھی کرنی چاہئے بلکہ وہاں اس کی ضرورت زیادہ شدید ہو جاتی ہے۔ لیکن دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ یورپ و امریکہ میں مسلمان والدین بچوں کی تربیت سے غفلت برتتے ہیں۔ دولت کے حصول کے لئے ماں بھی اور باپ بھی کام کرنے کے لئے مختلف کارخانوں' ملوں اور فیکٹریوں وغیرہ میں نکل

جاتے ہیں جبکہ اپنے شیر خوار اور کمسن معصوم بچوں کو جانوروں کے فارموں کی طرز پر بنے ہوئے ڈے کیئرز میں کرایہ پر جمع کروا جاتے ہیں۔ کتنا بڑا ظلم ہے یہ ان معصوموں کے ساتھ ...... کتنی بڑی سفاکی ہے۔ کس قدر سنگدلی کا مظاہرہ ہے یہ ...... یوں پیسے کا لالچ ان کے اپنے نونہالوں سے وابسطہ محبت و الفت کے جذبات کو سرد کر کے ان کی زندگی کی راہیں متعین کرنے کا اختیار کسی اور کے سپرد کر دیتا ہے۔ ان کو جان لینا چاہئے کہ ڈے کیئرز سنٹر قانون فطرت کی مخالفت پر مبنی ہیں۔ فطرت کا تقاضا ہے کہ ماں بچے کو گود میں لے کر لافانی جذبوں سے اس کی تربیت کرے نہ کہ غیر فطری طریقوں سے کہ جو ہلاکت و تباہی کی طرف لے جاتے ہیں۔ یاد رہے کہ ان سنٹرز سے اسلام کی علمبردار مثالی نسل کبھی برآمد نہیں ہو سکتی۔ ہم ان سنٹرز میں اپنے بچے جمع کروا کر یہ امید رکھیں کہ وہ ہونہار باوقار اور سچے مجاہد مسلمان بنیں گے .... یہ ہماری خام خیالی ہے۔ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کانٹے بو کر پھولوں کے نکلنے کی خواہش کی جائے۔ ان ڈے کیئر سنٹرز میں اکثر یورپ کی حرامی نسل پل رہی ہے کہ جن کے باپ کا کسی کو پتہ نہیں۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے بچے ان غنڈوں' بدمعاشوں' بدکرداروں عیاشوں کی حرامی نسل کے اوصاف اپنائیں ...... ہرگز نہیں ..... اگر آپ واقعی ایسا نہیں چاہتے تو پھر ان ڈے کیئر سنٹرز کو الوداع کہہ کر آج ہی اپنے بچوں کو اسلامی طرز حیات کے مطابق اپنے گھروں میں تربیت دیں۔

یورپ و امریکہ میں مسلمان والدین یہودیوں اور عیسائیوں کے ان بنائے ہوئے ڈے کیئر سنٹرز کا شکار کس طرح ہو رہے ہیں؟ اس کا اندازہ لگانے کے لئے ہم آپ کے سامنے جناب اسرار احمد کسانہ آف نیویارک کا مکتوب پیش کرتے ہیں۔ جس میں انہوں نے اس مسئلہ کی سنگینی کے متعلق کچھ دلخراش انکشافات کرتے ہوئے قدرے تفصیل سے بتایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"امریکہ میں بچوں کے مسائل بھی بہت ہیں۔ اکثر لوگ بچے پیدا کرنے سے کتراتے ہیں۔ کہ یہ ان کی نہ صرف آزادی کو سلب کر لیتے ہیں بلکہ ان کے لئے عجیب و غریب قسم کے مسائل کی وجہ سے نت نئی ذمہ داریاں پیدا کر دیتے ہیں اور امریکی ایسی قوم ہیں کہ

جو باہمی تعلقات اور خاندان کے حوالے سے کچھ زیادہ پابندیاں پسند نہیں کرتے۔ جو لوگ بالآخر بچوں کے بارے میں فیصلہ کر لیتے ہیں ان کو سب سے بڑا مسئلہ ڈے کیئر سنٹر کا ہوتا ہے۔ چونکہ شادی شدہ جوڑوں کی وسیع تعداد چند مستثنیات کے علاوہ کام کرتی ہے اور اپنی معاشی آزادی کھونا نہیں چاہتی لہٰذا ڈے کیئر کی تلاش لازم ہو جاتی ہے۔ والدین اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو صبح سویرے ڈے کیئر میں چھوڑ جاتے ہیں اور شام واپسی پر انہیں گھر لے آتے ہیں۔ عمومی طور پر حاملہ ماؤں کو کچھ ہفتے کی رخصت ملتی ہے جس کے بعد انہیں کام پر واپس لوٹنا ہوتا ہے۔ لہٰذا ڈے کیئر سنٹروں میں ڈیڑھ ماہ کے شیر خوار بچوں سے لے کر پانچ سال کی عمر کے بچے ملتے ہیں۔ ڈے کیئر سنٹر کھولنا ایک اچھا کاروبار بھی سمجھا جاتا ہے اگرچہ حکومتی ایجنسیاں ان سنٹرز کی خاصی مانیٹرنگ کرتی ہیں اور صرف لائسنس حاصل کرنے کے بعد ہی کوئی ڈے کیئر سنٹر کھولا جا سکتا ہے' تاہم معمولی منصوبہ بندی کے بعد یہ مقصد آسانی سے حل ہو جاتا ہے۔ ڈے کیئر سنٹرز کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے۔ اور امریکی محکمہ تعلیم کے زیر نگرانی چلنے والے "National Canter for Education Statistics" کے مطابق ہر دس میں سے چھ بچے ڈے کیئر کی نگرانی میں پل بڑھ رہے ہیں۔

ڈے کیئر کی تلاش کا مرحلہ بھی جان جوکھوں میں ڈالنے کے مترادف ہوتا ہے۔ والدین کو یہ فیصلہ کرتے وقت مختلف امور پیش نظر رہتے ہیں۔ مثلاً: ڈے کیئر لائسنس یافتہ ہے' سٹاف تربیت یافتہ ہے اور کتنا ہے' سٹاف کا بچوں کے ساتھ رویہ دوستانہ یا حاکمانہ ہے' بچوں کی تعداد کتنی ہے' ڈے کیئر محفوظ ہے' صفائی کا انتظام کیسا ہے' ڈسپلن سکھایا جاتا ہے' کھیل کے ذریعے تعلیم دی جاتی ہے۔ خوراک کیسی کھلائی جاتی ہے' بچوں کے سونے کا انتظام کیسا ہے' انتظامیہ ڈے کیئر کی آڑ میں کوئی اور کاروبار تو نہیں کر رہی' ڈے کیئر کی فی بچہ ٹیوشن کتنی ہے؟؟ وغیرہ وغیرہ۔

ڈے کیئر کے علاوہ امریکہ میں دو دیگر ذرائع سے بھی بچوں کی نگہداشت کا اہتمام کیا جاتا ہے اولاً: "اوپیئر" کا نظام: یہ فرانسیسی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے "برابر"

.... گویا کہ ان اوپیئر کو والدین برابری کی بنیاد پر اپنے گھروں میں رکھتے ہیں۔ عمومی طور پر یہ یورپی لڑکیاں ہوتی ہیں۔ جن کی عمر اٹھارہ سے پچیس سال تک ہوتی ہے۔ ان لڑکیوں کو سپیشل پروگرام کے تحت یونائیٹڈ سٹیٹس انفارمیشن ایجنسی نے ۱۹۸۶ء سے مخصوص ویزے جاری کرنا شروع کیے ہیں۔ اور انہیں قانون کی چھتری بھی مہیا کی گئی ہے۔ اسی قانون کے مطابق ان لڑکیوں کو رکھنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ انہیں گھر میں ایک پرائیویٹ بیڈروم' علیحدہ کھانا' ہر ماہ ایک مکمل ویک اینڈ (ہفتہ بھر) کی چھٹی' دو ہفتوں میں دس گھنٹوں اور ہفتے میں ۴۵ گھنٹوں سے زائد کام نہ لیں۔ ایسی لڑکیاں صرف ایک سال تک اس پروگرام کے تحت رہ سکتی ہیں۔ لہٰذا والدین کو نئے سرے سے کسی نئی اوپیئر کی تلاش شروع کرنی پڑتی ہے۔

ثانیاً: آیاؤں کا نظام: آیاؤں کا سلسلہ اوپیئر سے ذرا مختلف ہے۔ اوپیئر کے برعکس آیا گھر میں قیام نہیں کرتی بلکہ بچوں کی نگہداشت کے بعد اپنے گھر چلی جاتی ہے۔ ان آیاؤں کو کچھ زیادہ ٹریننگ بھی حاصل نہیں کرنا پڑتی۔ اوپیئر کی نسبت سستی پڑنے والی یہ آیائیں خاصی تیزی سے بڑھ رہی ہیں۔

ڈے کیئر سنٹروں میں ہوتا کیا ہے؟ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جس پر بھرپور توجہ دی جانی چاہئے۔ اپنی معاشی آزادی کی خاطر اپنے بچوں کی آزادی اور خواہشات کو سلب کر لینے والے والدین یہ بھول جاتے ہیں کہ اسی سٹیج پر بچے کی شخصیت تشکیل پا رہی ہوتی ہے اور اس موقع پر ان کا اپنے والدین کے قریب سے قریب تر رہنا کتنی اہمیت کا حامل ہے۔ ان سنٹروں میں کام کرنے والی خواتین خواہ کتنی ہی تربیت یافتہ ہوں' کتنی ہی رحم دل ہوں' وہ ماں باپ کا نعم البدل نہیں بن سکتیں۔ اور اس طرح بچوں کی زندگی میں بعض اوقات ایسا خلاء رہ جاتا ہے جو عمر بھر پورا نہیں ہو سکتا۔

ہم مسلمانوں میں بھی آہستہ آہستہ یہاں رہتے ہوئے ایسے مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ زیادہ جوڑے اپنی معاشی حالت بہتر بنانے کے لئے جاب (نوکری) کرتے ہیں۔ جس کی سزا پہلے بچے اور بعد میں خود بھگتتے ہیں۔ مسلمانوں کے اپنے ڈے کیئر سنٹرز نہ ہونے کے

برابر ہیں' جس کی وجہ سے امریکی سنٹروں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ جہاں تعلیم و تربیت دونوں ظاہر ہے عیسائی یا یہودی انداز سے کی جاتی ہے۔ گذشتہ دنوں مجھے ایک ڈے کیئر سنٹر جانے کا اتفاق ہوا تو یہ دیکھ کر انگشت بدندان رہ گیا کہ ایک مسلمان بچہ دوسرے بچوں کے ساتھ سور کی شکل کے کھلونے کے ساتھ کھیل رہا تھا۔

قصور کس کا ہے؟ عیسائیوں یا یہودیوں کا؟..... نہیں قصور ہمارا اپنا ہے کہ جو جانتے بوجھتے ہوئے چند ڈالروں کی خاطر..... اپنی اناؤں کی تشفی کی خاطر اپنے بچوں کو اپنے ہاتھوں عیسائی اور یہودی بنا رہے ہیں ...... کل ہم ان بچوں سے کیسے توقع کریں گے کہ ...... وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے راستے پر چلیں .... حلال و حرام میں امتیاز برتیں ..... قصور یہاں پر اجتماعی طور پر ہماری کمیونٹی کا ہے کہ جس میں یہ شعور تک پیدا نہیں ہو سکا کہ آئندہ نسل کو کس طرح بچایا جا سکتا ہے۔ ہمارے ڈنگ ٹپاؤ لیڈر ہر سال لاکھوں ڈالر لگا کر میلے اور پریڈیں تو منعقد کر لیتے ہیں۔ لیکن اسلامی سکول بناتے ہوئے یا اسلامی ڈے کیئر سنٹر بناتے ہوئے ان کے پاس فنڈز کی کمی کا بہانہ ہوتا ہے۔ قصور ہم سب کا ہے' ہم جو بھی آج بو رہے ہیں کل وہی کاٹنا ہو گا اور افسوس تو یہ ہے کہ ہم کانٹے بو رہے ہیں۔ (روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۶ مئی ۲۰۰۱ء)

اولاد کے حقوق

اولاد کا والدین پر یہ حق ہے کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے' یا ان پر رحم کھایا جائے' ان کے ساتھ نرمی اور شفقت کے ساتھ پیش آیا جائے' ان کے آرام و آسائش کا خیال رکھا جائے نیز ان کے جذبات و احساسات کا لحاظ رکھا جائے' کوئی ایسا برتاؤ نہ کیا جائے جس سے ان کا دل ٹوٹے' ان پر مایوسی طاری ہو' یا ان کی خودداری اور عزت نفس مجروح ہو۔

بات بات پر غصہ کرنا' بے جا سختی کرنا' چیخنا چلانا' ڈانٹنا جھڑکنا' برا بھلا کہنا' ناکارہ

نالائق، مہمل جیسے الفاظ سے یاد کرنا' ان کی نادانیوں اور شرارتوں سے تنگ آکر ان سے نفرت اور بیزاری کا اظہار کرنا' گالی دینا' کوسنا اور ان پر سختی کرنا' ان کو بے جا مشقت میں مبتلا کرنا' ان کو کسی وقت کھیل کھیلنے اور ہنسنے بولنے کا موقع نہ دینا' اولاد کے ساتھ بدسلوکی ہے۔ اور اس بدسلوکی کے نتائج نہایت تلخ اور حسرت ناک ہوتے ہیں' اولاد کے حق میں بھی' ماں باپ کے حق میں بھی اور معاشرے کے حق میں بھی۔

قرآن مجید تاکید کرتا ہے کہ اولاد کے ساتھ نرمی و عفو درگزر کا برتاؤ کیا جائے۔ اور شفقت و مہربانی سے پیش آیا جائے۔ اللہ تعالیٰ انہی لوگوں کے قصور بخشتا اور انہی لوگوں پر رحم فرماتا ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ معافی' درگزر اور بخشش کا سلوک کرتے ہیں۔

﴿ وَإِن تَعْفُوا۟ وَتَصْفَحُوا۟ وَتَغْفِرُوا۟ فَإِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٤﴾ ﴾

(التغابن ٦٤/ ١٤)

"اور اگر تم ان کو معاف کر دو' ان سے درگزر کرو اور ان کو بخشش دو تو اللہ بہت زیادہ بخشنے والا اور بہت زیادہ رحم کرنے والا ہے۔"

احنف عرب کے مشہور سردار تھے' ان کی شان و شوکت' ان کی دانائی' ان کی بردباری اور جاہ و جلال کا عرب میں بڑا شہرہ تھا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ان کا بڑا لحاظ فرماتے اور کہا کرتے "یہ بگڑ جائیں تو سمجھو ایک لاکھ عرب بگڑ گئے" ایک بار سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنے یہاں بلوایا' جب احنف تشریف لائے تو پوچھا: "ابو بحر! اولاد کے ساتھ سلوک کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟" احنف بن قیس نے کہا: "اولاد ہماری دلی آرزوؤں کا ثمرہ ہے اور کمر کی ٹیک ہے۔ ہم اس کے لیے اس زمین کی طرح ہیں جو نہایت ہی نرم اور بالکل بے ضرر ہے۔ ہمارا وجود اس کے لیے اس آسمان کی طرح ہے جو اس پر سایہ کیے ہوئے ہے۔ ہم اسی کے سہارے بڑے بڑے کارنامے انجام دینے کی

---

۱ صحیح بخاری' کتاب الھبۃ : باب الھبۃ للولد (ح ۲۵۸۶' ۲۵۸۷' ۲۶۵۰)۔ صحیح مسلم' کتاب الھبات : باب کراھۃ تفضیل بعض الاولاد فی الھبۃ (ح ۱۶۲۳)۔

ہمت رکھتے ہیں۔ لہٰذا اولاد اگر آپ سے کچھ مطالبہ کرے تو خوش دلی کے ساتھ اسے پورا کیجئے۔ اگر وہ کبھی غمزدہ ہو اس کے دل کا غم دور کیجئے۔ آپ دیکھیں گے کہ وہ آپ سے محبت کرے گی۔ آپ کی پدرانہ کوششوں کو پسند کرے گی' آپ کبھی اس کے لیے ناگوار اور ناقابل برداشت بوجھ نہ بنئے کہ وہ آپ کی زندگی سے اکتا جائے' آپ کی موت چاہنے لگے' اور آپ کے قریب آنے سے نفرت کرے۔"

اولاد کی ظاہری اور جسمانی پرورش و نگہداشت بھی اولاد کا حق ہے لیکن اس حق کے تقاضے پورے کرنے کے باوجود اگر والدین اس کی تعلیم و تربیت اور تادیب و تہذیب سے غفلت برت رہے ہیں تو اولاد کے حق میں یہ زبردست کوتاہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "اللہ تعالیٰ جس بندے کو بھی کچھ لوگوں کا نگران بناتا ہے چاہے وہ تھوڑے ہوں یا زیادہ وہ ضرور قیامت کے روز اس بندے سے باز پرس کرے گا کہ اس نے اپنے ماتحتوں کو دین پر چلایا یا انہیں ضائع کر دیا۔ یہاں تک کہ خاص طور پر اس کے گھر والوں کے بارے میں بھی محاسبہ کرے گا۔"

سلوک میں مساوات

آپ کی اولاد ہونے کے ناطے آپ کے سارے بچے برابر ہیں اور سب کا آپ پر یکساں حق ہے لہٰذا آپ سب کے ساتھ یکساں سلوک کریں اور کسی کو کسی پر ترجیح نہ دیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے پہلی بیوی یا پہلے شوہر کی اولاد اور موجودہ شریک حیات کی اولاد کے درمیان برابری کا سلوک نہیں کیا جاتا' جس شریک حیات سے جدائی ہو چکی ہے اور اس کی اولاد کے مقابلے میں نئے شریک حیات کی اولاد کی زیادہ قدر کی جاتی ہے اور پہلے شریک حیات کی اولاد کے حقوق نظرانداز ہو جاتے ہیں۔

سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے والد مجھے لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: "میں نے اس بیٹے کو ایک غلام ہبہ کر دیا ہے" (بعض روایت میں بجائے غلام کے باغ ہبہ کرنے کا ذکر ہے) رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا: "کیا تم نے اپنے سب بچوں کو اتنا ہی دیا ہے؟" انہوں نے عرض کیا کہ:

"نہیں (اوروں کو تو نہیں دیا ہے صرف اس لڑکے نعمان کو دیا ہے) آپ ﷺ نے فرمایا: "پھر یہ تو ٹھیک نہیں"۔ اور فرمایا کہ: "اس کو واپس لے لو" ایک اور روایت میں ہے کہ کیا تم چاہتے ہو کہ تمہاری سب اولاد یکساں طور پر تمہاری فرمانبردار اور خدمت گزار بنے؟" انہوں نے عرض کیا: "ہاں یا رسول اللہ ﷺ یہ تو ضرور چاہتا ہوں۔" تو آپ نے فرمایا: "پھر ایسا نہ کرو ایک کو دو اور دوسرے کو محروم رکھو" [1]

حلال روزی کھلانا اور اس کے اثرات

لڑکا یا لڑکی جب جوان ہو جائیں تو ماں باپ کی تمام ذمہ داریوں سے اہم ذمہ داری یہ ہے وہ اس کے لیے مناسب رشتے کی فکر کریں اور جوں ہی مناسب رشتہ مل جائے تو فوراً اسے نکاح کے رشتے میں باندھ دیں۔ شادی میں بلاوجہ تاخیر سے بعض اوقات انتہائی ناخوش گوار نتائج سامنے آتے ہیں۔

سیدنا ابوسعید خدری اور سیدنا عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جس شخص کو اللہ نے اولاد دی اور وہ اس کا اچھا سا نام رکھے، اسے اچھی تربیت دے اور جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کا نکاح کر دے اگر بالغ ہونے پر اس نے اولاد کا نکاح نہ کیا اور وہ کسی گناہ میں پڑ گئی تو اس کا وبال اس کے باپ پر ہو گا۔ [2]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "نکاح کے لیے عام طور پر چار چیزیں دیکھی جاتی ہیں:

(۱) مال و دولت (۲) خاندانی شرافت (۳) حسن و جمال (۴) دین و اخلاق

تم دیندار عورت سے شادی کرو تمہارا بھلا ہو۔" [3]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الجمعۃ: باب الجمعۃ فی القریٰ والمدن (ح ۸۹۳)۔ مسلم، کتاب الامارۃ: باب فضیلۃ الامیر العادل (ح ۱۸۲۹)۔

[2] بیہقی فی شعب الایمان (۸۶۶۶)

[3] صحیح بخاری، کتاب النکاح: باب الاکفاء فی الدین (ح ۵۰۹۰)۔ مسلم، کتاب الرضاع: باب استحباب نکاح ذات الدین (ح ۱۴۶۶)۔

اسی طرح سید نا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
"جب تمہارے یہاں کوئی ایسا شخص نکاح کا پیغام بھیجے جس کے دین و اخلاق سے تم مطمئن ہو تو اس سے اپنے جگر گوشے کی شادی کر دو اگر تم ایسا نہ کرو گے تو زمین میں زبردست فساد پھیل جائے گا۔"[1]

مہر کے بارے میں بھی رسول اللہ کی اس ہدایت کو پیش نظر رکھنا چاہیے کہ: بہترین مہر وہ ہے جو بہت آسان (اور کم) ہو۔[2]

---

[1] سنن ترمذی، کتاب النکاح: باب ماجاء فیمن ترضون دینہ فزوجوہ، (ح ۱۰۸۴)۔ حدیث صحیح ہے۔ سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح: باب الاکفاء، (ح ۱۹۶۷)۔ حدیث صحیح ہے۔ امام البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔ الارواء ۔الصحیحۃ

[2] مستدرک حاکم (۱۸۲/۲) و رواہ ابوداؤد فی کتاب النکاح: باب فیمن تزوج ولم یسم لھا صداقا حتی مات (ح ۲۱۱۷)۔ بلفظ "خیر النکاح ایسرہ" واللہ اعلم۔

باب ہشتم

بچوں کی زندگی میں اسلام کی جھلک

والدین' اساتذہ اور معاشرہ بچوں کی تربیت کے بارے میں اللہ کے حضور جواب دہ ہیں۔ اگر وہ اچھی تربیت کریں گے تو بچے اور وہ خود دنیا و آخرت میں سعادت مند ہوں گے۔ اگر انہوں نے تربیت میں غفلت کی تو بچے بدبخت بن جائیں گے جس کا بار دنیا اور آخرت میں ان کی گردن پر ہو گا۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے ہر ایک حکمران ہے اور ہر ایک اپنی رعایا کے بارے میں جواب دہ ہے۔''

لہٰذا اے معلم!..... تمہارے لئے نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق خوشخبری ہے:

((فَوَاللّٰهِ لاَنْ يَّهْدِيَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلاً وَاحِدًا خَيْرٌ لَّكَ مِنْ حُمُرِ النَّعَمِ))

''اللہ کی قسم! اگر اللہ نے تمہارے ذریعے ایک شخص کو بھی ہدایت دے دی تو وہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔''

اور اے والدین!..... تمہارے لئے اس حدیث کی رو سے خوشخبری ہے:

((اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَمَلُهُ إِلا مِنْ ثَلاَثٍ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ أَوْعِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ' أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْ لَهُ))

''جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو تین (اعمال) کے سوا اس کے تمام اعمال منقطع ہو جاتے ہیں' صدقہ جاریہ' ایسا علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں یا اولاد صالح جو والدین کے لئے دعا کرتی ہے۔''

لہٰذا اے تربیت کرنے والے!...... سب سے پہلے تجھے اپنی اصلاح کرنی چاہیئے کیونکہ ان معصوم بچوں کے سامنے تیری شخصیت ایک نمونہ کے طور پر ہوتی ہے۔ بچوں میں نقالی

کا جذبہ ایک فطرتی عمل ہے' اس لئے اولاد کے سامنے استاد اور والدین کا حسن سلوک ہی ان کی سب سے اچھی تربیت ہے۔

❁ بچوں کی تعلیم ((لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ)) سے شروع کی جائے اور جب بچے ذرا بڑے ہو جائیں تو انہیں اس کے معانی سمجھائے جائیں۔

❁ بچے کے دل میں اللہ تعالیٰ سے محبت اور اس پر ایمان کا بیج بویا جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی ہمارا خالق' رازق اور فریاد رس ہے۔ وہ ایک ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔

❁ اولاد کو جنت کی رغبت دلائی جائے اور بتایا جائے کہ جنت اسے ملے گی جو نماز پڑھے' روزے رکھے' اپنے والدین کی اطاعت کرے اور وہ کام کرے جس سے اللہ راضی ہو۔ اور انہیں دوزخ سے ڈرایا جائے کہ وہ اس کے لئے ہے جو نماز نہ پڑھے' اپنے والدین کو ستائے اور اللہ کو ناراض کرے' غیر شرعی کام کرے اور لوگوں کا مال دھوکا' جھوٹ اور سود وغیرہ کے ذریعہ کھائے۔

❁ بچوں کو سکھلائیں کہ وہ اللہ ہی سے سوال کریں اور صرف اسی سے مدد طلب کریں۔

نماز کی تعلیم بچوں کو نماز کی تعلیم بچپن سے ہی دینی چاہیئے تاکہ وہ بڑے ہو کر اس کا التزام کریں۔ کیونکہ صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((عَلِّمُوْا أَوْلَادَكُمُ الصَّلَاةَ إِذَا بَلَغُوْا سَبْعًا' وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا اِذَا بَلَغُوْا عَشْرًا' وَفَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ))

"جب بچے سات سال کی عمر کو پہنچ جائیں تو انہیں نماز کی تعلیم دو' اگر دس سال کی عمر میں نماز نہ پڑھیں تو انہیں سزا دو اور ان (دس سال کے بچوں) کے بستر بھی الگ کر دو۔" (یہ حدیث صحیح ہے جسے احمد نے روایت کیا ہے۔)

تعلیم کا طریقہ یہ ہے کہ ان کے سامنے وضو کیا جائے اور نماز ادا کی جائے۔ انہیں اپنے ساتھ مسجد لے جایا جائے اور ایسی کتاب پڑھنے کی ترغیب دی جائے جس میں نماز کی کیفیت درج ہو تاکہ سارے گھر والے نماز کے احکام سیکھ جائیں۔ استاد اور والدین سے یہی کچھ مطلوب ہے اگر وہ اس میں کوتاہی کریں گے تو اللہ کے ہاں جواب دہ ہوں گے۔

بچوں کو قرآن کریم کی تعلیم دی جائے۔ سورہ فاتحہ' چھوٹی چھوٹی سورتیں اور التحیات حفظ کرائیں۔ تجوید اور قرآن وحدیث کے حفظ کے لئے کسی معلم کا انتظام کریں۔ نماز جمعہ اور دیگر نمازیں باجماعت ادا کرنے پر ان کی حوصلہ افزائی کریں' اگر کوئی غلطی کریں تو انہیں نصیحت کرتے وقت نرمی سے کام لیں۔ انہیں ڈانٹیں یا جھڑکیں نہیں کہیں وہ نماز ہی نہ چھوڑ دیں جس کی وجہ سے ہم گناہ گار ہوں۔

حرام کاموں سے روکنا

اولاد کو کفر' گالی گلوچ' لعن طعن اور بدکلامی سے روکنا چاہیئے۔ انہیں نرمی سے سمجھانا چاہیئے کہ کفر حرام ہے جو خسارہ اور دوزخ میں دخول کا سبب بنتا ہے اور ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم ان کے سامنے اپنی زبانوں کی حفاظت کریں تاکہ انہیں پیروی کے لئے اچھا نمونہ پیش کر سکیں۔

ہمیں اپنی اولاد کو جوئے اور اس کی تمام اقسام سے منع کرنا چاہیئے۔ جیسے قسمت کے کھیل (گولیوں' بنٹوں' لڈو' اور قسمت پڑی جیسی سکیمیں) اور شطرنج وغیرہ۔ کیونکہ یہ چیزیں جوئے کی طرف لے جاتی ہیں۔ جس سے باہمی عداوت چل نکلتی ہے اور یہ باتیں ان کے لئے' ان کے مال اور وقت کا ضیاع ہیں۔ پھر اس سے ان کی نمازیں بھی ضائع ہوتی ہیں۔ اولاد کو فحش رسالے پڑھنے اور فلم بینی (ٹیلی ویژن) سے منع کرنا چاہیئے جن سے ان کے اخلاق اور مستقبل کو نقصان پہنچتا ہے۔ بچے کو تمباکو نوشی سے منع کرنا چاہیئے اور اسے پھل وغیرہ کھانے کی نصیحت کرنی چاہیئے۔ اولاد کو قولاً اور فعلاً سچ بولنے کا عادی بنانا چاہیئے۔ ہم اپنی اولاد کو حرام مال نہ کھلائیں جیسے رشوت' سود اور چوری کا مال اور ایسا مال جو فریب سے حاصل کیا گیا ہو۔ کیونکہ ایسا مال ان کی بدبختی' سرکشی اور نافرمانی کا سبب بنتا ہے۔ اولاد کو ہلاکت اور غضب کے الفاظ سے نہ پکاریں (مثلاً تیرا بیڑا غرق' تیرا ستیاناس ہو' اور تجھے آئے کسی کی آئی وغیرہ) کیونکہ دعا کبھی قبول بھی ہو جاتی ہے خواہ وہ اچھی ہو یا بری اور بسا اوقات اسی پکار سے اولاد میں گمراہی بڑھتی ہے اور بہتر یہ ہے کہ ہم اپنے بچے سے یوں کہیں ((اَصْلَحَكَ اللّٰہ)) "اللہ تیرا بھلا کرے۔"

انہیں اللہ کے ساتھ شرک کرنے سے ڈرانا چاہیئے اور شرک یہ ہے کہ اللہ کے سوا

فوت شدہ لوگوں کو پکارا جائے اور ان سے مدد طلب کی جائے۔ حالانکہ وہ بھی بندے ہی ہیں جو نفع نقصان کا کچھ اختیار نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"اللہ کے سوا کسی کو مت پکارو جو تمہیں فائدہ پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان اور اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ ظالموں (یعنی مشرکوں) سے ہو جائیں گے۔" (یونس: ۱۰۶)

ستر و حجاب کی ترغیب

بچی کو بچپن ہی سے پردہ کی ترغیب دینی چاہیئے تاکہ وہ بڑی ہو کر اس کا التزام کرے، اسے فیشنی کپڑے نہیں پہنانا چاہئیں اور نہ ہی پتلون یا صرف قمیض کیونکہ اس میں مردوں اور کافروں سے مشابہت اور نوجوانوں کے لئے فتنہ اور انگیخت (رغبت) کا سبب ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ بچی سات سال کی ہو جائے تو اسے سر پر رومال رکھنے اور بالغ ہونے لگے تو چہرہ کو ڈھانپنے کا حکم دیں۔ اس کا ظاہری لباس سادہ، ساتر، لمبا اور کشادہ ہو، جو اس کے شرف (عزت، شرم و حیاء اور وقار) کی حفاظت کر سکے۔ قرآن کریم تمام مؤمن عورتوں کو اسی بات کی تعلیم دیتا ہے۔ فرمایا:

"اے نبی! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی چادریں نیچے ڈال لیا کریں۔ یہ ان کے لئے موجب شناخت ہو گا تو کوئی انہیں ایذا نہ دے گا۔" (احزاب: ۵۹/۳۳)

نیز اللہ تعالیٰ نے مومن عورتوں کو نمائش کرنے سے منع فرمایا ہے:

"اور ایام جاہلیت والی زیب و زینت کا اظہار نہ کیا کریں۔" (الاحزاب:۳۳)

اولاد کو یہ نصیحت کرنی چاہیئے کہ لڑکا اور لڑکی الگ الگ خاص لباس کا التزام کریں تاکہ دوسری جنس سے تمیز ہو سکے۔ وہ مسلمانوں کے علاوہ دوسری قوموں سے مشابہت والے لباس نہ پہنیں، جیسے تنگ پتلون وغیرہ، کیونکہ یہ نقصان دہ عادات ہیں۔

"نبی کریم ﷺ نے ان مردوں پر لعنت کی ہے جو عورتوں کی مشابہت کرتے ہیں اور ان عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت کرتی ہیں نیز آپ نے مردوں میں سے مخنثوں پر اور ان عورتوں پر لعنت فرمائی جو مردوں کی سی ہیئت اختیار کرتی ہیں۔" اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: "جس نے کسی قوم سے مشابہت اختیار کی تو وہ انہی میں سے ہے۔" (یہ حدیث صحیح

ہے اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔)

اخلاق و آداب ہمیں بچوں کو اس بات کا عادی بنانا چاہیئے کہ وہ کوئی چیز لینے' دینے' کھانے' پینے' لکھنے اور بھلائی کے ہر کام میں اپنا داہنا ہاتھ استعمال کریں۔ انہیں ہر کام سے پہلے ((بِسْمِ اللّٰہ)) پڑھنے کی تعلیم دینی چاہیئے کھانے' پینے کے متعلق یہ بتائیں کہ وہ بیٹھ کر کھائیں پیئیں اور جب کھانے' پینے سے فارغ ہوں تو ((اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ)) کہیں۔ بچے کو صفائی کا عادی بنانا چاہیئے کہ وہ اپنے ناخن کاٹے' کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھوئے۔ اسے استنجا کی تعلیم دینی چاہیئے تاکہ وہ پیشاب کے بعد پاکیزگی حاصل کر سکے تاکہ اس کی نماز صحیح ہو اور لباس خراب نہ ہو۔ بچوں کے ذہنوں میں نماز کی اہمیت و فرضیت کو جاگزیں کرنے کے لئے اللہ کریم اور رسول اللہ کے فرامین۔ ان کے گوش گزار کرتے رہنا چاہیے۔

وضو اور نماز کی تعلیم اپنی اولاد کو نماز کے لئے مسنون وضوء کی اس طرح تربیت دو کہ بچو!

(۱) اپنی کہنیوں تک کپڑا ہٹاؤ اور بسم اللہ پڑھو۔ (۲) اپنے دونوں ہاتھ دھوؤ' کلی کرو اور ناک میں پانی ڈال کر جھاڑو۔ (تین تین بار ایسا کرو) (۳) اپنا چہرہ دھوؤ' پھر کہنیوں تک پہلے دایاں ہاتھ' پھر بایاں ہاتھ (تین بار) دھوؤ (۴) اپنے پورے سر کا' کانوں سمیت مسح کرو۔ (۵) اپنے پاؤں ٹخنوں تک دھوؤ پہلے دایاں پھر بایاں (تین بار)

صبح کی نماز (صبح کی نماز بچوں سے خاص طور پر اہتمام کے ساتھ پڑھوائیں بلکہ اپنے ساتھ مسجد میں لے کر جائیں) نماز کی نیت کروائیں (نیت صرف دل سے کی جاتی ہے زبان سے اقرار کرنا خلاف سنت ہے۔ دوسرے لفظوں میں نیت ارادے کا نام ہے) اپنی اولاد کو نماز کی تربیت دیتے ہوئے بتائیں کہ صبح کی نماز فرض' دو رکعات ہیں۔ اور دو سنتیں ہیں۔

پہلی رکعت نماز کے وقت قبلہ رخ ہو جاؤ۔ اپنے ہاتھ کانوں تک بلند کرو اور کہو ((اللہ اکبر)) پھر اپنے سینہ پر بائیں ہاتھ کے اوپر دایاں ہاتھ رکھو اور پڑھو:

((سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَ تَعَالٰى جَدُّكَ 'وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ))
کوئی اور مسنون دعا بھی پڑھ سکتے ہو) اس کے بعد الحمد شریف کی تلاوت کریں:

﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝١ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٢ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝٣ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝٤ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝٥ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝٦ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝٧ ﴾ (الفاتحة ١/ ١-٧)

پھر ساتھ کوئی سی سورت ملائیں مثلاً:

﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝١ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝٢ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝٣ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝٤ ﴾ (الاخلاص ١١٢/ ١-٤)

(یا قرآن سے کوئی اور سورت پڑھ لیں جو زبانی یاد ہو) اب اپنے ہاتھ اٹھاؤ' تکبیر کہو اور رکوع کرو۔ اپنے ہاتھ گھٹنوں پر رکھو اور تین بار کہو: ((سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ)) پھر اپنے ہاتھ اور سر اٹھاؤ اور کہو: ((سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ ' اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ)) پھر تکبیر کہو اور سجدہ میں چلے جاؤ۔ (دوران سجدہ) اپنی ہتھیلیاں' گھٹنے' پیشانی' ناک اور دونوں پاؤں کی انگلیاں زمین پر قبلہ رخ رکھو۔ اپنی کہنیاں بلند رکھو اور کہو: ((سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى)) (تین بار) سجدے سے سر اٹھاؤ' تکبیر کہو' اپنے ہاتھ گھٹنوں پر رکھو اور کہو: ((اَللّٰهُمَّ رَبِّ اغْفِرْلِي وَارْحَمْنِي وَاهْدِنِي وَ عَافِنِي وَارْزُقْنِي)) اب دوسری بار سجدہ کرو' تکبیر کہو اور پڑھو: ((سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى)) تین بار۔ اب دوسرے سجدے سے سر اٹھاؤ اور بائیں پاؤں پر بیٹھ جاؤ اور اپنے دائیں پاؤں کی انگلیاں کھڑی رکھو۔(یہ صورت جلسہ استراحت کہلاتی ہے)

دوسری رکعت

• اب دوسری رکعت کے لئے اٹھو بِسْمِ اللّٰهِ اور سورہ فاتحہ پڑھو اور کوئی چھوٹی سی سورت یا جو کچھ تمہیں قرآن سے یاد ہو' پڑھو۔ پہلے کی طرح رکوع اور سجود کرو جیسے سیکھ چکے ہو۔ دوسرے سجدہ کے بعد بیٹھ جاؤ اپنے دائیں

ہاتھ کی انگلیاں بند رکھو- دائیں شہادت کی انگلی اٹھاؤ اسے حرکت دو اور پڑھو:

((اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ' اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ' اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَ عَلَى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ' اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ' وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ' اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ عَلَى آلِ مُحَمَّدٍ' كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلَى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ' اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَّ عَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلَى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ)) (پھر یہ دعا پڑھیں:)

((اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ' وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ' وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ' وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ))

پھر دائیں طرف چہرہ پھیر کر ((اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ)) کہیں پھر بائیں طرف منہ پھیر کر یہی کہیں۔

نماز کے احکام و مسائل

(1) قبلیہ: وہ سنتیں ہیں جو فرض سے پہلے ہوں اور بعدیہ: وہ جو فرض کے بعد ہوں۔ (2) آہستہ آہستہ نماز ادا کرو۔ اپنے سجدہ کی جگہ نظر رکھو۔ ادھر ادھر نہ دیکھو۔ (3) جب امام کی قراءت سنو تو خاموش رہو اور جب نہ سنو تو اس وقت پڑھو۔ (4) جمعہ کی دو رکعات فرض ہیں جو خطبہ کے بعد مسجد میں ہی ادا ہو سکتی ہیں۔ (5) مغرب کے فرض تین ہیں۔ دو رکعتیں تو صبح کی نماز کی طرح ادا کرو اور جب التحیات (تشہد) ختم ہونے کو ہو تو سلام نہ پھیرو بلکہ تیسری رکعت کے لئے اٹھ کھڑے ہو اور تکبیر کہتے ہوئے کندھوں تک اپنے ہاتھ بلند کرو اور صرف سورہ فاتحہ پڑھو اور اپنی نماز مکمل کر لو پھر دائیں اور بائیں سلام پھیرو۔ (6) ظہر' عصر اور عشاء کی فرض نماز چار رکعت ہیں۔ جیسے صبح کی نماز ادا کی تھی۔ ایسے ہی دو رکعت ادا کرنے کے بعد اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ کے بعد سلام نہ پھیرو' تیسری پھر چوتھی رکعت کے لئے اٹھو اور صرف سورہ فاتحہ پڑھو۔ اسی طرح اپنی نماز پوری کرو اور پھر دائیں اور بائیں سلام پھیرو۔ (7) وتر تین رکعت ہیں' دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دو۔ پھر اکیلی ایک رکعت پڑھ

کر سلام پھیرو اور بہتر ہے کہ رکوع سے قبل یہ دعا پڑھو جو حدیث سے ثابت ہے:
((اَللّٰهُمَّ اهْدِنِي فِيمَنْ هَدَيْتَ، وَعَافِنِي فِيمَنْ عَافَيْتَ، وَتَوَلَّنِي فِيمَنْ تَوَلَّيْتَ، وَبَارِكْ لِي فِيمَا أَعْطَيْتَ، وَقِنِي شَرَّ مَا قَضَيْتَ، إِنَّكَ تَقْضِي وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ، وَإِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ، وَلَا يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ، تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ)) (ابوداؤد رقم ۱۴۲۵)

﴿۸﴾ جب امام کی اقتداء میں شامل ہونا چاہتے ہوں تو کھڑے ہو کر تکبیر کہو۔ اور اس سے مل جاؤ (اگر امام کے ساتھ قیام میں سورۃ فاتحہ کے اکثر حصہ کے پڑھنے جتنا وقفہ قیام نہیں ملا تو وہ اسے اپنی رکعت شمار نہ کرے بلکہ سلام پھیرنے کے بعد کھڑا ہو کر اپنی اس رکعت کو مکمل کرے گا' پڑھے گا۔ ﴿۹﴾ اگر تمہاری ایک یا زیادہ رکعتیں فوت ہو چکی ہوں تو امام سے مل کر اس کی آخر نماز تک اتباع کرو' مگر امام کے ساتھ سلام نہ پھیرو اور اٹھ کر باقی رکعتیں پوری کر لو۔ ﴿۱۰﴾ نماز میں جلدی مت کرو۔ کیونکہ سرعت (تیزی)' نماز کو باطل کر دیتی ہے۔ (یعنی نماز کے ارکان کو تیزی اور جلدی جلدی ادا نہ کرو) ﴿۱۱﴾ جب نماز کے واجبات سے کوئی واجب رہ جائے۔ مثلاً: آپ پہلا تشہد (قعدہ) چھوڑ گئے اور رکعات کی تعداد میں شک پڑ گیا تو کم تر عدد پر انحصار کرو اور نماز کے آخر میں دو سجدے کرو اور سلام پھیرو۔ ایسے سجدہ کو "سجدہ سہو" (بھولنے کا سجدہ) کہتے ہیں۔

"جب تم سجدہ کرو تو اپنی ہتھیلیاں زمین پر رکھو اور کہنیاں اوپر اٹھاؤ۔" (صحیح مسلم)

"میں تمہارا امام ہوں لہٰذا رکوع و سجود میں مجھ سے آگے مت بڑھو۔" (صحیح مسلم) (یعنی رکوع اور سجدہ امام سے پہلے نہیں کرنا چاہیئے)

بچوں کی تربیت کیسے کریں؟

بچوں نے ہی مستقبل میں مُلک وملت کی باگ ڈور سنبھالنی ہوتی ہے...ملک وقوم کے اہم فیصلے کرنے ہوتے ہیں‘ خاندانوں کی پہچان بننا ہوتا ہے...وہ مستقبل میں کس طرح کا مثبت یا منفی کردار ادا کرتے ہیں؟...یہ ان کی بچپن میں کی جانے والی تربیت پر منحصر ہے۔ اگر تربیت اعلیٰ درجہ کی مثالی ہوگی تو وہ بچہ بھی ملک وملت کے لئے مفید اور نیک نامی کا باعث بنے گا ورنہ نقصان دہ بدنامی اور معاشرے کو گندا کرنے کا باعث بن جائے گا۔

آج جب کُفر والحاد کی آندھیاں چل رہی ہیں، ڈش، ٹی وی، انٹرنیٹ سسٹم اور کیبل سسٹم کے علاوہ لچر وبیہودہ اخبار وجرائد ورسائل اور غیر مُلکی پرنٹ میڈیا اخلاق باختگی کے طوفان اُٹھائے ہوئے ہے...تو والدین اپنی اولاد کے متعلق فکر مند ہیں کہ وہ انکی پرورش کسطرح کریں کہ وہ بہترین انسان ہی نہیں بلکہ بہترین اور مضبوط وتوانا مسلمان بھی بن سکیں...تو اس کتاب میں قرآن وحدیث، طب وحکمت، جدید سائنس، نفسیات اور جدید ریسرچ کی روشنی میں وہ تمام رہنمائی فراہم کی گئی ہے جو آپ کے بچے کی تربیت کرنے میں آپ کی رہنمائی، بچے کی پیدائش سے لے کر بالغ ہونے تک کرے گی۔ اس لئے کہ اس کتاب میں تقریباً ان تمام باتوں کو احاطۂ تحریر میں لانے کی کوشش کی گئی ہے جن سے پتہ چل سکے کہ مسلمان بچوں کی تربیت کیلئے کون سے امور ضروری ہیں اور ان کو مہذب بنانے کے لئے کن باتوں سے اجتناب وپرہیز ضروری ہے۔ اب تک اس موضوع پر آنے والی کُتب میں یہ کتاب بلاشبہ بہترین اور جامع کتاب ہے۔ بلکہ بچوں کی تربیت کیلئے فکر مند والدین کیلئے ایک بہترین وانمول تحفہ ہے۔

دار البلاغ
DARULIBLAGH